علی رفاد فتیحی

خزینہ اُردو زبان و ادب

قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، نئی دہلی

اردو لسانیات

علی رفاد فتیحی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

فروغ اردو بھون، ایف۔سی۔ 33/9 انسٹی ٹیوشنل ایریا

جسولہ، نئی دہلی۔110025

نام کتاب : اردو لسانیات URDU LISANIYAT

مصنف : پروفیسر علی رفاد فتیحی Prof. A R Fatihi

ناشر : قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

کمپیوٹر کمپوزنگ : ذاکر حسین

اشاعت : 2012

پیش لفظ

لفظ حقیقت و صداقت کا اظہار ہے اس لیے مقدس ہے ۔ لفظ میں انسان کے نطق و شعور کا ارتقا مضمر ہوتا ہے ۔ انسانی شعور کے اس ارتقا میں لفظ نمایاں رول انجام دیتے ہیں کیونکہ نئی لفظیات انسانی شعور اور اس کے اظہار یعنی زبان کو زندگی اور تازگی عطا کرتی ہے ۔ اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی نے کہا تھا :

" انسانوں کی طرح لفظوں پر بھی جوانی، بڑھاپے اور موت کا عمل ہوتا ہے ۔ چنانچہ لفظ پیدا ہوتے ہیں ، جوان ہوتے ہیں اور مر جاتے ہیں ۔ زبان میں لفظ کا رائج ہونا لفظ کی جوانی ہے کم استعمال میں آنا اس کا بڑھاپا اور متروک ہوجانا اس کی موت ہے ۔"

پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی کے اس قول سے زبانوں کے ارتقا میں لفظ کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے ۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ لفظوں کے اس سفر کا لسانی مطالعہ پیش کیا جائے ۔ زیر نظر کتاب اس سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے ۔ یہ کتاب پروفیسر علی رفاد فتیحی کی منطقی طرز تحقیق کی آئینہ دار ہے ۔ " لفظ سازی " لسانی دلائل کے ساتھ ان تمام طریقۂ کار مثلاً مستعاریت، تصریفیت، اشتقاقیت، مخلوطیت، انجذاب اور ' اسمیت ' کا تجزیہ پیش کرتی ہے جو اردو الفاظ کی تشکیل و تخلیق میں معاون ثابت ہوتے ہیں ۔ اس کتاب میں تغیر معنی، توسیع معنی، تقلیل معنی اور صوتی تغیرات کو بھی موضوع گفتگو بنایا گیا ہے ۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا بنیادی مقصد علمی کتابیں کم سے کم قیمت پر مہیا کرنا ہے تاکہ اردو کا دائرہ وسیع ہو۔ اس کا مقصد اس خوب

صورت زبان کی ضرورتیں پورا کرنا ہے تاکہ اردو کی نصابی اور غیر نصابی کتابیں آسانی سے مناسب قیمت پر قاری تک پہنچیں۔ زبان کے فروغ میں سماجی، طبعی اور لسانی علوم کی کتابوں کی اہمیت کم نہیں ہوتی کیونکہ سماجی ارتقا اور ذہن انسانی کی نشو و نما کا تجزیہ ان علوم کے بغیر ممکن نہیں۔

امید کی جاتی ہے کہ 'لفظ سازی' موضوع کی انفرادیت، منطقی طرز تحقیق اور لسانی اسلوب بیان کے پیش نظر اردو لسانیاتی مطالعے میں اہم رول انجام دے گی۔

ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین

ڈائرکٹر

اظہار تشکر

دنیا کے چھ ارب لوگ تقریباً سات ہزار زبانیں بولتے ہیں ۔ ان زبانوں میں عقل کو چکرا دینے والا صوتی ونحوی تنوّع پایا جاتا ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ صرف ونحو کا کوئی مشکل سے مشکل اصول بھی دنیا کی کسی نہ کسی زبان میں مل جاتا ہے ۔ لیکن جدید دور کے چند ماہرین لسانیات کا خیال ہے کہ اس تمام تر رنگا رنگی یا انتشار کے باوجود دنیا کی ان ساری زبانوں کے ڈانڈے ایک ہی زبان سے ملتے ہیں ۔ یہ ماہرین لسانیات کہتے ہیں کہ جدید جینیاتی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً پچاس ہزار برس قبل انسانوں کا ایک چھوٹا سا گروہ مشرقی افریقہ سے باہر نکلا اور دیکھتے ہی دیکھتے دنیا بھر میں پھیل گیا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ گروہ ایک ہی زبان بولتا تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جس طرح علاقائی اور موسمی تغیرات کے زیرِ اثر انسانی رنگ روپ اور خدو خال میں تبدیلیاں آتی گئیں ، اسی طرح یہ ابتدائی زبان مختلف خطوں میں جاکر ہزاروں مختلف اور باہم ناقابلِ فہم زبانوں میں ڈھلتی گئی۔ اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے ماہرین لسانیات کہتے ہیں کہ اردو، ہندی، گجراتی، مراٹھی وغیرہ ایک ایسے لسانی گروہ سے تعلق رکھتی ہیں جسے ''اِنڈک'' یا ''انڈو آرین'' یا ''ہند آریائی'' کہا جاتاہے ۔لسانی خاندان 'ہند آریائی' یا 'انڈک' بہ ذاتِ خود ایک بڑے لسانی خاندان 'انڈو یورپین' سے تعلق رکھتا ہے ۔ اسی طرح انڈویورپین خاندان، زبانوں کے ایک اور خاندان سے مشابہت رکھتا ہے جسے 'یورالک' خاندان کہا جاتاہے ۔ اس خاندان میں ترکی،

منگولیائی، ہنگریائی اور فنش وغیرہ شامل ہیں ۔ ان دونوں خاندانوں کو ملا

کر ' یوروایشیاٹک خاندان ' کی تشکیل ہوتی ہے ۔ ماہرین لسانیات کا خیال ہے کہ دنیا کی تمام زبانوں کو یوروایشیاٹک کی طرح کے 12 بڑے خاندانوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ۔ اور دل چسپ بات یہ ہے کہ یہ 12 خاندان بھی ایک دوسرے سے بالکل الگ تھلگ نہیں ہیں بلکہ ان کی کئی خصوصیات ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں ، جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ سارے خاندان شروع میں ایک تھے ۔

اردو، ہندی اور پنجابی سمیت شمالی ہندوستان کی بیش تر زبانیں ' انڈویورپین ' خاندان سے تعلق رکھتی ہیں ۔ ان زبانوں میں انگریزی، فرانسیسی، جرمن، روسی، لاطینی، یونانی اور فارسی وغیرہ بھی شامل ہیں ۔ انڈویورپین خاندان کا ماخذ کیا ہے اور اس کے اولین بولنے والے کون تھے ، یہ سوال انتہائی متنازعہ رہا ہے اور گزشتہ کئی صدیوں سے اس پر بحث و تمحیص جاری ہے ۔ بعض ماہرین لسانیات نے چند برس قبل ایک نظریہ پیش کیا تھا جس کے مطابق آج سے تقریباً سات ہزار برس پیش تر، ترکی سے ایک قوم اٹھی اور چند صدیوں کے اندر اندر سارے یورپ اور وسطی ایشیا پر چھا گئی۔ اس قوم کی کامیابی کی وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ زراعت کے علم سے بہرہ ور تھے ، جب کہ ان سے پہلے یورپ کے ' ایبورجنل ' یعنی آدی باسی صرف شکار سے پیٹ پالا کرتے تھے ۔ ان ماہرین کے مطابق یہ لوگ اپنی زبان ساتھ لے گئے جسے آج کل ' پروٹو انڈویورپین ' کہا جاتا ہے ۔ یہ وہ زبان ہے جس نے رفتہ رفتہ یورپ کی قدیم زبانوں کی جگہ لے لی ۔ ان پرانی زبانوں کی ایک بچی کھچی مثال " باسک " زبان ہے جو آج بھی اسپین اور فرانس کے بعض علاقوں میں بولی جاتی ہے ۔ ان ماہرین کا خیال ہے کہ بیش تر انڈویورپین زبانوں کا منبع، ترک کسانوں کی یہی زبان ہے ۔ ان ماہرین نے مثال دی کہ اس خاندان کی اکثر زبانوں میں واحد متکلم کے لیے

جو الفاظ استعمال ہوتے ہیں، وہ حرف 'م' سے شروع ہوتے ہیں، جب کہ مخاطب کے لیے الفاظ 'ت' سے شروع ہوتے ہیں۔ اردو اسی خاندان کی 'بیٹی' ہے، چنانچہ یہاں واحد متکلم 'میں' اور واحد مخاطب 'تم' ہیں، اور تقریباً یہی حال شمالی ہندوستان کی اکثر زبانوں کا ہے۔ فارسی میں دیکھیے تو وہاں 'من و تو' ملیں گے۔ یہی نہیں بلکہ یورپ کی اکثر زبانوں میں مذکورہ الفاظ کے لیے انھیں آوازوں کی تکرار ملے گی، جب کہ لاطینی زبان میں مخاطب کے لیے اردو اور فارسی والے 'تو' ہی سے کام چلایا جاتا ہے۔

اوپر باسک کا ذکر آیا تھا۔ اس زبان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ایک 'لینگویج آئسولیٹ (Language Isolate)' ہے، یعنی ایک ایسی زبان جس کا تعلق دنیا کی کسی اور زبان سے نہیں ہے۔ پاکستان کے شمالی علاقے میں بھی ایسی ہی ایک اور 'لینگویج آئسولیٹ' بولی جاتی ہے۔جس کا نام "بروشکی" ہے۔ اس زبان کی مثال کچھ یوں ہے کہ اس کا کسی دوسری زبان سے کوئی سروکار اور کسی اور زبان کا اس سے کوئی لینا دینا نہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ زبانیں مکمل طور پر اچھوتی نہیں ہیں اور گزشتہ بیس برسوں میں بعض ماہرین لسانیات نے بروشکی، باسک اور ایک اور آئسولیٹ "کیٹ" میں کچھ قدر ہائے مشترک تلاش کی ہیں اور دلچسپ بات یہ کہ تینوں زبانیں ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں جسے 'ڈینے کا کیشین' کہا جاتا ہے۔چینی زبان بھی اسی خاندان کی رکن ہے۔ پروفیسر جوزف گرین برگ پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ زبانیں اتنی تیزی سے رنگ بدلتی ہیں کہ ان کے ہزاروں سال پرانے ماخذات کے بارے میں کچھ بھی کہنا ناممکن ہے۔ لیکن یہ ماہرین کہتے ہیں کہ یہ بات بالکل غلط ہے اور کئی الفاظ ایسے ہیں جو بڑی مشکل سے بدلتے ہیں۔ ان الفاظ میں جسمانی اعضا کے نام (ہاتھ، انگلی، آنکھ، ناک، کان وغیرہ)۔ بنیادی رشتے (ماں، باپ، بیٹا وغیرہ)

اور قدرتی مظاہر (آگ، پانی وغیرہ) شامل ہیں۔ یہ سب اتنے سخت جان الفاظ ہیں کہ انہیں بدلتے بدلتے بہت وقت لگتا ہے۔ زبان کے یہ ماہرین اسی قسم کے ثابت قدم الفاظ کی جڑیں تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کی مدد سے خاندانوں کو گروہوں اور خاندانوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ان تفصیلات سے اندازہ ہوتاہے کہ زبان کا تعلق مختلف لسانی گروہوں سے ہوتاہے۔

زبان ایک ایسا لسانی نظام ہے جس میں مختلف آوازوں اور اشاروں کی مدد سے ایک دوسرے سے رابطہ کیا جاتا ہے۔ اگرچہ انسانوں کے علاوہ مختلف حیوانات بھی آپس میں ترسیلِ معلومات کرتے ہیں لیکن اس کا شمار زبان میں نہیں ہوتا۔اسی طرح مصنوعی زبان کا بھی شمار زبان میں نہیں ہوتا۔ مصنوعی زبان کی اصطلاح ان زبانوں کے لیے ہوتی ہے جو کمپیوٹر میں استعمال ہوتی ہیں۔ مثلاً Java,c++ وغیرہ یعنی زبان سے عموماً وہ نظام مراد لیا جاتا ہے جس کے ذریعے انسان ایک دوسرے سے تبادلۂ معلومات و خیالات کرتے ہیں۔ دنیا میں اس وقت بھی ہزاروں مختلف زبانوں کا وجود ہے ان میں سے بعض بڑی تیزی سے ناپید ہو رہی ہیں۔لہٰذا ضروری ہے کہ لسانی

تجزیے سے ان زبانوں کو محفوظ رکھا جائے کیونکہ زبانوں کی تخلیق و ترقی کا تجزیہ لسانیات کی مدد
سے ہی کیا جاسکتا ہے۔

دنیا کی ہزاروں زبانوں میں سے ایک اردو بھی ہے۔ اردو، ترکی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی لشکر یا فوج کے ہیں۔ 1637 کے بعد جو شاہی لشکر دہلی میں مقیم رہا وہ اردوئے معلی کہلاتا تھا، اس لیے اردو کو عام طور پر لشکری زبان بھی کہا جاتا تھا کیونکہ یہ ہندی،ترکی، عربی، فارسی اور سنسکرت

زبانوں کا مرکب تھی لیکن بعض محققین کا یہ خیال ہے کہ یہ آریوں کی قدیم زبان کا لفظ ہے ۔ سر سید احمد خان اور سید احمد دہلوی کا دعویٰ ہے کہ اردو زبان کی ابتدا شاہجہانی لشکر سے ہوئی اس لیے اس کا نام اردو پڑا۔ بہرصورت اس وقت اس زبان کو ہندوی ، ہندستانی ، ریختہ، دکنی اور گجراتی کے ناموں سے یاد کیا جاتا تھا۔ اردو زبان کو مختلف اوقات میں مختلف ناموں سے موسوم کیا جاتا رہا۔ اس زبان نے ارتقا کی جتنی منزلیں طے کیں اتنے ہی اس کے نام پڑتے چلے گئے ۔ ناموں کی اس تبدیلی کے پس پردہ مختلف ادوار کی مخصوص تہذیبی و سیاسی روایات کی کارفرمائی نظر آتی ہے ۔ حافظ محمود شیرانی اور بعض دیگر ماہرین لسانیات کے مطابق قدیم اردو کو ہندوستان کی نسبت سے ہندی یا ہندوی کہا جاتا رہا ہے ۔ قاضی خان بدر اور سراج الدین علی خان آرزو نے ہندوستان کی زبان کو ہندی یا ہندوی لکھا ہے ۔ ' مفتاح الفضلا ' اور " دستورالصبیان " میں بھی اس زبان کو ہندی ہی لکھا گیا ہے ۔ صوفیائے کرام نصیر الدین چراغ دہلوی، مخدوم شرف الدین یحیٰی منیری اور مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی نے بھی اس زبان کو ہندی یا ہندوی ہی کہا ہے ۔ مغل فرماں روا بابر نے اپنی سوانح تزک بابری میں ایک شعر کو ہندی کے طور پر درج کیا ہے ۔ شاہ عبدالقادر نے بھی اس زبان کے لیے ہندی کا لفظ استعمال کیا ہے ۔

اردو کا ایک نام ریختہ بھی تھا ۔ " ریختہ " کے لفظی معنی ہیں بنانا، ایجاد کرنا ، نئے سانچے میں ڈھالنا، موزوں کرنا، لیکن ہندوستانی ادبیات میں اسے اردو زبان کے قدیم نام کے طور پر استعمال کیا گیا ہے ۔ مولانا محمد حسین آزاد اردو کے اس نام ریختہ کے بارے میں لکھتے ہیں :

" مختلف زبانوں نے اسے پختہ کیا جیسے دیوار کو اینٹ ، مٹی، چونا اور سفیدی سے پختہ کرتے ہیں یا یہ کہ ریختہ کے معنی ہیں گری پڑی چیز،

پریشان چیز، چونکہ اس میں الفاظ پریشاں جمع ہیں
اس لیے اسے ریختہ کہا گیا ہے ۔"میر تقی میر نے اپنے تذکرہ " نکات الشعرا" میں ریختہ کی وضاحت
اور تشریح کی ہے ۔ اس کے علاوہ بابا فرید گنج شکراور شیخ بہائوالدین کے یہاں بھی ریختہ کا تذکرہ ملتاہے۔ پہلے یہ زبان نثری تحریروں کے لیے مخصوص تھی لیکن بعد میں شاعری کے لیے معروف اور مقبول ہوگئی۔

مرزا اسد اللہ خاں غالب کے اردو دیوان میں کئی مقامات پر ریختہ کا لفظ استعمال ہوا ہے ۔ انھوں نے اپنے ایک شعر میں کچھ یوں اس کاذکر کیا ہے :

ریختہ کے تمھیں استاد نہیں ہو غالب کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

اردو کا لفظ سب سے پہلے بابر نے تزک بابری میں استعمال کیا ہے ۔ عہد اکبری میں یہ لفظ عام طورپر معروف ومقبول ہوچکا تھا ۔ شہنشاہ شاہ جہاں نے نئ دلّی آبادکرکے شاہی قلعے کو " قلعہ معلّٰی " کے نام سے موسوم کیا تو عربی ،فارسی ، ہندی وغیرہ سے ملی جلی زبان کو جس کا رواج شاہی لشکر میں ہوگیا تھا، " اردوے معلّٰی "کا نام دیا۔ آگے چل کر وہ زبان اپنے خاص محاوروں اور اصطلاحوں کے ساتھ قلعہ معلّٰی میں بولی جاتی تھی۔ گویا اس کی آبیاری اور ترویج و ترقی میں شمالی ہند کے تمام علاقوں نے حصہ لیا۔ یہیں کے لوگ اسے دکن لے گئے اور یہ وہاں دکنی اور گجراتی زبان کہلائی۔ اس کے فروغ میں حیدرآباد ، دکن اور پنجاب کی خدمات اتنی ہی اہم ہیں جتنی دلّی اور یو۔پی کی۔ خصوصاً پنجاب نے اس کے علمی و ادبی خزانوں میں بیش بہا اضافہ کیا جس کی کوئی مثال نہیں پیش کی جاسکتی۔

زیر نظر کتاب اردو لسانیات کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتی ہے ۔

ابتدائی ابواب (باب ایک سے سات تک) میں اردو زبان اور اس کے صوتی، صرفی، نحوی اور معنیاتی متعلقات پر روشنی ڈالی گئی ہے ۔یہ ابواب لسانی تحقیقات پر مشتمل ہیں ۔ 8 سے 13 ابواب میں اردو زبان کی تاریخ اور اس کے لسانی رشتے کا جائزہ پیش کیا گیا ہے ۔ ان ابواب میں ان موضوعات کی تفصیل تو نہیں لیکن ایسا اجمال ہے جو تفصیل کی طرف رہنمائی کرتا ہے ۔ طالب علموں کی خاطر ہرباب کے آخر میں اس کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے تاکہ انھیں بہ آسانی ذہن نشیں کیا جا سکے ۔

علی رفاد فتیحی

پہلا باب

علم صوتیات

اغراض و مقاصد :

اس اکائی کا مقصد آپ کو لسانیات کی ایک اہم شاخ ' صوتیات ' Phonetics سے واقف کرانا ہے ۔ اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ صوتیات اور صوتیات کی اصطلا حوں سے بہ خوبی واقف ہوجائیں گے ۔ اس اکائی کے ذریعے اعضائے تکلّم (Organs of Speech) کی مدد سے آوازوں کی ادائیگی کی تفصیلات سے واقف کرانے کی کوشش کی گئی ہے ۔ اُمید ہے کہ اس اکائی کو مکمل کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ صوتیات اور اُس کی اصطلاحوں کی تعریف مثالوں سے کر سکیں اور اصطلاحوں کے فرق کو سمجھا سکیں کیونکہ اس اکائی میں علم لسانیات کی ایک اہم شاخ صوتیات کی تفصیل پیش کی گئ ہے ۔

تمہید :

ممکن ہے کہ آپ صوتیات اور اس کی اصطلاحوں سے واقف نہ ہوں لیکن دوران گفتگو آپ یقینی طور پر آوازوں کی ادائیگی کرتے ہوں گے ۔ کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ ان آوازوں کی ادائیگی میں آپ کے جسم کے کون سے اعضا معاون و مدد گار ثابت ہوتے ہیں ۔ یا پھر ان آوازوں کی درجہ بندی کس طور پر کی جاتی ہے ۔ شاید آپ نے اس کی ضرورت نہ سمجھی ہو اور ان کی تفصیلات پر کبھی غور نہ کیا ہو۔ لیکن اردو زبان کی آوازوں کے مخرج (Points of Articulation) کے مطالعے کے لیے ضروری ہے کہ آپ صوتیات اور اس سے جُڑی دوسری اصطلاحوں سے بہ

خوبی واقف ہوں ۔ کیونکہ زبان کا آوازوں سے گہرا تعلق ہوتا ہے ۔ کسی بھی زبان کی آوازوں کی ادائیگی کو بہ خوبی سمجھنے کے لیے اُس زبان کے صوتی نظام کو سمجھنا نہایت ضروری ہے اور یہ صوتیات (Phonetic) سے واقفیت کے بغیر ممکن نہیں ۔

صوتیات اور اس کی شاخیں :

صوتیات لسانی آوازوں کا سائنسی مطالعہ ہے ۔ صوتیات کی اس تعریف میں " انسانی آواز (Speech Sound) " اور ' سائنسی مطالعہ " کلیدی حیثیت رکھتے ہیں ۔ انسانی آواز سے ہماری مراد وہ تمام آوازیں ہیں جو الفاظ کی ادائیگی میں معاون ثابت ہوتی ہیں ۔ یہ آوازیں کسی زبان خاص کی نہیں ہوتیں بلکہ دنیا کی کسی بھی زبان کی ہوسکتی ہیں مُنہ سے نکلی تمام آوازیں لسانی آوازوں میں شمار نہیں کی جاسکتی ہیں ۔ مثال کے طور پر ' ہنسی ' یا ' کھانسی ' کی آواز لسانی آواز نہیں ہے ۔ اس بات کی مزید وضاحت کے لیے کہا جا سکتاہے کہ ہنسی یا کھانسی یا اس قسم کی تمام دوسری آوازیں اس زمرے میں شامل نہیں ہوتیں ۔ بہرکیف اس تعریف کا دوسرا کلیدی لفظ " سائنسی مطالعہ " ہے ۔ یہ اصطلاح ' صوتیات ' کے معروضی مطالعے کی نشان دہی کرتی ہے ۔صوتیات میں آوازوں کی ادائیگی اور ان کی خصوصیات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے ۔ یعنی اس مطالعے میں ماہر صوتیات کی ذاتی دلچسپی شامل نہیں ہوتی اور وہ سائنسی اصولوں کی بنیاد پر آوازوں کی ادائیگی کی تفصیلات ، خصوصیات اور درجہ بندی پیش کرتا ہے ۔ اس مطالعے میں ماہر صوتیات کی ذاتی دلچسپی کا شامل نہ ہونا مطالعے کو معروضی بناتاہے ۔ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ علم صوتیات ، علم اصوات) فونیمیات (سے مختلف ہوتاہے ، کیونکہ علم اصوات یا فونیمیات (Phonology) میں کسی مخصوص زبان کے صوتی نظام کامطالعہ پیش کیا

جاتا ہے ۔ اس کے بر عکس صوتیات میں آوازوں کا عام مطالعہ پیش کیا جاتاہے ۔ گویا دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ صوتیات کا تعلق دنیا کی تمام زبانوں سے ہے اور یہ علم آوازوں کے مطالعے کا بنیادی خاکہ پیش کرتا ہے ۔ ان تفصیلات سے اس بات کا اندازہ ہوجاتا ہے کہ صوتیات کا تعلق زبان کی تقریری شکل سے ہے اس کی مزید وضاحت کے لیے کہا جا سکتا ہے کہ بولنے سے پہلے مقرر دماغ میں کسی خیال کو جنم دیتا ہے اور پھر اسی خیال کو اظہار کے پیکر میں تبدیل کرنے کے لیے نظام اعصاب کے ذریعے اعضائے تکلم تک پہنچا دیتا ہے ۔ اعضائے تکلّم میں ارتعاش کی وجہ سے صوت پیدا ہوتی ہے ۔یہی اصوات ہوائی لہروں کے وسیلے سے سننے والے کے کانوں سے ٹکراتی ہیں اور اعصاب کے ذریعے صوتی پیغام اس کے دماغ تک پہنچتا ہے جہاں اس کی توضیح ہوتی ہے ، جس کو ہم عام زبان میں کہنا اور سننا کہتے ہیں ۔ یہ سب کچھ اس طرح اور اتنی جلدی ہو جاتا ہے کہ دنیا کی کوئی مشین اس پورے پیچیدہ طریق عمل کی برابری نہیں کر سکتی۔گویا صوتیات کی مدد سے ہم آوازوں کی ادائیگی یعنی آوازوں کے Articulation ، آوازوں کے Transmission اور آوازوں کے Perception کو بہ خوبی سمجھ سکتے ہیں ۔ اسی بنیاد پر صوتیات کی تین شاخوں کی نشان دہی کی جاتی ہے :

1 ۔ تلفظی صوتیات Articulatory Phonetics

2 ۔ سمعی صوتیات Acoustic Phonetic

3 ۔ سمعیاتی صوتیات Auditory Phonetic

صوتیات کی ان تین اہم شاخوں کی مدد سے ہم آوازوں کی ادائیگی سے لے کر آوازوں کے ادراک تک کے تمام مراحل کو بہ خوبی سمجھ پاتے ہیں ۔صوتیات کی شاخ ” تلفظی صوتیات “ میں ہم اس بات کا مطالعہ کرتے ہیں

کہ تکلمی صوت کی ادائیگی میں اعضائے تکلّم کس طرح کام کرتے ہیں ۔ اور ان کے متحرک ہونے سے کن آوازوں کی ادائیگی ہوتی ہے ۔ اسی طرح بولنے اور سننے والے کے درمیان ترسیل کے دوران تکلمی صوت کی طبعی خصوصیات کا مطالعہ سمعی صوتیات کے ذریعے ہوتا ہے ۔متکلم اور سامع کے درمیان کے فاصلے کو آوازیں ہوا کی مدد سے پورا کرتی ہیں ۔ ان کی تفصیلات ہمیں سمعی صوتیات میں ملتی ہے ۔سمعی صوتیات سے کچھ الگ سمعیاتی صوتیات کا تعلق سننے او ر آوازوں کے ادراک سے ہے یعنی سمعیاتی صوتیات کی مدد سے ہم یہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ سامع کے ذہن پر آوازوں کا کیا اثر ہوتا ہے ۔

تلفظی صوتیات : (Articulatory Phonetics)

صوتیات کی اس شاخ میں انسانی آوازوں (Speech Sound) کی ادائیگی کے عمل کا مطالعہ پیش کیا جاتا ہے ۔ آوازوں کی ادائیگی کے لیے ہوا کی ضرورت ہوتی ہے جو پھیپھڑوں اور حلق سے ہوتی ہوئی منہ اور ناک سے باہر نکل جاتی ہے ۔ اس عمل کے دوران اگر زبان، گلے یا تالو وغیرہ کی مدد سے ہوا کو روکا اور گھٹایا ، بڑھایا جائے یا ان راستوں کو چھوٹا بڑا کیاجائے تو مختلف آوازیں پیدا ہوں گی۔ لیکن ہر زبان میں یہ آوازیں ایک خاص نظام کے تحت کام کرتی ہیں ۔ ان آوازوں کے مطالعے کے لیے اعضائے تکلّم سے واقفیت ضروری ہے ۔ اس کے لیے انسان کے اعضائے تکلّم (Organs of Speech) کو بہ خوبی سمجھنا نہایت ضروری ہے ۔ آپ جانتے ہیں کہ تمام انسانی اعضا آوازوں کی ادائیگی میں معاون ثابت نہیں ہوتے ۔ یہاں اعضائے تکلّم سے مراد وہ اعضا ہیں جن کا تعلق آوازوں کی ادائیگی سے ہے ۔ ان اعضائے تکلّم کی ایک تصویری فہرست نیچے دی جارہی ہے ، تاکہ آپ انھیں بہ آسانی سمجھ سکیں ۔

اعضائے تکلّم

1 ۔ ہونٹ : (Lip)

بالائی اور نچلے ہونٹ، کچھ آوازوں کے تلفظ میں معاون ثابت ہوتے ہیں ۔ یہ ایک دوسرے سے چپک کر ہوا کو مکمل طور پر روک سکتے ہیں یا دونوں ہونٹوں کے درمیان صرف اتنا فاصلہ ہو سکتا ہے کہ ہوا رگڑ کے ساتھ باہر نکل جائے ، یہ ایک دوسرے سے مل کر گول بھی ہو سکتے ہیں اور پھیل بھی سکتے ہیں ۔

2 ۔ اوپری دانت یا دندان : (Upper Teeth)

کچھ آوازوں کے تلفظ میں بالائی دندان نچلے ہونٹ کو چھوتے ہیں جب کہ کچھ آوازوں میں زبان کی نوک بالائی دندان کے اندرونی حصّے کو چھوتی ہے ۔

3 ۔ اوپری مسوڑھا یا لثہ : ((Alveolar Ridge

بالائی دندان کے اوپر اندر کی طرف جو مسوڑھے ہوتے ہیں وہ لثہ یا بالائی لثہ کہلاتے ہیں ۔ کچھ آوازوں کے تلفظ میں نوک زبان ان کو چھوتی ہے ۔

4 ۔ سخت تالو : ((Hard Palate

لثہ سے ٹھیک اوپر اندر کی طرف پیالہ نما حصّہ سخت تالو ہے ۔ جس کو زبان کا پھل چھوتا ہے ۔

5 ۔ غشا : (Soft Palate Velum)

نرم تالو یا غشا سخت تالو کے بعد کا حصّہ نرم تالو یا غشا کہلاتا ہے جو اتنا لچک دار ہوتا ہے کہ اس کو تھوڑا اوپر یا نیچے کیا جا سکتا ہے ۔ اسے زبان کا پچھلا حصّہ چھوتا ہے ۔

6 ۔ لہات (Uvula):

لہات بیچ میں لٹکا ہوتا ہے جو عام زبان میں (کوّا) کے نام سے مشہور ہے ۔ اگر یہ زبان کے پچھلے حصّے سے چپک جائے تو ہوا بجائے منہ کے ناک کے راستے سے نکل جاتی ہے ۔

7 ۔ حلقوم (Pharynx) :

زبان کے پچھلے حصّے اور حنجرے تک کا حصّہ حلقوم کہلاتا ہے ۔

8 ۔ حلق پوش (Epiglottis):

زبان کی شکل کا ایک والو (Valve) (خجرے کے اوپر واقع ہوتا ہے جو اندر نگلنے والی کسی بھی چیز کو خجرے میں جانے سے روکتا ہے ۔ اگر لاپرواہی سے کوئی چیز خجرے میں چلی جاتی ہے تو فوراً دھکا لگ جاتا ہے اور اس طرح وہ چیز باہر نکل جاتی ہے ۔ اس لیے بیک وقت ہم کھانا یا کوئی چیز نگل سکتے ہیں یا سانس لے سکتے ہیں ۔ حلق پوش کسی تکلّم صوت speech sound کو ادا کرنے میں کوئی رول ادا نہیں کرتا۔

9 ۔ سانس کی نلی : (Trachea)

یہ پھیپھڑوں اور حنجرے کو ملانے والی نلی ہے جس میں سے ہوا گزرتی ہے ۔

10 ۔ خجرہ : (Larynx)

خجرہ کُرّہ کا ایک چھوٹا ڈبّہ نما حصّہ ہے جس میں صوت تانت ہوتے ہیں ۔

11 ۔ صوت تانت : (Vocal Cords)

آواز پیدا کرنے میں ہوا پھیپھڑوں سے نکل کر سانس کی نلی سے ہوتی خنجرے میں پہنچتی ہے جہاں یہ دو جڑی ہوئی نہایت لچک دار جھلّیوں کے درمیان سے گزر کر منہ میں پہنچتی ہے ان کو صوت تانت کہتے ہیں ۔ یہ جھلیاں سامنے سے جڑی ہوتی ہیں لیکن پیچھے کی طرف علاحدہ ہوتی ہیں ۔ ان کے درمیان کی جگہ صوت تانت کا دہانہ Glottis کہلاتی ہے ۔ صوت تانت ایک قسم کے والو valve کا کام کرتے ہیں جو کسی باہری چیز کو (ہوا کے علاوہ) سانس کی نلی میں جانے سے روکتا ہے اس کے علاوہ یہ آوازوں کی ادائیگی میں بھی ایک اہم رول ادا کرتا ہے ۔ صوت تانت میں کھنچاؤ پیدا ہونے سے اس کی جھلّیوں میں ایک قسم کا ارتعاش (کمپن) پیدا ہوتا ہے اور ایسی صورت میں نکلنے والی آوازیں مسموع کہلاتی ہیں ۔ اگر آواز اس طرح نکلے کہ صوت تانت مرتعش ہونے کی تعداد آواز کے سُر کا تعین کرتی ہے ۔ مردوں کی آواز میں یہ تعداد ارتعاش عام طور پر سو سے ڈیڑھ سو سائیکل فی سکنڈ ہوتی ہے جب کہ عورتوں میں یہ دو سو سے سوا تین سو سائیکل فی سکنڈ ہوتی ہے ۔ جتنی زیادہ تعداد ارتعاش ہوتی ہے اتنا ہی زیادہ سُر ہوتا ہے اگر صوت تانت کی جھلیاں آپس میں بہت قریب آجائیں لیکن ان میں ارتعاش نہ ہو تو ایسی صورت میں نکلنے والی آواز پھسپھسی ہوتی ہے ۔

12 ۔ صوت تانت کا دہانہ (Glottis)

صوت تانت کے درمیان کا شگاف صوت تانت کا دہانہ (Glottis) کہلاتا ہے ۔

Vocal cords Vocal cords
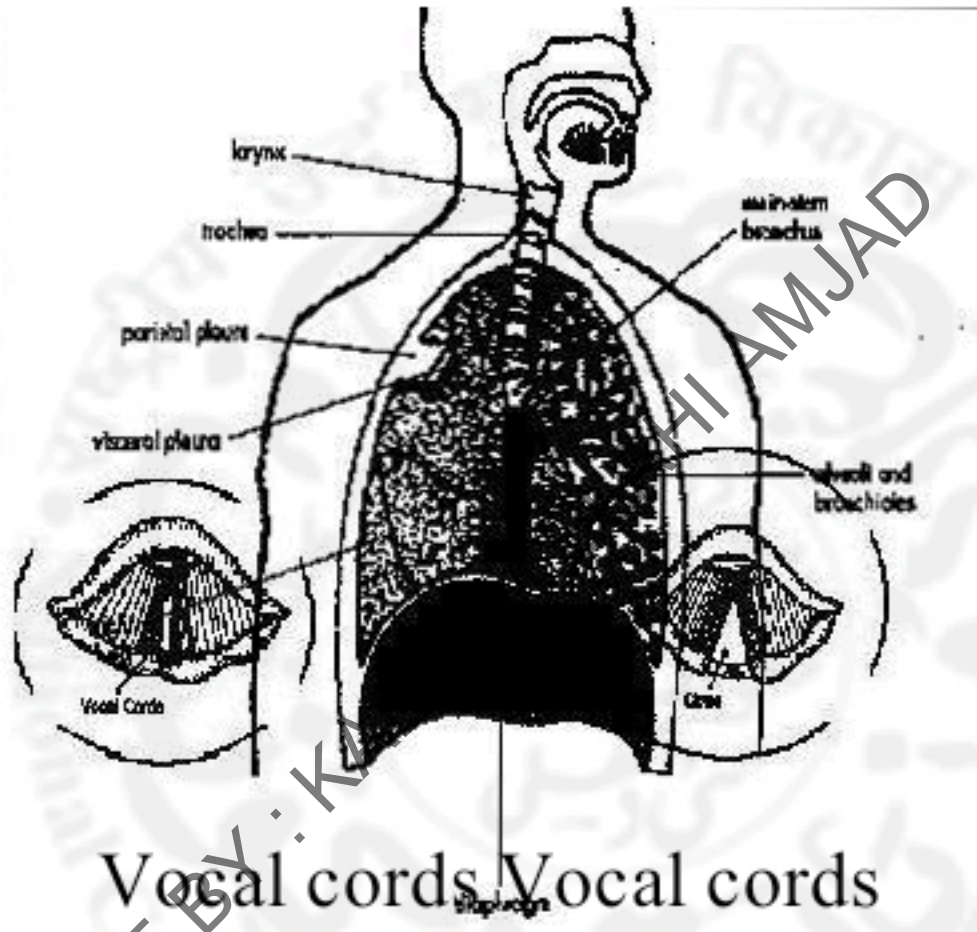
abducted to speak abducted to breathe

13 ۔خلائے انفی (Nasal Cavity)

انفی آوازوں کی ادائیگی میں خلائے انفی کی مدد لی جاتی ہے ۔ اس صورت میں ہوا خلائے انفی سے گزرتی ہے ۔

14 ۔ پھیپھڑا (Lungs) پھیپھڑا بھی آوازوں کی ادائیگی میں مدد گار ثابت ہوتا ہے ۔

آوازوں کی ادائیگی میں ان اعضائے تکلّم کے رول کو بہ خوبی سمجھنے کے لیے انھیں مندرجہ ذیل خانوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ۔) 1 (تلفظ کار ( ) 2 نقطۂ تلفظ۔

اعضائے تکلّم کی یہ درجہ بندی (Classification) اعضائے تکلّم کی حرکت (Mobility) کو مدّ نظر رکھ کر کی جاتی ہے۔ وہ اعضائے تکلّم جو حرکی (Mobile) ہیں انھیں تلفظ کار (Articulator) کہاجاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ اعضائے تکلّم جو اپنی جگہ سے حرکت کر سکتے ہیں انھیں تلفظ کار کہا جاتا ہے مثلاً نوک زبان متحرک تلفظ کار ہے کیونکہ یہ اوپر نیچے اور آگے پیچھے مستقل حرکت کرتی رہتی ہے۔ دوسری جانب غیر حرکی (Immobile) اعضائے تکلّم کو نقطۂ تلفظ (Point of Articulation) کہا جاتا ہے۔ یعنی یہ اعضائے تکلّم اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر پاتے ہیں اور ان اعضائے تکلّم کے قریب آکر تلفظ کار آوازوں کی ادائیگی کرتے ہیں ، یعنی یہ اعضائے تکلّم جامد تلفظ کار ہیں ، یعنی ان اعضائے تکلّم کو حرکت نہیں دی جاسکتی مثلاً بالائی دندانی حصّہ مقابلتاً ساکت رہتا ہے۔ ذیل میں تلفظ کار کی دونوں قسموں کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے
۔

تلفّظ کار : (Articulators)

جیسا کہ ہم نے ابھی دیکھا اعضائے تکلم جن میں حرکت ہوتی ہے تلفظ کار کہلاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ (1) زبان اور (2) نچلے ہونٹ کو تلفظ کار کا درجہ دیا جاتا ہے۔

زبان : (Tongue)

اعضائے تکلّم میں زبان کو ایک خاص حیثیت حاصل ہے۔ اس کی بنیادی وجہ زبان کی حرکت ہے۔ تمام تلفظ کار میں زبان سب سے زیادہ متحرک (Mobile) اور لچیلا (Flexible) تلفظ کار ہے۔ کیوں کہ تمام تلفظ کار میں زبان سب سے زیادہ حرکت پذیر ہوتی ہے۔ اگر زبان نہ ہو تو ہم کھانے کی لذّت سے آشنا نہیں ہو سکتے اسی طرح بہت سی آوازیں اس

کے بغیر نہیں ادا ہوسکتیں ۔ اب تک جن اعضائے تکلّم کا ذکر کیا جا چکا ہے ان کو شیشے میں دیکھا جا سکتا ہے یا زبان سے چھو کر محسوس کیا جا سکتا ہے ۔ لیکن کچھ ایسے بھی اعضائے تکلم ہیں جنھیں بہ آسانی نہیں دیکھا جاسکتا لہٰذا انھیں خاص قسم کے آلات کی مدد سے ہی دیکھا جا سکتا ہے ۔یہ اعضائے تکلّم آوازوں کی ادائیگی میں بہت اہم رول ادا کرتے ہیں ۔ تمام اعضائے تکلّم میں زبان کو ایک خاص حیثیت حاصل ہے ۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی ہوگی کہ زبان کی اسی خصوصیت کی بنیاد پر اسے چار خانوں میں تقسیم کیا جاتا ہے ۔

) 1 (زبان کی نوک Tip of the Tongue

) 2 (زبان کا پھل Blade of the Tongue

) 3 (زبان کا پچھلا حصّہ Back of the Tongue

) 4 (زبان کی جڑ Root of the Tongue

نوک زبان بالائی دندان اور لثہ کو چھوتی ہے ۔ زبان کا درمیانی حصّہ سخت تالو کو چھوتا ہے اور زبان کا پچھلا حصہ نرم تالو کو چھوتا ہے ۔ زبان کی اوپری سطح کو پھل کہتے ہیں ۔

زبان کی نوک :

یوں تو زبان کے یہ تمام حصّے آوازوں کی ادائیگی میں معاون ثابت ہوتے ہیں لیکن زبان کے ان تمام حصّوں میں زبان کی نوک اپنی جسمانی ساخت کے اعتبار سے ایک ایسا حصہ ہے جو سب سے زیادہ لچیلا حصّہ ہے ۔ اپنے لچیلے پن کی وجہ سے زبان کا یہ حصّہ اوپری ہونٹ سے سخت تالو تک بہ آسانی پہنچ سکتاہے ۔ بہر کیف آوازوں کی ادائیگی میں یہ اوپری دانت، مسوڑھا (لثہ) اور سخت تالو تک پہنچ کر ہوا میں رکاوٹ ڈالتا ہے اور آوازوں کی ادائیگی کا سبب بنتاہے ۔ زبان کی نوک Tip of the)

(Tongue اور اوپری دانت (Upper Teeth (کی مدد سے ادا کی گئی آوازیں دنتی (Dental (کہلاتی ہیں ۔ لہٰذا یہ بات یاد رکھیے کہ 'ت'، 'تھ'، 'د' اور 'دھ' دنتی (Dental (آوازیں ہیں کیوں کہ ان کی ادائیگی میں زبان کی نوک دانتوں کے قریب جاکر ہوا میں رکاوٹ ڈالتی ہے ۔

ایسی آوازیں جن کی ادائیگی میں زبان کی نوک مسوڑھے (لثہ) کے قریب جاکر ہوا میں رکاوٹ ڈالتی ہے Alveolar یا لثائی کہلاتی ہیں ۔ اُردو میں 'س'، 'ر' اور 'ن' لثائی (Alveolar) آوازیں ہیں ۔ اسی طرح وہ آوازیں جن کی ادائیگی میں زبان کی نوک سخت تالو تک جاکر ہوا میں رکاوٹ ڈالتی ہے " معکوسی " آوازیں (Retroflex (کہلاتی ہیں ۔ ٹ، ٹھ، ڈ، ڈھ اردو کی معکوسی آوازیں ہیں ۔

زبان کا پھل :

" زبان کا پھل " مقابلتاً کم چپلا تلفظ کار ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ " زبان کا پھل " صرف ایک مقام تلفظ پر آوازوں کی ادائیگی میں مدد گار ثابت ہوتا ہے ۔ " زبان کے پھل " اور تالو کی مدد سے ادا ہونے والی آواز کو تالوئی (Palatal (آواز کہتے ہیں ۔ یہ بات آپ یاد رکھیں کہ " چ "، " چھ "، " ج " اور " جھ " تالوئی آواز ہیں کیونکہ ان کی ادائیگی میں 'زبان کا پھل "، " تالو " کے قریب جاکر باہر آتی ہوا میں رکاوٹ کا سبب بنتا ہے اور اس طرح ان آوازوں کی ادائیگی ہوتی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ان آوازوں کو تالوئی کہا جاتا ہے ۔

زبان کا پچھلا حصّہ :

" زبان کا پچھلا حصّہ " ایک دوسرا اہم تلفظ کار ہے ۔ اُردو آوازوں کی ادائیگی میں یہ دو مختلف " مقام تلفظ " پر جا کر آوازوں کی ادائیگی میں مدد گارثابت ہوتا ہے ۔ اُردو آواز 'ک'، 'کھ'، 'گ' اور 'گھ' کی

ادائیگی میں زبان کا پچھلا حصّہ " نرم تالو (Velum) " کے قریب جاکر باہر آتی ہوا میں رکاوٹ ڈالتا ہے اور ان آوازوں کی ادائیگی کا سبب بنتا ہے ۔ دوسری جانب اردو آواز " ق " کی ادائیگی میں زبان کا پچھلا حصّہ کوّا یا لہات (Uvula) کے قریب جاکر باہر آتی ہوا میں رکاوٹ ڈالتا ہے اور اسی طرح اس آواز کی ادائیگی ہوتی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اردو کی اس آواز کو " لہاتی " کہتے ہیں ۔ اس طرح آپ نے دیکھا کہ " زبان کا پچھلا حصّہ " بہ طور " تلفظ کار " دو مختلف " مقام تلفظ " کی مدد سے آوازو ں کی ادائیگی میں معاون ثابت ہوتاہے ۔

نچلا ہونٹ :

جیسا کہ آپ جانتے ہیں " نچلا ہونٹ " بھی ایک تلفظ کار ہے کیوں کہ آوازوں کی ادائیگی میں یہ نمایاں رول انجام دیتا ہے اور دیگر اعضائے تکلّم کے مقابلے میں یہ " نچلا ہونٹ " " متحرک " ہوتاہے ۔ نچلے ہونٹ میں حرکت کی وجہ سے اسے تلفظ کار کا درجہ دیا جاتا ہے ۔ اپنی اس خصوصیت کے سبب نچلا ہونٹ دو " مقام تلفظ " " اوپری ہونٹ " اور " اوپری دانت " کے قریب جاکر آوازوں کی ادائیگی میں معاون ثابت ہوتا ہے ۔ آپ یہ بات یاد رکھیں کہ ' پ ' ، ' پھ ' ، ' ب ' اور ' بھ ' کی ادائیگی میں نچلا ہونٹ اوپری ہونٹ کے قریب جاکر باہر آتی ہوامیں رکاوٹ ڈالتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ان آوازوں کو " دو لبی " آوازیں کہتے ہیں ۔ اِن آوازوں کے علاوہ نچلا ہونٹ اوپری دانت کے قریب جاکر بھی رکاوٹ ڈالتا ہے ۔ اردو میں " ف " اور " و " کی ادائیگی میں " نچلا ہونٹ " اوپری دانت کے قریب جاکر رکاوٹ کا سبب بنتا ہے جس کی وجہ سے ان آوازوں کو " لب دنتی " آوازیں کہتے ہیں ۔

مقام تلفظ :

آپ کو یاد ہو گا کہ ابھی ہم نے آوازوں کی ادائیگی میں " تلفظ کار " کی اہمیت کو سمجھنے کی کوشش کی تھی ۔ " تلفظ کار " جن مقامات پر جاکر ہوا میں رکاوٹ ڈالتے ہیں اور آوازوں کی ادائیگی میں معاون ثابت ہوتے ہیں ان " مقامات " کو " مقام تلفظ " کہا جاتا ہے ۔ اُردو آوازوں کی ادائیگی جن مقامات سے ہوتی ہے اس کا ایک تفصیلی جائزہ نیچے پیش کیا جا رہا ہے ۔

تلفظ کار + مقام تلفظ = آواز

1 (نچلا ہونٹ + اوپری ہونٹ = دولبی (پ ۔ب)

2 (نچلا ہونٹ + اوپری دانت = لب دنتی (ف۔ و)

3 (زبان کی نوک + اوپری دانت = دنتی(ت۔ د)

4 (زبان کی نوک + اوپری مسوڑھا = لثائی(ن۔س۔ر)

5 (زبان کی نوک + سخت تالو = معکوسی(ٹ۔ ڈ)

6 (زبان کا پھل + سخت تالو = تالوئی(چ۔ج)

7 (زبان کا پچھلا حصّہ + نرم تالو = غشائی(ک۔ گ)

8 (زبان کا پچھلا حصّہ + کوّا یالہات = لہاتی(ق)

9 (صوت تانت + صوت تانت = حلقی (ہ۔ ح)

ان تفصیلات سے اُردو آوازوں کی ادائیگی میں مستعمل " تلفظ کار " اور " مقام تلفظ " کا بہ خوبی اندازہ ہوجاتا ہے ۔

آوازوں کی درجہ بندی :

انسانی آوازیں عام طور سے دوخانوں میں تقسیم کی جاتی ہیں ۔ مصوتے اور مصمتے ۔

مصوّتے :

وہ آوازیں جن کی ادائیگی میں منہ (Oral Cavity) کے اندر کسی قسم کی کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جاتی ' مصوتے ' کہلاتی ہیں ۔ ان آوازوں کی

ادائیگی کے وقت باہر آتی ہوا میں صوت تانت (Vocal Folds) کے قریب کچھ اس طرح رکاوٹ ڈالی جاتی ہے کہ صوت تانت (Vocal Folds) مرتعش ہوجاتے ہیں ۔ صوت تانت میں اس ارتعاش کی وجہ سے ایک گونج کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور مصوتے مسموع (Voiced) ہوجاتے ہیں ۔ لہٰذا آپ یہ بات یاد رکھیں کہ مصوتے عام طور سے مسموع (Voiced) ہوتے ہیں اور ان کی ادائیگی میں صوت تانت کا مرتعش ہونا نمایاں رول انجام دیتا ہے ۔ اُردو میں ’ آ ‘ ، ’ اے ‘ ، ’ ای ‘ ، ’ او ‘ اور ’ او ‘ مصوتے ہیں ۔ یوں تو مصوتوں کا تلفظ صوت تانت ہوتا ہے لیکن منہ (Oral Cavity) انہیں ایک مخصوص شکل دینے میں مددگار ثابت ہوتا ہے ۔ یعنی منہ کے اندر ان مصوتوں کو ایک خاص شکل دی جاتی ہے ۔اُردو مصمتوں کا صحیح مخارج بتانے کی غرض سے مصوتوں کا ایک ایسا نقشہ پیش کیا جاتا ہے جس میں منہ کے اندر کے حصّے کی ایک مفروضی شکل دی ہوتی ہے جس میں دائیں طرف نرم تالو اور زبان کے پچھلے حصّے کی درمیانی جگہ ہے اور بائیں جانب لثہ اور نوک زبان کی درمیانی جگہ ہے ۔ اسی طرح اوپری سطر تالو کی طرف اور نیچے کی سطر زبان کے پھل کی طرف اشارہ کرتی ہے ۔ مصوتوں کی درجہ بندی کے وقت مندرجہ ذیل باتوں پر خاص دھیان دیا جاتاہے ۔

(الف) زبان کا حصّہ

(ب) زبان کی اونچائی

(ج) ہونٹوں کی گولائی

(د) طول

زبان کا حصّہ :

مصوتوں کی ادائیگی میں زبان کے تین مختلف حصّوں (1) زبان کا اگلا

حصّہ (2) زبان کا درمیانی حصّہ اور (3) زبان کے پچھلے حصّے میں سے کوئی ایک حصّہ مصوتوں کو مخصوص شکل دینے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً کچھ مصوتوں کی ادائیگی میں زبان کا اگلا حصّہ انہیں ایک مخصوص شکل دیتا ہے اسی وجہ سے ان مصوتوں کو " اگلا مصوتہ " کہتے ہیں۔ اُردو میں " ای "، " ا "، " اے "، " ائے " اگلا مصوتہ ہیں۔ اسی طرح " ا " درمیانی مصوتہ کہلاتا ہے کیوں کہ اس کی ادائیگی میں زبان کا درمیانی حصّہ اسے ایک مخصوص شکل دینے میں معاون و مددگار ثابت ہوتا ہے۔ " اوٗ " اور " آ " کو عام طور سے " پچھلا مصوتہ " کہاجاتا ہے کیوں کہ ان مصوتوں کی ادائیگی میں زبان کا پچھلا حصّہ انھیں ایک مخصوص شکل دیتا ہے۔

زبان کی اونچائی

مصوّتوں کی درجہ بندی میں اگر ایک جانب " زبان کے حصّے " کی مدد لی جاتی ہے تو دوسری جانب " زبان کی اونچائی " کو بھی مدّنظر رکھا جاتاہے ۔ مصوتوں کی ادائیگی کے وقت مصوتوں کوایک مخصوص شکل دینے کی خاطر زبان کا کوئی مخصوص حصّہ اوپر یا نیچے کی جانب حرکت کرتاہے اور مصوتوں کوایک مخصوص شکل میں ڈھال دیتا ہے۔ زبان کی حرکت کو ذہن میں رکھ کر مصوتوں کو (1) بالائی (2) وسطی اور (3) نچلے مصوتوں کے خانوں میں تقسیم کیاجاتا ہے بالائی مصوتوں کی ادائیگی میں زبان کا کوئی ایک مخصوص حصّہ اوپر کی جانب اٹھتا ہے۔ مثلاً " ای " اور " اوٗ " مصوتوں کو دیکھیے۔ ان مصوتوں کی ادائیگی میں زبان کا کوئی ایک حصّہ اوپر کی جانب اٹھتا ہے جس کی وجہ سے ان مصوتوں کو " بالائی مصوتہ " کہاجاتا ہے لہٰذا ای کو " اگلا " بالائی مصوتہ کہتے ہیں کیوں کہ اس کی ادائیگی میں زبان کا اگلا حصّہ اوپر کی جانب اٹھتا ہے جب کہ " او " کے تلفظ میں زبان کا پچھلا حصّہ اوپر کی جانب اٹھتا ہے اس لیے اس مصوتے کو " پچھلا "، " بالائی " مصوتہ

کہتے ہیں ۔ اسی طرح بعض مصوتوں کی ادائیگی میں زبان کا کوئی ایک مخصوص حصّہ درمیانی سطح پر رہتا ہے جس کی وجہ سے ان مصوتوں کو وسطی مصوّتے کہتے ہیں ۔ اُردو میں " اے " اور " او " وسطی مصوّتے ہیں کیوں کہ ان کی ادائیگی میں زبان درمیانی سطح پر رہتی ہے ۔ وہ مصوتے جن کی ادائیگی میں زبان کا کوئی مخصوص حصّہ نیچے کی جانب جھک جاتا ہے تو اسے نچلا مصوتہ کہتے ہیں ۔ اُردو زبان میں " آ " نچلا مصوّتہ ہے کیوں کہ اس کے تلفظ میں زبان کا پچھلا حصّہ نیچے کی جانب جھک جاتا ہے لہٰذا اسے " پچھلا " نچلا مصوتہ کہتے ہیں ۔

ہونٹوں کی گولائی :

بعض مصوتوں کی ادائیگی میں ہونٹ گول ہو جاتے ہیں ان مصوتوں کو " مدوّر " مصوتہ کہتے ہیں ۔ آپ یہ یاد رکھیں کہ عام طور سے " پچھلے مصوتے (" جن کی ادائیگی میں زبان کا پچھلا حصہ متحرّک ہوتاہے) مدوّرہوتے ہیں ۔ مثال کے طور پر پچھلے مصوتے " اوٗ " ، " او " ، " اوَ " اور " اُ " کو دیکھیے ۔ ان مصوّتوں کے تلفظ میں ہونٹ گول ہوجاتا ہے لہٰذا انہیں مدوّر مصوتہ کہاجاتا ہے ۔ پچھلے مصوتوں میں صرف ' آ ' ایک غیر مدوّر مصوتہ ہے کیوں کہ اس کی ادائیگی میں ہونٹ " گول " نہیں ہوتے ۔

طول یا مدت :

مصوتوں کی درجہ بندی میں " طول " کو بھی مدّ نظر رکھا جاتاہے اوراس کی بنیاد پر مصوتوں کو " طویل " اور " خفیف " کے خانوں میں تقسیم کیا جاتا ہے ۔ اُردو میں مصوتوں کی کل تعداد دس (10) ہے جن میں سات طویل مصوتے ہیں جب کہ تین " خفیف " مصوّتے ہیں ۔ اُردو میں " زیر " ، " زبر " اور " پیش " سے ظاہر ہونے والے مصوتے " اَ " ، " اِ " اور " اُ " خفیف مصوّتے ہیں جب کہ حروف " ی " ، " ے " ، " و " اور " الف "

سے ظاہر ہونے والے مصوّتے " آ "، " ای "، " اے "، " اَی "، " او "، " اوٗ " اور " اَو " طویل مصوّتے ہیں ۔ اردو میں طویل مصوتوں کی کل تعداد سات ہے ۔ ان بنیادوں پر مصوّتوں کو مندرجہ ذیل خانوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ۔

اردو مصوّتے :

اگلے

درمیانی

پچھلے

غیر مدوّر

غیر مدوّر

مدوّر

اونچے

ای (طویل)

اوٗ (طویل)

نچلے اونچے

زیر (خفیف)

پیش (خفیف)

وسطی

اے (طویل)

زبر (خفیف)

او (طویل)

نچلا وسطی

اَے (طویل)

اوَ (طویل)

نچلے

آ

مصمتے :

وہ آوازیں جن کی ادائیگی میں باہر آتی ہوا میں منہ Oral Cavity ( ) کے اندر رکاوٹ ڈالی جاتی ہو مصمتے کہلاتی ہیں ۔ مثال کے طور پر " پ " کو دیکھیے ۔ اس آواز کی ادائیگی میں باہر آتی ہوا کو دونوں ہونٹوں کے درمیان روکا جاتا ہے اور اسی وجہ سے اسے مصمتہ کہا جاتا ہے ۔ جب کہ اس کے بر عکس " آ " کی ادائیگی میں منھ کھلا ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ " آ " ایک مصوتہ ہے ۔ مصمتوں کی درجہ بندی میں چار بنیادی باتوں کو مدّ نظر رکھا جاتا ہے ۔

) 1 (مقام تلفظ

) 2 (طریقۂ تلفظ

) 3 (مسموع / غیر مسموع

) 4 (ہکاریت

مقام تلفظ :

اس اکائی کے پچھلے صفحات میں مقام تلفظ کے متعلق تفصیلی گفتگو کی جا چکی ہے ۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں وہ مقامات جہاں " تلفظ کار " باہر آتی ہوا میں رکاوٹ کا سبب بنتا ہے " مقام تلفظ " کہلاتے ہیں ۔ مقام تلفظ پر مصمتوں کی ادائیگی میں باہر آتی ہوا میں منہ کے اندر رکاوٹ ڈالی جاتی ہے لہٰذا مقام تلفظ اس جگہ کی نشان دہی کرتے ہیں جہاں یہ رکاوٹیں ڈالی جاتی ہیں اور ان آوازوں کی ادائیگی ہوتی ہے ۔ اردو مصمتوں کی ادائیگی میں کل نو مختلف مقامات پر یہ رکاوٹیں ڈالی جاتی ہیں ۔ اس کا ایک تفصیلی جائزہ

اوپر پیش کیا جا چکا ہے۔

طریقۂ تلفظ :

طریقۂ تلفظ کی اصطلاح 'رکاوٹ' کے اس انداز کی نشان دہی کرتی ہے جس کی بنا پر آوازوں کی ادائیگی ہوتی ہے۔ آوازوں کے طریقۂ ادائیگی کو عام طور سے مندرجہ ذیل سات قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے :

)1(بندشی طریقۂ تلفظ :)Stop(

بندشی طریقۂ تلفظ وہ طریقۂ تلفظ ہے جس میں باہر آتی ہوئی ہوا کو کسی " مقام تلفظ " پر لمحے بھر کے لیے روکا جاتا ہے۔ باہر آتی ہوئی ہوا کو روکنے کا عمل تلفظ کردہ آواز کو " بندشی آواز " بناتا ہے۔ اردو زبان میں بندشی آوازوں کی کل تعداد اکیس)21(ہے۔ یہ " بندشئے " متعدد مقامات سے ادا ہوسکتے ہیں۔ اردو میں " پ "، " پھ "، " ب "، " بھ "، " ت "، " تھ "، " د "، " دھ "، " ٹ "، " ٹھ "، " ڈ "، " ڈھ "، " چ "، " چھ "، " ج "، " جھ "، " ک "، " کھ "، " گ "، " گھ " اور " ق " کا شمار بندشی آوازوں میں ہوتا ہے کیوں کہ ان تمام آوازوں کی ادائیگی میں باہر آتی ہوئی ہوا کو متعدد مقامات پر روکا جاتا ہے۔

)2(انفی طریقۂ تلفظ :)Nasal(

اب دیکھیے " انفی " طریقہ تلفظ کو انفی مصمتوں کی ادائیگی میں نرم تالو کے نیچے آجانے کی وجہ سے منہ کا راستہ بند ہوجاتا ہے اور ہوا ناک کے راستے سے باہر گزرتی ہے۔ انفی مصمّتوں کے تلفظ میں " تلفظ کار " منہ میں مقام تلفظ کے پاس جاکر رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ مثال کے طور پر " م " کو دیکھیے۔ اس آواز کی ادائیگی میں دونوں ہونٹ آپس میں ملتے ہیں لہٰذا اسے " دولبی انفی مصمّتہ " کہتے ہیں۔ جب کہ دوسری جانب " ن " کی ادائیگی میں " زبان کی نوک " مسوڑھے کے قریب جاتی ہے اور

رکاوٹ کا سبب بنتی ہے یہی وجہ ہے کہ اردو کے اس " انفی مصمّتے " کو " لثائی انفی مصمّتہ کہتے ہیں ۔ اردو میں انفی مصمتوں کی کل تعداد دو ہے لیکن بعض اوقات " نگ " کو بھی انفی مصمتہ میں شمار کیا جاتا ہے ۔

) 3 (صفیری طریقۂ تلفظ :) Fricative (

اس طریقۂ تلفظ میں " تلفظ کار " ، " مقام تلفظ " کے اتنا قریب آجاتا ہے کہ دہانہ تنگ ہوجاتا ہے اور سانس کی ہوا اس تنگ راستے سے رگڑ کھاتی ہوئی گزرتی ہے ۔ اس طرح تلفظ کردہ آواز کو صفیری آواز کہتے ہیں ۔ اردو میں صفیری آوازوں کی کل تعداد نو ہے ۔ " ف " ، " و " ، " س " ، " ز " ، " ش " ، " ژ " ، " خ " ، " غ " اور " ہ " کو صفیری مصمتے کہتے ہیں کیوں کہ ان مصمتوں کی ادائیگی میں سانس کی ہوا مقام تلفظ سے رگڑ کھاتی ہوئی گزر تی ہے ۔

) 4 (پہلوئی طریقۂ تلفظ :) Lateral (

اگرکسی مصمتے کی ادائیگی میں زبان کی نوک کواوپری مسوڑھے سے لگاکر ہوا نکالی جائے تو اسے پہلوئی مصمتہ کہتے ہیں ۔ مثال کے طور پر مصمتہ " ل " کی ادائیگی پر غور کیجئے تو آپ محسوس کریں گے کہ " ل " کی ادائیگی میں سانس کی ہوازبان کی دونوں جانب سے خارج ہوتی ہے ۔ پہلوئی مصمتہ عام طور سے مسموع ہوتا ہے ۔

) 5 (ارتعاشی طریقۂ تلفظ :) Trill (

ارتعاشی طریقۂ تلفظ میں زبان کی نوک مسوڑھے کے قریب آکر کپکپاتی ہے ۔ اسی ارتعاش یاکپکپاہٹ کی وجہ سے ان مصمتوں کو ارتعاشی مصمتہ کہتے ہیں ۔ اردو میں " ر " ارتعاشی مصمتہ ہے ۔ ارتعاشی مصمتہ عام طو ر سے مسموع ہوتا ہے ۔

) 6 (تھپک دار :) Flap (

اگر کسی مصمتے کی ادائیگی میں " تلفظ کار " مقام تلفظ پر " دستک " سی دے کر ہٹ جائے تو اس مصمتے کو تھپک دار مصمتہ کہتے ہیں ۔ یہ مصمتے عام طور سے مسموع (Voiced) ہوتے ہیں ۔

(7) (نیم مصمتہ :) (Semi Vowel)

اگر کسی مصمتے کی ادائیگی میں تلفظ کار مقام تلفظ تک اس طرح جائے کے باہر آتی ہوئی ہوا میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ پڑے تو اس میں " مصوتے " جیسی کچھ خصوصیات شامل ہو جاتی ہیں ۔ یعنی اس مصمتے میں کچھ ایسی خوبیاں شامل ہو جاتی ہیں جن میں سے کچھ مصوتوں میں اور کچھ مصمتوں میں ملتی ہیں ۔ اسی وجہ سے ان آوازوں کو نیم مصوتہ کہتے ہیں ۔ یہ مصمتے عام طور سے مسموع ہوتے ہیں ۔ اردو میں " ی " اور " و " نیم مصمتے ہیں ۔

مسموع / غیر مسموع :

کسی آواز کی ادائیگی میں صوت تانت میں اگر ارتعاشی کیفیت پائی جاتی ہے تو وہ مصمتہ مسموع کہلاتا ہے ۔ دوسری جانب وہ مصمتے جن کی ادائیگی میں صوت تانت میں کسی قسم کی کوئی حرکت یا ارتعاش کی کیفیت نہیں پائی جاتی غیر مسموع (Voiceless) کہلاتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ مصمتوں کی درجہ بندی میں صوت تانت کے ارتعاش کو بھی مدّ نظر رکھا جاتا ہے ۔ اردو مصمتوں میں ایک بڑی تعداد ان مصمتوں کی ہے جو مسموع (Voiced) ہیں ۔ بہر کیف اردو کے بعض مصمتے غیر مسموع بھی ہوتے ہیں ۔ تفصیلات کے لیے چارٹ کی مدد لیجیے ۔

ہکاریت :

اگر کسی مصمتے کی ادائیگی میں منہ سے خارج ہوا کے جھونکے میں اضافہ کر دیا جائے تو اس مصمتے کو " ہکاری " مصمتہ کہتے ہیں ۔ گویا " ہکاریت " وہ طریقۂ کار ہے جس میں منہ سے باہر آتی ہوا میں اضافہ کر دیا جاتا ہے ۔

اسی وجہ سے مصمتے کی شکل میں واضح تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے ۔ اس کی مزید وضاحت کے لیے "ب" اور "بھ" کے فرق پر غور کیجیے ۔ "ب" کے تلفظ میں ہوا کے جھونکے میں اضافہ نہیں کیا جاتا جب کہ "بھ" کے تلفظ میں ہوا کے جھونکے میں اضافہ کیا جاتا ہے ۔ ہکاری آوازیں "مسموع" او ر "غیر مسموع" دونوں طرح کی ہوتی ہیں ۔ اردو میں ہکاریت کے اظہار کے لیے (ھ) کا استعمال ہوتا ہے ۔ یعنی کسی بھی حرف سے جڑ کر (ھ) اسے ہکاری آواز بنا دیتا ہے ۔ مثال کے طور پر :

پ + ھ = پھ

ب + ھ = بھ

ت + ھ = تھ

د + ھ = دھ

ٹ + ھ = ٹھ

ڈ + ھ = ڈھ

چ + ھ = چھ
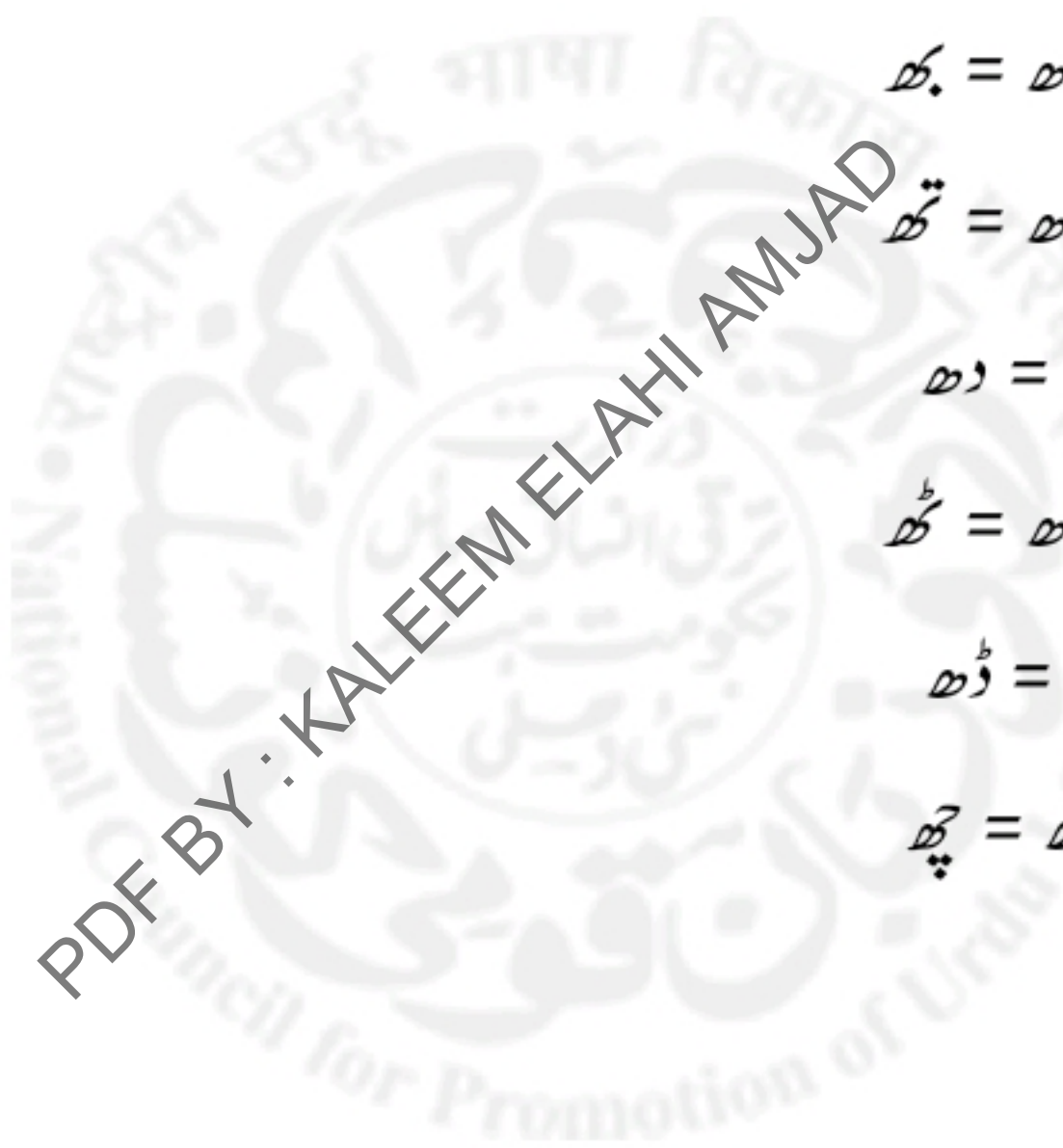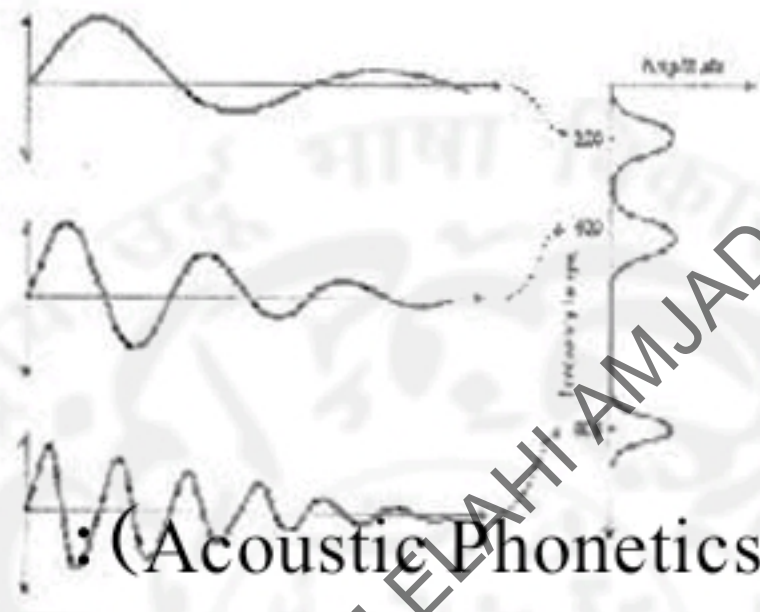
سمعی صوتیات(Acoustic Phonetics):

صوتیات کی دوسری اہم شاخ "سمعی صوتیات" ہے ۔جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں Acoustic Phonetics یا سمعی صوتیات میں آوازوں کے Transmission کو موضوع مطالعہ بنایا جاتا ہے گویا " سمعی صوتیات " (Acoustic Phonetics) میں یہ غور کیا جاتا ہے کہ " آواز " ہوا کے دوش پر کس طرح سفر کرتی ہے ۔ اس بات کی مزید وضاحت کے لیے یہ سمجھئے کہ آوازیں " خلا) Vacuum (" میں سفر نہیں کرتیں ۔ انھیں ایک جگہ سے دوسری جگہ تک لے جانے کے لیے ایک Medium کی ضرورت ہوتی ہے ۔ عام گفتگو کے دوران آوازیں " ہوا " کی مدد سے ایک جگہ سے دوسری جگہ تک پہنچتی ہیں ۔ ایسی صورت میں ہوا کو Medium کہا جاتا ہے ۔ لیکن ٹیلی فون پر گفتگو کے دور ان " تار " اور " برقی لہروں " کی مدد سے آواز ایک جگہ سے دوسری جگہ تک پہنچتی ہے ۔ آپ جانتے ہیں کہ آوازیں لہروں کی شکل میں آگے بڑھتی ہیں ۔ ان لہروں کی رفتار 1100

سے 1200 فی سکنڈ ہوتی ہے ۔ اس رفتار کی ایک اکائی کو " سائیکل " کہتے ہیں ۔ گویا ایک سائیکل میں آواز ایک نقطے سے ایک طرف حرکت کرتی ہے اور پھر مرکز کی طرف واپس آتی ہے ایک سکنڈ میں آواز جتنی گردش کرتی ہے اسے سائیکل فی سکنڈ (CPS) کہا جاتا ہے ۔جب کہ a سے b کا فاصلہ amplitude کہلاتا ہے ۔ چونکہ انسان کی آوازوں میں اتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے لہٰذا ان آوازوں کی cycle اور amplitude میں برابر بتدیلی آتی رہتی ہے ۔ صوتیات کی اس شاخ یعنی Acoustic Phonetics یا سمعی

صوتیات کا طبعیات (Physics (سے براہ راست تعلق ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ آوازوں کی طبیعاتی خصوصیات کا جائزہ لینے کے لیے ہم " سونا گراف " اور اسپکٹرو گراف جیسے آلات کی مدد لیتے ہیں ۔

Chart of Amplitude

سمعیاتی صوتیات(Auditory Phonetics) :)

سمعیاتی صوتیات، صوتیات کی وہ شاخ ہے جو آوازوں کے سمعی طریقۂ کار کا جائزہ پیش کرتی ہے ۔ دوسرے لفظوں میں سمعیاتی صوتیات میں ہم یہ دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ سننے کا عمل کیسے شروع ہوتا ہے اور ر آوازیں ہمارے ذہنوں پر کیا تاثر قائم کرتی ہیں ۔ اگر تلفظی صوتیات بولنے کے عمل کا جائزہ پیش کرتی ہے تو سمعیاتی صوتیات سننے کے عمل کو موضوع بحث بناتی ہے ۔ سننے کے عمل میں " کان " کا نمایاں رول ہوتا ہے ۔یہی

وجہ ہے کہ سمعیاتی صوتیات میں کان کو تین حصّوں میں تقسیم کیا جاتا ہے ۔

1) کان کا باہری حصّہ 2) کان کا درمیانی حصّہ

3) کان کا اندرونی حصّہ

کان کا باہری حصّہ :

کھلی آنکھوں سے نظر آنے والے کان کے باہری حصّے سے لے کر کان کے پردے (Ear drum) تک کے حصّے کو کان کا باہری حصّہ تصوّر کیا جاتا ہے ۔ اس حصّے کا بنیادی کام آواز کی لہروں کو یک جا کر کے کان کے د رمیانی حصّے تک پہنچانا ہے ۔ اس کا دوسرا اہم مقصد کان کے اندر کے حصّے کو محفوظ رکھنا ہوتا ہے ۔

کان کا درمیانی حصّہ :

کان کے درمیانی حصّے کی بناوٹ کچھ اس طرح ہوتی ہے کہ کان کے پردوں تک آتی آواز کی خصوصیات کو یہ اور بہتر بنا دیتی ہے ۔ اس مقصد کے تحت Tympanic Membrane میں ارتعاش کی کیفیت پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے آواز کی Quality اور بہتر ہو جاتی ہے ۔

کان کا اندرونی حصّہ :

کان کا اندرونی حصّہ آوازوں کی لہر کو Hydraulic Pressure میں تبدیل کر دینے میں معاون ثابت ہوتا ہے ۔ آوازوں کا Hydraulic Pressure اس طرح Basilan Membrane تک پہنچتا ہے جس میں سماعی قوت ہوتی ہے اور سننے کا عمل شروع ہوتا ہے ۔ سننے کا یہ عمل ہمارے ذہن کو متاثر کرتا ہے اور اس طرح ترسیلِ خیال کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور ہم آوازوں کے فرق سے " پاپ " اور " باپ " جیسے الفاظ کے درمیان فرق کر پاتے ہیں ۔ اس طرح ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ سمعیاتی صوتیات آوازوں کے سننے کے عمل کو موضوع بحث بناتی ہے ۔

باب کا خلاصہ :

☆ اس طرح ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ " صوتیات " انسانی آوازوں کا سائنسی مطالعہ ہے ۔

☆ علم صوتیات میں " انسانی آواز (Speech Sound ") کو کلیدی حیثیت حاصل ہے ۔ انسانی آواز سے ہماری مراد وہ تمام آوازیں ہیں جو الفاظ کی ادائیگی میں معاون ثابت ہوتی ہیں ۔

☆ مُنہ سے نکلی تمام آوازیں انسانی آوازوں میں شمار نہیں کی جاسکتیں ۔ مثال کے طور پر ہنسی یا کھانسی کی آواز انسانی آواز نہیں ہے ۔

☆ علم صوتیات انسانی آوازوں کا معروضی مطالعہ پیش کرتا ہے ۔اس میں آوازوں کی ادائیگی اور ان کی خصوصیات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے ۔

☆ علم صوتیات، علم اصوات)فونیمیات (سے مختلف ہوتاہے ۔ کیوں کہ علم اصوات یا فونیمیات) Phonology (میں کسی مخصوص زبان کے صوتی نظام کا مطالعہ پیش کیا جاتا ہے ۔ اس کے بر عکس صوتیات میں آوازوں کا عام مطالعہ پیش کیا جاتا ہے ۔

☆ صوتیات کی مدد سے ہم آوازوں کی ادائیگی، آوازوں کے Transmission اور آوازوں کے Perception کو بہ خوبی سمجھ سکتے ہیں ۔ اسی بنیاد پر صوتیات کی تین شاخوں کی نشان دہی کی جاتی ہے ۔

1 ۔ تلفظی صوتیات Articulatory Phonetic

2 ۔ سمعی صوتیات Acoustic Phonetic

3 ۔ سمعیاتی صوتیات Auditory Phonetics

☆ صوتیات، تکلّمی اصوات کا عمومی) general (مطالعہ ہے ۔ صوتیات میں تکلّمی اصوات کا تجزیہ و توضیح) description (پیش کیا جاتا

ہے۔

☆ یعنی اس میں ایسی تکنیک کی تلاش ہوتی ہے جن کے ذریعے ہم انسانی اعضائے تکلم سے ادا ہونے والی تمام اصوات کا صریحاً تجزیہ و توضیح پیش کرسکیں۔ انسان اپنے اعضائے تکلّم (speech organs) کے ذریعے ان گنت تکلمی اصوات ادا کرسکتا ہے اور صوتیات ان بے شمار تکلمی اصوات کا تجزیہ و توضیح پیش کرتا ہے۔

☆ صوتیات میں تکلمی اصوات کا مطالعہ تین نقطہ ہائے نظر سے کیا جاسکتا ہے۔ تکلمی صوتیات میں طرز تکلم کا مطالعہ ہوتا ہے۔ یعنی کسی خاص تکلمی صوت کے نکالنے کے لیے کن اعضائے تکلم کا استعمال ہوتا ہے جیسے کہ لب، غشا وغیرہ۔ مذکورہ صوت مسموع ہے یا غیر مسموع؟ نیز یہ کہ یہ صوت ہکاری ہے یا غیر ہکاری وغیرہ۔

☆ دوسرا نقطۂ نظر تکلمی اصوات کی ترسیل (transmission) ہے۔ یعنی کوئی خاص صوت، صوتی لہر (sound waves) بن کر ہوا کے ذریعے کس طرح متکلم سے مخاطب تک منتقل ہوتی ہے۔

☆ صوتیات کے مطالعے کا تیسرا نقطۂ نظر تکلمی اصوات کی وصولیابی (reception) ہے۔ یعنی انسانی کان کسی تکلّم کو سماع کے ذریعے کیسے حاصل کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کے مطالعے میں تجربہ گاہ اور اصوات کے مطالعے سے متعلق مختلف آلات کا استعمال کیا جاتا ہے۔

☆ صوتیات میں اصوات کے تحریری اظہار کے لیے بین الاقوامی صوتیاتی رسم الخط کا استعمال کیا جاتا ہے۔ بین الاقوامی صوتیاتی رسم الخط (IPA) میں مصوّتوں (vowels) اور مصمّتوں (consonants) کے لیے الگ الگ حروف وضع کیے گئے ہیں۔ مثلاً 'ای' کے لیے 'i'، 'او' کے لیے 'o'، 'ب' کے لیے 'b'، 'ف' کے لیے 'f' وغیرہ۔

دوسرا باب

اصول فونیمیات

تمہید :

اس بات سے تو ہم واقف ہیں کہ فونیمیات کی اصطلاح لسانیات کی اس شاخ کے لیے استعمال ہوتی ہے جو کسی زبان خاص کے صوتی نظام کا مطالعہ پیش کرتا ہے ۔ کسی زبان کے صوتی نظام کو بہ خوبی سمجھنے کے لیے اصول فونیمیات سے واقفیت ضروری ہے ۔گویافونیمیات میں ان اصولوں اور تکنیکوں سے بحث ہوتی ہے جن کے اطلاق سے کسی زبان میں استعمال ہونے والی امتیازی اصوات یا' صوتیوں (' اصطلاحاً) کی نشان دہی کی جاتی ہے ۔ کسی زبان یابولی کے لیے جس کا کوئی رسم الخط نہیں ہے رسم الخط وضع کرنا ہو یا حروفِ تہجی ترتیب دینی ہو تو ' فونیمیات ' کی اشد ضرورت محسوس ہوتی ہے ۔ اس حقیقت سے تو ہم سب واقف ہیں کہ تکلم ایک پیچیدہ عمل ہے اس میں قطعاتی اصوات (segmental sounds (مثلاً مصمتوں اور مصوتوں کے علاوہ فوق قطع اصوات supra segmental) elements (مثلاً سُر (pitch) ، تاکید (stress) ، اِتصّال (juncture (وغیرہ کا بھی استعمال ہوتا ہے ۔ مزید یہ کہ مصوتوں میں تخفیف و طوالت بھی ہوسکتی ہے ۔ تکلم کی ان تمام خصوصیات کو بیان کرنے کے لیے فونیمیاتی تکنیک اور اصولوں کو سمجھنا نہایت ضروری ہے ۔ لہٰذا اس باب میں فونیمیات اوراس کے ان اصولوں اور تکنیکوں کے متعلق معلومات پیش کی گئی ہے جو کسی مخصوص زبان کے صوتیوں کے تعین میں معاون ثابت ہوتے ہیں ۔

فونیمیات ایک تعارف :

دنیا کی تمام زبانیں اپنے تحریری اظہار کے لیے گنی چنی آوازوں کا ہی استعمال کرتی ہیں یعنی یہ لاتعداد اصوات اور لاتعداد حروف کی متحمل نہیں ہوسکتیں ۔ اسی بات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے فونیمیات یا فونیمیاتی نظر یہ معرضِ وجود میں آیا۔ لسانیات کی اس اہم شاخ " فونیمیات " کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کوئی ایسی تسلی بخش تکنیک مرتب کی جائے جس سے کسی زبان میں استعمال ہونے والی اصوات کی امتیازی اکائیوں Meaningful units (of sound) کی شناخت کی جاسکے اوران اکائیوں کوزبان کی حروفِ تہجی یا رسم الخط مرتب کرنے کے لیے استعمال کیا جائے ۔ بہ الفاظ دیگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ فونیمیات میں کسی زبان میں استعمال ہونے والی امتیازی اصوات کا تجزیہ ہوتا ہے ۔لسانیات کے اس شعبہ میں ہمیں اس بات سے غرض نہیں کہ زبان میں استعمال ہونے والی اصوات کی ادائیگی کس طرح ہوتی ہے یاکسی صوت کو ادا کرنے کے لیے کن اعضائے تکلّم کی ضرورت محسوس ہوتی ہے ، یاکن اعضائے تکلم کی حرکت سے کوئی صوت معرضِ وجود میں آتی ہے یاکسی صوت کی ادائیگی میں ہوا دہنی جوف سے خارج ہوتی ہے یاانفی جوف سے ۔ ایسے موضوعات فونیمیات کے لیے اہم نہیں ہیں ۔ بلکہ اس کے برعکس فونیمیات کا مقصدکسی زبان کے صوتی نظام کی نشان دہی کرناہے ۔ یعنی کسی زبان میں استعمال ہونے والی ان امتیازی اصوات (phonemes) کی ساخت کا تعین ہی فونیمیات کا مقصد ہے جن کی وجہ سے الفاظ کے معنی میں تبدیلی ہوتی ہے ۔ مثال کے طورپر اردو کے ان چند لفظی جوڑوں کو لیجیے ۔

کَمَر [kamar]

قَمَر [qamar]

تِل [til]]

دِل [dil]

واضح رہے کہ پہلے جوڑے کے پہلے لفظ کے معنی کمر (انسانی عضو) کے ہیں اور دوسرے لفظ کے معنی ' چاند ' ہے ۔ اسی طرح دوسرے جوڑے میں بھی معنوی فرق صاف ہے ۔یہ بھی واضح رہے کہ الفاظ کے ا ن جوڑوں میں پہلی صوت کو چھوڑکرباقی اصوات ایک جیسی ہیں ۔ اگر معنی میں تبدیلی واقع ہورہی ہے تو وہ محض پہلی صوت کے بدلنے سے ہورہی ہے یعنی (' k 'ک) کی جگہ) 'q ' ق) کا استعمال یا " ت " کی جگہ " د " کا استعمال معنوی فرق پیدا کرتا ہے ۔ اگر صورتِ حال اس کے برعکس ہو تو معنوی فرق نہیں پیدا ہوتا۔ اگر اصوات کا فرق لفظ کے معنی پر اثر انداز ہوتا ہے تو یہ فرق فونیمیاتی فرق) phonemic difference (کہلاتا ہے ۔ لہٰذا فونیمیاتی نظریے کے مطابق 'k ' ک) اور 'q ' ق) اور " ت " اور " د " دو مختلف امتیازی اصوات ہیں ۔یعنی یہ اردو زبان میں استعمال ہونے والی ایسی امتیازی آوازیں ہیں جن کے فرق سے لفظ میں معنوی فرق پیدا ہوجاتا ہے ۔ زبان میں استعمال ہونے والی امتیازی صوت کو فونیمیاتی اصطلاح میں ' صوتیہ) phoneme (' کہاجاتا ہے ۔ اُوپر کی مثالوں کی بنیاد پر " ک "، " ق "، " ت " اور " د " کو اردو زبان کا صوتیہ کہا جائے گا کیوں کہ اردو کے ان اصوات میں معنوی تغیر پیدا کرنے کی صلاحیت ہے ۔ فونیمیاتی تحریر میں صرف امتیازی اصوات (دیگر الفاظ میں ' صوتیوں) ' کو ملحوظ خاطر رکھا جاتاہے ۔ اس میں توجہ اس بات پر نہیں ہوتی کہ کوئی صوت اپنی اگلی یا پچھلی صوت سے کس طرح متاثر ہورہی ہے یا کوئی مصوتہ کتنا طویل ہے یا کتنا خفیف ۔ فونیمیاتی مطالعے میں صوت کی ذیلی شکلوں کو مدنظر نہیں رکھا جاتا ہے ۔ خواہ " مصوتہ " ہو یا " مصمتہ " یا " سُر یا بل "

جیسی اصوات ہوں ، ان سب میں ذیلی اشکال کی نمائندگی ہوتی ہے ۔ لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ فونیمیاتی تحریر میں محض اصوات کی اس امتیاز (distinctiveness) کو ملحوظ رکھا جاتا ہے جس کی بنیاد پر صوتیہ کا تعین کیا جاتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ فونیمیات میں صرف امتیازی خصوصیات کو مد نظر رکھا جاتا ہے ۔ اس کے پیش نظر فونیمیاتی تحریر میں صرف امتیازی خصوصیات کی نشان دہی کی جاتی ہے جس کی بنا پر فونیمیاتی تحریر کو وسیع تحریر (broad transcription) بھی کہا جاتا ہے ۔ فونیمیاتی تحریر میں ہر فونیم یا صوتی اکائی کو ترچھی لکیروں ۔ / / میں لکھا جاتا ہے ۔ چوں کہ فونیمیات میں امتیازی اصوات کا قیام اس بات کو ملحوظ رکھ کر کیا جاتا ہے کہ اصوات کی تبدیلی ، معنی کی تبدیلی میں کس حد تک اور کس طرح اثر انداز ہوتی ہے لہٰذا فونیمیاتی تجزیہ کفایتی اور وضاحتی ہوتا ہے ۔ درجِ بالا سطور میں ذکر آیا ہے کہ صوتیات کی بنیادی اکائی ' صوت ' کہلاتی ہے ،اسی طرح فونیمیات کی بنیادی اکائی ' صوتیہ (phoneme) ' کہلاتی ہے ۔ مختلف زبانوں پر فونیمیاتی نظریے کے اطلاق سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایک صوت یا اصوات کا ایک خاص گروہ ان زبانوں میں یکساں کام نہیں کرتا۔ مثلاً انگریزی میں ہکاریت (aspiration) ایک امتیازی خصوصیت (relevant feature) نہیں ہے کیونکہ ہکاریت انگریزی الفاظ میں معنوی تبدیلی پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ، مگر ہندوستانی زبانوں مثلاً اردو میں یہ ایک امتیازی خصوصیت ہے ۔ بہ الفاظ دیگر ہکاریت ہندی، اردو اور دیگر ہند آریائی زبانوں میں صوتیہ کا درجہ رکھتی ہے کیونکہ اان زبانوں میں ہکاریت لفظوں میں معنوی تبدیلی پیدا کر سکتی ہے ۔

فونیمیاتی مطالعے سے ہمیں یہ بھی پتا چلتا ہے کہ صوتیوں کی تعداد اور قسموں کے لحاظ سے مختلف زبانیں ایک دوسرے سے کافی مختلف ہوتی ہیں ۔

اس سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ علم اصوات یا فونیمیات (Phonology) (میں کسی مخصوص زبان کے صوتی نظام کا مطالعہ پیش کیا جاتاہے ۔ لہٰذا زیر نظر باب میں اردو کے صوتی نظام کا مطالعہ پیش کرنے سے پہلے فونیمیات کے بنیادی اصولوں کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔ ان تفصیلات سے اندازہ ہوتا ہے کہ صوتیات کے بر عکس جس میں آوازوں کا عام مطالعہ پیش کیا جاتا ہے علم اصوات یا فونیمیات کسی مخصوص زبان کے صوتی نظام کو پیش کرتا ہے ۔

اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ صوتیات میں جب کسی صوت یا اصوات کو تحریر میں ریکارڈ کیا جاتا ہے تو ہر صوت کی تمام صوتی تفصیلات پیش کی جاتی ہیں ۔ مختلف لسانی ماحول میں اس صوت میں رونما ہونے والی تبدیلیوں اور تغیرات کو سمونے کو کوشش کی جاتی ہے ۔ مثال کے طورپر اردو کے ان الفاظ پر غور کیجیے ۔

’ مہر] meher [‘

’ میل] me:l [‘

’ میلے] mele [‘

اسی طرح مندرجہ ذیل لفظی جوڑوں پر بھی غور کریں ۔

کہنا [kehna:]

رہنا [rehna:]

ان مثالوں کو بہ غور دیکھنے سے یہ محسوس کیا جاسکتا ہے کہ ’ مہر [meher [‘ میں ’ م ‘ اور ’ ہ ‘ دونوں کے بعد جو مصوتہ ہے وہ صوتی اعتبار سے ’ ے ‘ کی خفیف ترین شکل ہے ۔ تقریبا یہی صورت ’ کہنا ‘ اور ’ رہنا ‘ میں نظر آتی ہے ۔ یعنی یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان تینوں الفاظ میں صوتی اعتبار سے ’ ے ‘ کی خفیف ترین شکل ’ مہر ‘ ’ کہنا ‘ اور ’ رہنا ‘ میں پائی جاتی ہے ۔

اس کے مقابلے میں ' میلے ' میں ' م ' اور ' ل ' کے بعد آنے والی ' ے ' کی صوتی شکل ' مہر ' کی ' ے ' کے مقابلے میں قدرے طویل ہے ۔ مگر اتنی طویل نہیں ہے جتنی کہ ' میلے ' والی ' ے ' میں ہے یہی بات مصمتوں کے تعلق سے یا تکلم کے دوسرے اجزا کی خصوصیات کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے ۔ صوتی تحریر میں اس قسم کی ساری تفصیلات ریکارڈ کی جاتی ہیں ۔یہی وجہ ہے کہ صوتی تحریرمیں کفایت (economy) اور وضاحت (clarity) کا فقدان ہوتا ہے ۔ جب کہ اس کے بر عکس فونیمیاتی تحریر میں صرف ان اصوات کو تحریر بند کیا جاتا ہے جو معنوی اعتبار سے اہم ہوتے ہیں اور جیسا کہ ہم جانتے ہیں ایسے اصوات فونیمیات کی اصطلاح میں " صوتیہ " کہلاتے ہیں ۔درجِ بالا سطور سے اندازہ ہوتا ہے کہ صوتیاتی مطالعے میں تمام تفصیل کو ملحوظ نظر رکھا جاتا ہے ۔ اس طرح کسی زبان کا صوتیاتی مطالعہ کیا جائے تو اس زبان کے نہ جانے کتنے مصوتے برآمد ہوں گے اور نہ جانے کتنے مصمتے ۔ اگر ہم اس زبان کے لیے ایک مناسب ترین اورکفایتی رسم الخط وضع کرنا چاہیں تو کیا یہ ممکن ہے کہ اس زبان کے تحریری اظہار کے صوتیاتی مطالعے سے برآمد سینکڑوں مصوتے ، سینکڑوں مصمتوں اور دیگر صوتیاتی اجزاکے لیے حروف وضع کیے جائیں ؟ ظاہر ہے کہ یہ ممکن نہیں ۔ اس حقیقت سے تو ہم سب واقف ہیں کہ صوتیات میں تکلم کو تحریر ی شکل دینے کے لیے " صوتیاتی تحریر " کا استعمال ہوتا ہے جس میں وضاحت ہوتی ہے اسی وجہ سے صوتیاتی تحریر کے لیے تکلم کو ریکارڈ کرتے وقت تفصیل سے ریکارڈ کیا جاتا ہے تاکہ زبان کی تمام تر تفصیل ریکارڈنگ میں شامل ہو سکے ،اس کے برعکس فونیمیاتی مطالعے میں تفصیلات پر توجہ نہیں دی جاتی اور اس فونیمیاتی تحریر کا استعمال ہوتا ہے جس میں کفایت کا احساس ہوتا ہے یعنی صوتی تفصیلات کی جگہ کفایت سے

کام لیا جاتا ہے ۔ ان تفصیلات سے صوتیاتی تحریر اور فونیمیاتی تحریر کے بنیادی فرق کی وضاحت ہو جاتی ہے ۔

فونیمیات کی اصطلاحات :

فونیمیاتی مطالعے کی تکنیک کو بہ خوبی سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ فونیمیات میں مستعمل اصطلاحات سے بھی واقفیت ہو ، اس کے پیش نظر مندرجہ ذیل سطور میں فونیمیات میں استعمال ہونے والی کچھ اہم اصطلاحات کا جائزہ اور ان کی وضاحت پیش کی گئی ہے ۔

ذیلی اصوات : (Allophones or positional variant)

زبان کے مختلف الفاظ میں مستعمل کسی بھی صوت کی ادائیگی میں موقع و محل کے لحاظ سے تغیر و تبدیلی ہوتی رہتی ہے ۔ اس کی وجہ سے کسی " صوتیہ " کا تلفظ مختلف الفاظ میں مختلف ہوسکتاہے ۔ یعنی لفظ میں اس صوتیہ کے پس یا پیش صوتی ماحول کی وجہ سے اس صوتیہ کی کئی شکلیں رونما ہوتی ہیں۔ صوتیہ کی انھیں ذیلی شکلوں کو ذیلی اصوات allophone (یا positional variants) کہا جاتاہے ۔ بہ الفاظ دیگر ذیلی اصوات کسی صوتیہ کی ان صوتی تبدیلیوں کی نشان دہی کرتی ہیں جو بامعنی نہیں ہوتیں ۔ مثال کے طورپر ان تین اردو الفاظ کو لیجیے :

'مور [mo::r] '

'گورا [go:ra] '

'مہرا [mohra] '

ان تینوں میں صوت 'او' موجود ہے (واضح رہے کہ یہاں تلفظ اہم ہے نہ کہ تحریر) ۔ پہلے لفظ یعنی 'مور [mo:r] ' میں 'او' قدرے طویل ہے صوتیاتی رسم الخط اس کو بہ طور [o::] تحریر کیا جاسکتاہے ۔ دوسرے لفظ 'گورا [gora] ' میں 'او' اتنا طویل نہیں ہے جتنا کہ 'مور' میں ہے

۔ اس صوت کو بہ طور] o: [لکھا جاسکتا ہے ۔ تیسرے لفظ ' مہرا ' میں ' ہ ' سے پہلے ' او ' کافی خفیف ہوجاتا ہے ۔ اسے بہ طور] o [ظاہر کیا جاسکتا ہے ۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ متذکرہ تینوں الفاظ میں ' او ' تو موجود ہے مگر صوتی اعتبار سے تینوں ' او ' کی نوعیت الگ الگ ہے ۔ یعنی الفاظ ' مور ، ''گورا ' اور ' مہرا ' کے ' او ' ایک دوسرے سے مختلف ہیں ۔ اسی طرح لفظ 'گورا ' میں آنے والا ' او '' مور ' اور ' مہرا ' میں آنے والے ' او ' سے مختلف ہے اور ' مہرا ' میں آنے والا ' او ' ، ' مور ' ، اور 'گورا ' کے ' او ' سے مختلف ہے ۔ گویا تینوں الفاظ میں صوتی اعتبار سے تین مختلف قسم کا ' او ' پایا جاتا ہے ۔ مگر یہ تینوں قسمیں / o / کی مختلف اشکال یا روپ ہیں ۔ / o / کی ان تین صوتی اشکال کو / o / کی ذیلی شکل کہا جائے گا ۔ درجِ ذیل خانے میں ' او ' کی ان ذیلی اشکال کو واضح کیا گیا ہے ۔

او / :

او / o: /

او / o /

/ o, /

ذیلی اصوات کی مزید وضاحت کے لیے '' پ '' کی مثال پیش کی جا سکتی ہے ۔ مثال کے طور پر ان تین اردو الفاظ کو لیجیے ۔ یعنی ' پان [pa:n] ، ' جاپان [ja:pa:n] ' اور ' آپ [a: p] ' ۔ ان تینوں الفا ظ میں '' صوتیہ [p] '' موجود ہے ۔پہلے لفظ میں صوتیہ ' پ ' شروع میں آئی ہے ۔ دوسرے لفظ میں درمیان میں '] آ ' کے بعد [اور تیسرے میں آخر میں ۔ درجِ بالاسطور میں اس بات کی وضاحت پیش کی گئی ہے کہ جب اصوات ایک دوسرے کے ساتھ آتی ہیں تو ایک دوسرے کو متاثر کرتی ہیں ۔ اس بیان کی روشنی میں اگر ہم '' پ '' کو دیکھیں تو محسوس کریں گے کہ درجِ

بالا تینوں الفاظ میں آنے والی آواز 'پ [p]' ادائیگی کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہے، لہٰذا یہ نتیجہ بہ آسانی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ادائیگی کے اعتبار سے تینوں لفظوں میں مستعمل 'پ [p]' الگ الگ ہیں ۔ یعنی 'پان [pa:n]' میں آنے والی 'پ [p]' لفظ کی شروعاتی صوت یا آواز ہے اور اپنے بعد آنے والے مصوتے کے ساتھ ادا ہو رہی ہے ۔ صوتیاتی نقطۂ نظر سے یہ اخراجی کیفیت کی حامل ہے ۔ لہٰذا یہ 'جاپان' اور 'آپ' میں آنے والی 'پ [p]' سے مختلف ہے اس 'پ' صوتیہ کو بہ طور [p1] ظاہر کیا جاسکتا ہے ۔ اسی طرح 'جاپان' میں آنے والی 'پ' لفظ کے درمیانی مصوتوں کے بین واقع ہو رہی ہے ۔ اس "پ" کو بین مصوتی کہا جاسکتا ہے ۔ لہٰذا یہ 'پان' اور 'آپ' میں آنے والی 'پ [p]' سے مختلف ہے ۔ اس "پ" کی تفریق کے لیے [p2] کہا جاسکتا ہے ۔ اسی طرح لفظ 'آپ [a:p]' میں مستعمل 'پ [p]' لفظ کے آخر میں واقع ہو رہی ہے ۔ صوتیاتی نقطۂ نظر سے یہ غیر اخراجی کیفیت کی حامل ہے ۔ لہٰذا یہ 'پان' میں آنے والی 'پ [p]' سے مختلف ہے اس 'پ [p]' کو بہ طور، [p3] لکھا جاسکتا ہے ۔ گویا کہ تینوں الفاظ میں تین قسم کی "پ [p]" صوت پائی جاتی ہے ۔ یعنی [1]، [p2] اور [p3] ۔ مگر یہ تینوں قسمیں / p / کی مختلف شکلیں یا روپ ہیں ۔ گویا "پ" ایک صوتیہ ہے جس کے تین ذیلی اصوات ہیں جن کا استعمال لفظ کے شروع درمیان اور آخر میں ہوتا ہے ۔ چوں کہ یہ ذیلی اصوات معنوی تفریق پیدا نہیں کر سکتے لہٰذا انھیں صوتیے کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ مزید وضاحت کے لیے / p / کی ان ذیلی اصوات کو نیچے پیش کیا گیا ہے ۔

[pa:n] [p1]

[ja:pa:n] [p2]

] 3p [ ] a:p [

صوتیہ : (phoneme)

ان تفصیلات کی روشنی میں کہاجا سکتا ہے کہ صوتی اعتبار سے تقریباً ایک جیسی بہت ساری اصوات میں سے منتخب شدہ کسی ایک صوت کو ' صوتیہ) phoneme (' کہا جاتا ہے ۔ صوتیہ دراصل صوتی اعتبار سے تقریباً ایک جیسی اصوات کے حوالے کے سلسلے میں بہ طور حوالہ جاتی نقطہ کا کام کرتاہے ۔ کسی زبان میں صوتیے کا تعین فونیمیات کے اصولوں کے تحت خاص تجزیاتی طریقوں سے ہوتا ہے ۔ صوتیے کی وضاحت کے لیے ہم انھیں تین الفاظ کو لیں گے جنھیں درجِ بالاسطور میں ذیلی اصوات) allophones (کی وضاحت کرتے وقت لیاگیا تھا۔ یعنی

"گورا] gora ["

" مور] mo:r ["

" مہرا] mohra ["

اس ضمن میں اس بات کی وضاحت پیش کی گئی تھی کہ صوتی اعتبار سے ان تینوں الفاظ میں آنے والے " او " کی نوعیت الگ الگ ہے ۔ ' مور ' میں آنے والے ' او ' کو صوتیاتی تحریر میں بہ طور] o: [ظاہر کیا جاسکتا ہے ۔ یہ بھی کہا گیا تھا کہ یہ تینوں ' او ' کی مختلف صوتی اشکال یا روپ ہیں ۔ ' او ' کی ان تینوں میں سے کسی ایک شکل کو ہم چنیں گے ۔ فی الحال ہم نے ' o ' کو چن لیا اور کہا کہ ' o ' صوتیہ ہے ۔ اسے ہم ترچھی لکیروں میں بند کریں گے یعنی / o /۔ اب / o / کو ایک صوتیہ) phoneme (کہیں گے ۔ دیگر الفاظ میں / o / ایک امتیازی) phoneme (ہے اور درجِ بالاالفاظ کے فونیمیاتی تجزیے کی روشنی میں اس تین ذیلی اصوات) allophones or positional Variants (ہیں ۔ مندرجہ ذیل خاکے

میں صوتیہ / o / اور اس کی ذیلی اصوات کے رشتے کو واضح کیا گیا ہے۔

ذیلی اصوات صوتیہ

(phoneme) (allophonemes)

[o] [o:]

/ o / [o,]

صوتیے کے ضمن میں یہ کہنا غیر مناسب نہ ہوگا کہ جب ہم کسی زبان کی اصوات سے بحث کرتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ہم اس زبان میں استعمال ہونے والے صوتیوں (phonemes) سے بحث کررہے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ ہر زبان میں صوتیے ایک دوسرے سے مختلف (contrast) ہوتے ہیں۔ مثلاً اردو میں صوتیے 'پ' / p / اور 'ب' / b / مسموعیت کی بنیاد پر یعنی غیر مسموع اور مسموع کے پیمانے پر ایک دوسرے کے تخالف میں ہیں۔ لہٰذا ان دونوں کے (ایک دوسرے کے ساتھ) ادل بدل سے معنوی فرق پیدا ہوجاتا ہے، یعنی معنی میں تبدیلی واقع ہوجاتی ہے۔ مثلاً 'پہَل' / pahal / میں / p / کو / b / سے بدل دیا جائے تو جو لفظ برآمد ہوگا وہ بہل / bahal / ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اس میں معنی کی تبدیلی بھی واقع ہوئی ہے۔ صوتیوں 'پ' / p / اور 'ب' / b / کا یہ تخالف الفاظ کے درمیان اور آخر میں بھی واقع ہوتا ہے۔ مثلاً چپاتی، / chapa:ti: / چباتی / chabati / میں یہ فرق لفظ کے درمیان میں ہے جب کہ 'آپ' / ap / اور 'آب' / ab / میں یہ فرق لفظ کہ آخر میں ہے۔ زبان میں مستعمل مختلف صوتیوں کے تخالفات اور ان سے رونما ہونے والی معنوی تبدیلیوں کو ملحوظِ نظر رکھتے ہوئے چارلس ایف ہوکٹ (C.F.Hockett) کا خیال ہے کہ 'صوتیہ' دراصل زبان میں تخالفت کے جال کا ایک نقطۂ حوالہ ہے۔

تکمیلی تقسیم : (Complementry Distribution)

تکمیلی تقسیم کی اصطلاح کا استعمال ذیلی اصوات کے الفاظ میں ایسی تقسیم کے لیے کیا جاتا ہے جس میں کسی ایک مخصوص جگہ (position) پر ذیلی اصوات کا کوئی مخصوص ممبر ہی آسکتا ہے یعنی یہ جگہ اول الذّکر ممبر ہی کے لیے مخصوص و مختص ہوتی ہے ، ذیلی اصوات کا کوئی دوسرا ممبر اس مخصوص جگہ کو نہیں لے سکتا ۔ وضاحت کے لیے ' ذیلی اصوات ' کے ضمن میں دی گئی مثالوں یعنی ' مور [mo: r] ' ، گورا [gora] اور ' مہرا ' [mohra] کو لیجیے ۔ ظاہر ہے کہ ان تینوں الفاظ میں ' او ' موجود ہے مگر پہلے لفظ میں ' او] :o ' قدرے طویل ہے ۔ دوسرے لفظ ' گورا ' میں ' او ' اتنا طویل نہیں جتنا کہ ' مور ' میں ہے ۔ تیسرے لفظ ' مہرا ' میں ' او ' کافی خفیف ہوجاتا ہے ان صوتی تغیرات کی بنیادی وجہ وہ ماحول ہے جن میں یہ اصوات استعمال ہوتی ہیں لہٰذا ان مثالوں کو بہ غور دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ' او ' کی ان تینوں قسموں کو ایک دوسرے کے ساتھ ادل بدل نہیں کیا جاسکتا ہے ۔ یعنی یہ ممکن نہیں کہ " مہرا " والے " او " کو ' مور ' والے " او " سے بدل دیا جائے وغیرہ وغیرہ ۔ گویا کہ ' او ' کی تینوں قسموں کی جگہ اٹل ہے اور ان کا ایک دوسرے کے ساتھ ادل بدل نہیں ہوسکتا ۔ جیسا کہ پہلے وضاحت کی جاچکی ہے کہ فونیمیات میں اس طرح کی تقسیم کو تکمیلی تقسیم (complementary distribution) کہا جاتا ہے ۔

4 ۔ تخالفی اصوات (Contrasting Sounds)

تخالفی اصوات کی اصطلاح ایسی اصوات کے لیے ہوتی ہے جو لفظی جوڑے میں ایک ہی جگہ (position) آکر ایک دوسرے کے ساتھ تخالف پیش کرتی ہوں ۔ مذکورہ الفاظ میں تخالفی اصوات کو چھوڑ کر باقی تمام اصوات یکساں ہوتی ہیں ۔ مثلاً اردو کے ان الفاظ کو لیجیے ۔

’پاپ [pa: p] ‘

’باپ [ba:p] ‘

ان میں شروع کی پوزیشن میں ([b:p پ : ب) والی اصوات ایک دوسرے کے تخالف میں واقع ہوئی ہیں ۔ اس طرح کی اصوات کو جو ایک ہی پوزیشن میں آکر ایک دوسرے کے ساتھ تخالف پیش کرتی ہوں ’ تخالفی اصوات ‘ کہلاتی ہیں ۔ قابل غور بات یہ ہے کہ مندرجہ بالا الفاظ میں [b:p] پ : ب) کو چھوڑ کر باقی ساری اصوات یکساں ہیں ۔ اس ضمن میں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ تخالفی اصوات الفاظ کی کسی بھی پوزیشن یعنی شروع، درمیان، یا آخر میں تخالف پیش کرسکتی ہیں ۔ اردو کے مندرجہ ذیل لفظی جوڑے لفظ کے آخر میں تخالفت کی عمدہ مثال ہیں ۔

آپ [a:p]

آب [a:b]

اس لفظی جوڑے میں ”پ“ اور ”ب“ کے درمیان صوتی تخالف لفظ کے آخر میں نظر آتا ہے اور جس کی بنیاد پر اردو میں ”پ“ اور ”ب“ کو تخالفی اصوات کا درجہ دیا جاتا ہے ۔ کسی بھی زبان کی تخالفی اصوات دراصل اس زبان کے صوتیہ ہوتے ہیں ۔

5 ۔ مشتبہ جوڑا : (Suspicious Pair)

فونیمیاتی تجزیے میں کوئی دو ایسی اصوات جو ادائیگی کے اعتبار سے (phonetically) اس حد تک قریب ہوں کہ ان میں صوتی فرق کو لے کر شبہ پیدا ہوجائے ، مشتبہ اصوات کہلاتی ہیں ۔ یعنی اگر ان کی امتیازی خصوصیات شک کے گھیرے میں ہو تو ایسی آوازیں مشتبہ کہلاتی ہیں ۔ وضاحت کے لیے اردو کے مندرجہ ذیل الفاظ میں آنے والے [n] اور N [ ] پر غور کیا جائے تو محسوس ہوگا کہ ’ اندھا [a ndha:] ‘ ، ’ بوند [‘

[bu:nd ، ' نان ' [na:n] ' صنم [sanam] ' اور دوسری جانب ' اَنڈا ' [
[aNDa: ، ' ڈَنڈا ' [daNDa:] ' مونڈ ' [mu:ND ' [' جُھنڈ ' [
' [jhUND جیسے لفظی جوڑے کے پہلے چار الفاظ میں یہ دیکھا جاسکتا ہے
کہ [n] لفظ کے شروع، درمیان یا آخر میں واقع ہوا ہے ۔ جب کہ دیگر
چار الفاظ میں [N] صرف الفاظ کی درمیانی پوزیشن میں واقع ہوا ہے ۔ یہ
دونوں اصوات انفی مصمتے ہیں اور اس طرح صوتی اعتبار سے ایک دوسرے
کے قریب ہیں ۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا یہ دونوں الگ الگ امتیازی
اصوات ہیں یا ایک ہی اصوات کی دو شکلیں ہیں ؟۔ ممکن ہے کہ یہ دونوں
ایک ہی صوت کی دو مختلف شکلیں ہوں یا پھر دو مختلف اصوات۔ لہٰذا جب
کسی دو اصوات کی فونیمیاتی (phonemic) حیثیت کے متعلق شبہ پیدا ہو
تو یہ اصوات مشتبہ اصوات کہلاتی ہیں ۔ جب بھی کسی ماہر فونیمیات کے
سامنے مشتبہ اصوات آتی ہیں تو وہ ان اصوات والے بہت سارے الفاظ کو
لے کر ان پر مخصوص فونیمیاتی اصولوں کا اطلاق کرتا ہے اور اس نتیجے پر
پہنچتا ہے کہ آیا یہ اصوات علاحدہ علاحدہ امتیازی اصوات ہیں یا ایک ہی
امتیازی صوت کے دو مختلف روپ ہیں ۔

6 ۔ اقلی جوڑا : (Minimal Pair)

فونیمیاتی تجزیے میں دو ایسے الفاظ کا جوڑا جن میں لفظ کے کسی مخصوص
جگہ پر (یعنی لفظ کے شروع، درمیان یا آخر) میں ایک صوت کو چھوڑ کر
باقی اصوات ایک جیسی ہوں ، اقلی جوڑا کہلاتاہے ۔ وضاحت کے لیے اردو
کے مندرجہ ذیل الفاظ ملا حظہ کیجیے :

پاپ [pa: p]

باپ [ba:p]

آپ [a:p]

آب [a:b]

ان الفاظ میں / p / اور / b / کے فرق کے علاوہ باقی سب اصوات ایک جیسی ہیں لہٰذا ان الفاظ کے جوڑے کو اقلی جوڑا کہا جائے گا۔

7۔ ذیلی اقلی جوڑا : (Sub- Minimal Pair)

فونیمیاتی تجزیے میں دو ایسے الفاظ جن میں کسی بھی لفظ کے کسی مخصوص جگہ پر (یعنی لفظ کی شروعات ، درمیان یا آخر) میں دو اصوات کو چھوڑ کر باقی اصوات ایک جیسی ہوں ، ذیلی اقلّی جوڑا کہلاتے ہیں ۔ وضاحت کے لیے مندرجہ ذیل ان دو اردو الفاظ کو لیجیے ۔

تَمیز / tami:z /

دَبیز / dabi:z /

ان الفاظ میں شروع میں / t / اور / d / والی اصوات کے فرق کے علاوہ درمیانی پوزیشن میں / m / اور / b / کا فرق بھی ہے ۔دوسری مثال ' اِصرار / israr / ' اور اظہار / izhar / ' ہے ۔ ملا خطہ ہو کہ ان میں درمیانی پوزیشن میں / s / اور / z / کے فرق کے علاوہ درمیانی پوزیشن ہی میں / h / اور / r / کا فرق بھی ہے لہٰذا لفاظ کے ان دونوں جوڑوں کو ذیلی اقلی جوڑا کہا جاتا ہے ۔

8۔ ملتے جلتےِ ماحول : (Identical Environment)

دو مشتبہ اصوات الفاظ کی کسی جوڑی میں ایک ہی پوزیشن (لفظ کے شروع ، درمیان یا آخر) میں ایک دوسرے کے تخالف میں اس طرح واقع ہوں کہ (ان الفاظ میں) صرف ایک ہی صوت کا فرق ہو، باقی اصوات یکساں ہوں تو وقوع اصوات کا ایسا ماحول " ہو بہو ماحول " کہلاتا ہے الفاظ کے ' اقلّی جوڑوں ' میں مشتبہ اصوات ہو بہو ماحول میں ہوتی ہیں ۔ وضاحت کے لیے اردو کے مندرجہ ذیل دو الفاظ ملا خطہ کیجیے ۔

جلیل] jali:l [

ذلیل] zali:l [

ان الفاظ میں شروعاتی پوزیشن میں] j [اور] z [ایک دوسرے کے تخالف میں ہیں اور الفاظ میں صرف ایک ہی صوت یعنی] j [اور] z [کا فرق ہے ۔ اصوات کے وقوع کا اس قسم کا ماحول ' ہوبہو ماحول ' کہلاتا ہے ۔

9 ۔ مماثل ماحول :) Analoguous Environment (

دو مشتبہ اصوات الفاظ کی کسی جوڑی میں ایک ہی جگہ (لفظ کے شروع ، درمیان یا آخر) میں ایک دوسرے کے تخالف میں اس طرح واقع ہوں کہ (ان الفاظ میں) صرف دوہی اصوات کا فرق ہو، اور باقی اصوات یکساں ہوں تو اصوات کے وقوع کا ایسا ماحول مماثل ماحول کہلاتا ہے ۔ الفاظ کے ' اقلی جوڑوں ' میں مشتبہ اصوات ہو بہو ماحول میں ہوتی ہیں ۔ وضاحت کے لیے اردو کے مندرجہ ذیل دو الفاظ ملا حظہ کیجیے ۔

محصول] mahsu:l [

محظوظ] mahzu:z [

ان الفاظ میں درمیانی پوزیشن میں [s] اور] z [ایک دوسرے کے تخالف میں ہیں ۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ لفظ کے آخر میں] l [اور] z [بھی ایک دوسرے کے تخالف میں ہیں ۔ مگر ان دونوں کے درمیان واقع صوتی فرق اس بات کا سراغ ہے کہ یہ اصوات عموماً مشتبہ اصوات نہیں ہوسکتیں ۔ لہٰذا مذکورہ بالا الفاظ میں] s [اور] z [تخالفی ہیں اور (الفاظ) جوڑی میں صرف دو اصوات یعنی] s [اور] l [یا] z [اور] s [کا فرق ہے اصوات کے وقوع کا اس قسم کا ماحول مماثل ماحول کہلاتا ہے ۔

10 ۔ باہمی اخراجی ماحول Mutually Exclusive)

Environment):

تکمیلی تقسیم (Complementary Distribution) کے حوالے سے اس بات کی وضاحت ہو چکی ہے کہ الفاظ میں صوتی اعتبار سے ملتی جلتی اصوات کے ہر ممبر کی جگہ مخصوص و مختص ہوتی ہے۔ دیگر الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر ایک ذیلی صوت کی جگہ اٹل ہوتی ہے۔ یعنی ایک ذیلی صوت کی جگہ اصوات (mutually exclusive sounds) ہیں اور اصوات کے وقوع کا یہ ماحول باہمی اخراجی ماحول (mutually exclusive environment) کہلاتا ہے۔ اس بات کی مزید وضاحت کے لیے اردو کے ان الفاظ پو غور کیا جا سکتا ہے۔

دھندا [dhanda]

گندا [ganda]

انداز [anda:z]

دوسری طرف ان الفاظ پر بھی غور کیجیے۔ 'ٹھنڈا' [ThaNDa] 'ٹنڈا' [TlNDa] 'چنڈال' [caNDa:l] پہلے زمرے کے تینوں الفاظ کے صوتی تجزیے سے یہ پتا چلتا ہے کہ [d] سے پہلے [n] کا آنا ضروری ہے۔ اس طرح دوسرے زمرے (set) کے تینوں الفاظ کے تجزیے سے معلوم ہوتا ہے [D] سے پہلے [n] کا آنا ضروری ہے۔ [n] اور [N] مذکورہ الفاظ میں ادل بدل نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا [n] اور [N] باہمی اخراجی (mutually exclusive) اصوات ہیں اور ان اصوات کے وقوع کے ماحول کو باہمی اخراجی ماحول (mutually exclusive environment) کہا جائے گا۔

11۔ باہمی شمولی ماحول (Mutually Inclusive Environment):

صوتیاتی اعتبار سے الفاظ میں اصوات کی جگہ مخصوص و متعین ہوتی ہے مگر کبھی کبھی مشتبہ اصوات کسی لفظ میں ایک دوسرے کے ساتھ ادل بدل ہوسکتی ہیں ۔ دیگر الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ کبھی کبھی ایک صوت کی جگہ دوسری صوت لے سکتی ہے ۔ اصوات کے وقوع سے متعلق جب ایسی صورتِ حال ہو تو انھیں باہمی شمولی اصوات (mutually inclusive environment) کہا جاتا ہے ۔ وضاحت کے لیے لفظ ' ظاہر ' کو لیجیے ۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس لفظ کے تلفظ رائج ہیں یعنی [zahir] اور [zahar] ۔ ظاہر ہے کہ اس لفظ میں دو اصوات [a] اور [i] آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ادل بدل ہوسکتی ہیں ۔ لہٰذا یہ دونوں باہمی شمولی اصوات ہیں اور ان کے وقوع کا ماحول باہمی شمولی ماحول کہلاتا ہے ۔ درج بالا ذیلی عنوان ' باہمی خراجی اصوات یا ماحول ' میں کہا گیا ہے کہ الفاظ میں ذیلی اصوات کے ہر ممبر کی جگہ مخصوص و مختص ہوتی ہے ۔ مگر زبانوں میں کبھی کبھی ذیلی اصوات بھی ایک دوسرے سے ادل بدل ہوسکتی ہیں ایسی صورتِ حال میں یہ بھی ' باہمی شمولی اصوات ' کہلائیں گی اور ذیلی اصوات کے وقوع کا ماحول ' باہمی شمولی ماحول ' ہوتا ہے ۔

6 ۔ 2 فونیمیات کا نظریہ :

زبان کی ساخت صوتیوں (phonemes) ، صرفیوں (morphemes) ، جملوں اور سرلہری نمونہ جات (intonational patterns) وغیرہ پر مشتمل ہوتی ہے لہٰذا کسی بھی زبان کا تجزیہ فونیمیاتی، صرفی، نحوی سطح پر ممکن ہے ۔ زبان کی فونیمیاتی ساخت کے تجزیے کو فونیمیاتی تجزیہ کہتے ہیں ۔یعنی اس تجزیے میں زبان کے صوتی نظام کو موضوع گفتگو بنایا جاتا ہے ۔ زبان کا صوتیاتی مواد (phonetic data) کھردرا ، ناہموار، کچا اور خام (raw) مواد ہوتا ہے ۔ فونیمیاتی تجزیے کے

ذریعے ہم خام مواد سے اس زبان کے صوتیے دریافت کرسکتے ہیں اور یہ بھی معلوم کرسکتے ہیں کہ زبان میں ان صوتیوں کی تقسیم (distribution) کیسے واقع ہوئی ہے اور زبان میں ان کا کیا عمل (function) ہے ؟ ان معلومات کی بنیاد پر صوتیوں کی گروہ بندی کی جاتی ہے ۔ مگر صوتیوں کے تعین کا اہم ترین فائدہ زبان کے رسم الخط کے سلسلے میں ہوتا ہے ۔ یعنی صوتیوں کی بنیاد پر اس زبان کی حروف تہجی تجویز کی جا سکتی ہے ۔تاکہ اس زبان کو پڑھنے اور لکھنے میں آسانی ہو ۔ لہٰذا بہ قول ماہرِ لسانیات کے ۔ایل ۔ پائک (K.L.Pike) عملی فونیمیات کا مقصد کسی زبان کو تحریر بند کرنا ہے ۔

کسی زبان کا فونیمیاتی تجزیہ کرنے اور اس کے خام صوتی مواد سے صوتیے اخذ کرنے کے سلسلے میں مختلف ماہرین لسانیات نے مختلف تکنیکیں اور مختلف طریق کار کی نشان دہی کی ہے ۔ مگر ان سب میں کے ،ایل ،پائک نے جو طریق کار بتایا ہے اور جو ضوابط متعین کیے ہیں انھیں عالم گیر قبولیت حاصل ہے ۔ موصوف نے اپنی تصنیف فونیمکس (phonemics = فونیمیات) میں فونیمیاتی تجزیے کے سلسلے میں جو طریق کار بتایا ہے وہ مندرجہ ذیل حصوں پر مشتمل ہے ۔ 1: بنیادی مقدمات 2: تمہیدی طریقہ اور 3: تجزیاتی طریقے ۔ ایسا انھوں نے عالمی زبانوں کی آفاقی خصوصیات کو ذہن میں رکھ کر کیا ہے ۔

پائک کے فونیمیاتی نظریے کے چار بنیادی مقدمات

پہلا مقدمہ : اصوات اپنے گردو پیش کے ماحول سے ترمیم پذیری کا رجحان رکھتی ہیں :

دوران گفتگو اصوات جب یکے بعد دیگر ے آتی ہیں تو وہ ایک دوسرے کے ساتھ مدغم ہونے کا میلان رکھتی ہیں ، اس ادغام کی وجہ سے

غیر امتیازی اصوات جنم لیتی ہیں جنھیں فونیمیاتی تحریر میں جگہ دینے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ مندرجہ ذیل دو اہم نکات کے اضافے سے درج بالا بیان کی توسیع ہوسکتی ہے۔

) 1 (اصوات خاموشی میں مدغم ہونے کا میلان رکھتی ہیں۔ کوئی صوت جو لفظ یا جملے کے شروع اور درمیانی حالات میں مسموع ہو کچھ مخصوص حالات میں مثلا جملے یا لفظ کے آخر میں غیر مسموع ہوجاتی ہے۔ مثلاً مندرجہ ذیل جملے میں موجود صوت [ب] جملے کی شروعات اور درمیان میں بہ طور مسموع واقع ہوئی ہے۔ مگر جملے کے آخرمیں یہی صوت غیر مسموع ہوجاتی ہے وضاحت کے لیے اردو کا مندرجہ ذیل جملہ ملاحظہ ہو۔

اردو تحریر آج موسم ہے بہت خراب

فونیمیاتی تحریر / a:j mausam hai bahut xa ra: b /

صوتیاتی تحریر / a:j mausam hai bahut xa ra: p /

اوپر کی مثال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بعض اوقات مسموع صوتیہ بعض حالات میں غیر مسموع ہو جاتا ہے لیکن یہ صوتی تغیر با معنی نہیں ہوتی۔مندرجہ بالا مثال میں " خراب " کی ادائیگی " خراپ " کی جاتی ہے لیکن فونیمیاتی تحریر میں اسے نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔جب کہ صوتیاتی تحریر میں اس کی نشان دہی کی جاتی ہے۔

(2) مختلف قسم کی وسیع صوتی) phonological (اور قواعدی (:) gramatical اکائیوں کی سرحدیں بھی اصوات میں تبدیلی لاسکتی ہیں ۔ کبھی کبھی کوئی صوت وسیع صوتی اور قواعدی اکائیوں کی سرحدوں کی وجہ سے صوتی تغیرات کا شکار ہو جاتی ہے مثلاً اردو کے ترکیب لفظی " بد تمیز " میں لفظ " بد " کے آخر میں آنے والی صوت [د] مسموع ہے۔ مگر اکثر

اسی مسموع صوت [د] کی ادائیگی اس ترکیب کے درمیان میں غیر مسموع ہوجاتی ہے اور ادائیگی میں یہ ترکیب "بت تمیز" ہوجاتی ہے۔ ایسا اس وسیع صوتی، اور قواعدی اکائیوں کی سرحدوں کی وجہ سے ہوتا ہے جس میں یہ مسموع صوت اپنے آپ کو پاتی ہے۔ "بد" کے "د" کے فوری بعد "ت" کا استعمال اس مسموع صوتیے "د" کو غیر مسموع بنا دیتا ہے اور اکثر اس کی ادائیگی "ت" ہو جاتی ہے۔

دوسرا مقدمہ: نظامِ صوتی، تناسب کا میلان رکھتے ہیں:

صوتی تجزیے میں 'پ [p]' اور 'ب [b]'، 'ت [t]' اور 'د [d]'، 'ک [k]' اور 'گ [g]' جیسے صوتی جوڑوں کا ملنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان اصوات کے وقوع میں ایک تناسب ہے۔ فرض کیجیے کہ کسی فونیمیاتی تجزیے کا دورانِ تجزیہ محض [p] اور [b]، [t] اور [d] اور [k] والی اصوات ملتی ہیں مگر [g] والی صوت نہیں ملتی، تو فونیمیاتی اصول کے مطابق تحقیق کار کو چاہیے کہ وہ دوبارہ اپنے مواد (data) کا جائزہ لے کیوں کہ صوتی تناسب کے اصول کے مطابق "گ" کی عدم موجودگی قرین از قیاس نہیں ہے۔ عموماً متعلقہ کڑی (series) کی تمام اصوات پوری موجود ہوتی ہیں۔

تیسرا مقدمہ: اصوات میں اتار چڑھاو (Fluctuation) کا میلان رہتا ہے:

کسی صوت یا اصوات کی ادائیگی بار بار کی جائے تو ان میں فرق آنا لازمی ہے کیوں کہ ہمارے اعضائے تکلم اس قابل نہیں کہ ہر بار ایک جیسی صوت یا اصوات پیدا کر سکیں۔ کسی لفظ کی ادائیگی اگر دو بار کی جائے تو ان اصوات میں باریک سا فرق ضرور ہوتا ہے۔ اصوات کو جانچنے والے آلات اس نازک سے فرق یا اصوات کے اتار چڑھاو کو ریکارڈ کر سکتے ہیں

۔ کچھ موقعوں پر اصوات کے اس نازک سے فرق کو سنا بھی جاسکتا ہے مگر یہ فرق تفاعلی (functional) یا با معنی (significant) نہیں ہوتا۔ اس قسم کے فرق کو فونیمیاتی تحریر میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً انگریزی کے یہ دو الفاظ [phIn] اور [pIn] فونیمیاتی تحریر میں /pIn/ ہی ہوں گے کیونکہ انگریزی زبان میں /p/ اور /ph/ کے درمیان کوئی تفاعلی یا بامعنی فرق نہیں ہوتا، جس کی وجہ سے اس فرق کو فونیمیاتی تحریر میں ظاہر نہیں کیا جاتا۔

چوتھا مقدمہ : مشتبہ اصوات کی فونیمیاتی وضاحت میں اصوات کی فطری ترتیب کو دھیان میں رکھنا :

اگر کوئی مصوتہ یا مصمتہ مشتبہ نظر آئے تو فونیمیاتی تجزیہ کار کو چاہیے کہ وہ صوت یا فونیمی ارکان (phonetic or phonemic syllables) کی تقسیم یا ترتیب کو دھیان میں رکھتے ہوئے متذکرہ صوت کی فونیمیاتی حیثیت کی وضاحت کرے۔ مثال کے طور پر اردو کے ان الفاظ میں صوت ارکان (syllables) کی ساخت کے نمونوں (pattern) پر غور کیجیے۔

اردو تحریر میں صوتیاتی تحریر میں

لال [la:l]

خار [xa:r]

بال [ba:l]

ناچ [na:c]

رات [ra:t]

باغ [ba: gh]

ہار [ha:r]

مار [ma:r]

یار] ia:r]

خیال رہے کہ آخری لفظ کو چھوڑ کر باقی سب الفاظ میں صوت رکن (syllable) کی ساخت :

مصمتہ + مصوتہ + مصمتہ

] consonant + vowel + consonant [

یعنی CVC ہے ۔گویا اس فہرست میں ہر لفظ مصمتے سے شروع ہوتا ہے اس کے بعد ایک مصوتہ آتا ہے اور مصمتے پر ختم ہوتا ہے ۔ لہٰذا آخری لفظ] ia:r [کی شروعات مصوتے] i [سے نہیں ہوسکتی بلکہ اس مصوتے کی وضاحت بہ طور ایک مصمتے کے یعنی] y [کے ہونی چاہیے ۔ لہٰذا آخری لفظ] ya: r [ہوگا۔

تمہیدی طریقہ :

تمہیدی طریقہ کسی زبان کے فونیمیاتی تجزیے کا دوسرا جز ہے ۔ تمہیدی طریقوں سے مراد فونیمیاتی تجزیے میں وہ طریقے ہیں جن پر عمل درآمد ہونے سے تیسرے جزیعنی ' تجزیاتی طریقوں ' کےاطلاق کے لیے راہ ہموار ہوتی ہے ۔ ماہر لسانیات کے ۔ ایل۔پائک کے مطابق کم ازکم پانچ تمہیدی طریقے ہیں جن پر یکے بعد دیگرے عمل کرنا لازمی ہے ۔

الف : صوتیاتی مواد کی ریکارڈنگ :

صوتیاتی مواد کی ریکارڈنگ سے مراد اس زبان کے صوتیاتی مواد کو جس کے صوتیے دریافت کرنے ہیں ، صوتیاتی تحریر میں رقم کرنا ہے ۔ صوتیاتی مواد سے مراد مذکورہ زبان کا تکلمی مواد جو الفاظ ، تراکیب، فقروں ، جملوں اور مختصر یا طویل بیان پر مشتمل ہوتا ہے ۔ لہٰذا اس کے تجزیے کے لیے ضروری ہے کہ زبان کے تکلمی مواد کی ریکارڈنگ کی جائے ۔

صوتیاتی مواد ریکارڈ کرتے وقت اس بات کا قوی امکان ہے کہ تجزیہ

کار بہت سی غلطیاں کرے ۔ مگر غلطیاں درکنار ، اسے صوتیاتی مواد اسی طرح ریکارڈ کرنا چاہیے جس طرح اس کے کان محسوس کرتے ہیں ظاہر ہے کہ اسی مواد سے اسے زبان کی امتیازی اصوات اخذ کرنا ہے ۔ صوتیاتی موادریکارڈ کرتے وقت تجزیہ کار کو یہ بھی چاہیے کہ وہ صوت ارکان (syllables) کے درمیان واقع تقسیم کو بھی نقطے یا کسی اور علامت کے ذریعے ظاہر کرے ۔ اسی طرح تکلم کہاں شروع ہورہا ہے اور کہاں ختم، اس بات کی بھی نشان دہی علامت کے ذریعے ہونی چاہیے ۔ زبان کی قواعدی تقسیم مثلاً صرفیوں کی شناخت ، الفاظ، تراکیب کی سرحدیں وغیرہ پر بھی اس کا دھیان ہوناچاہیے ۔ دیگر الفاظ صوتیاتی، فونیمیاتی اور قواعدی تجزیہ ساتھ ساتھ چلنا چاہیے ۔

ب : مسئلے کی صحت و سالمیت پر غور و خوض :

اس ذیلی طریقے سے کے ۔ ایل ۔ پائک کی مراد یہ ہے کہ فونیمیاتی تجزیہ کار کو یہ یقین کرلینا چاہیے کہ اس کے پاس جو صوتیاتی مواد ہے وہ مکمل اور سالم ہے ۔

ج : صوتی چارٹ :

اس سے مراد اس زبان کی جس کا تجزیہ کیا جارہا ہے تمام اصوات اور صوتی اجزا کا صوتی چارٹ بنانا ہے ۔ اس چارٹ میں اصوات یا صوتی اجزا کے لیے حروف اسی ترتیب میں ہوں گے جس ترتیب میں بین الاقوامی صوتیاتی رسم الخط والے چارٹ میں حروف موجود ہیں ۔ مذکورہ چارٹ میں کالموں (columns) کے نام لکھنے کی قطعی ضرورت نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی ایسے کالم رکھے جائیں جن کے لیے صوتیاتی مواد میں اصوات موجود نہ ہوں ۔ بہ الفاظ دیگر غیر ضروری کالم کے اضافے کی ضرورت نہیں ۔ تجزیہ کار کے یہ بات ذہن نشین ہونا چاہیے کہ چارٹ میں درج ہر ایک صوت

یاصوتی جزوبہ طور ایک امتیازی صوت کے قائم ہوگا بشرطیکہ اگلے تجزیاتی طریقوں کے اطلاق سے وہ دور نہ ہو۔

صوتی چارٹ کی تعمیر کی مثال کے لیے ذیل میں بائیں طرف دیے گئے اردو کے مواد سے حاصل ہونے والی اصوات اور صوتی اجزا کو دائیں طرف چارٹ میں دکھایا گیا ہے۔

صوتی مواد :

بازی : دادی پار : ڈاک

تاکید : مار ٹاٹ : چالاک

لاش : سال

صوتی چارٹ :

پ : ب [p] اور [b]

ت : د [t] اور [d]

ٹ : ڈ [T] اور [D]

ک : م [k] اور [m]

ل : ر [l] اور [r]

ہ : ی [h] اور [i:]

ہ : آ [h] اور [a:]

چ : ز [c] اور [z]

ش : س [s] اور [sh]

د : اصوات کے مشتبہ جوڑوں کی فہرست :

فونیمیاتی تجزیے میں صوتی چارٹ کی تعمیر کے بعد چارٹ میں موجود اصوات میں مشتبہ جوڑوں کی شناخت ضروری ہے۔ بنیادی مقدمات کے پہلے مقدمے میں اس بات کی وضاحت پیش کی گئی تھی کہ اصوات اپنے گرد

وپیش کے ماحول سے ترمیم پذیری کا رجحان رکھتی ہیں۔ مثلاً اردو لفظ 'بدتمیز ' کے تلفظ پر غور کیجیے۔ صوتی اعتبار سے سابقہ 'بد [bad]' کی 'د'، 'ت ' کی طرح ادا ہوتی ہے۔ صوتیاتی تحریر میں یہ لفظ اس طرح لکھا جائے گا۔ [bat tami:z] اب سوال یہ ہے کہ صوتیاتی اعتبار سے 'بدتمیز' کے 'بد' میں [t] ، 'ت' ہے یا '[d] د'؟ اردو کے حوالے سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہاں "د [d]" ہے جو گردوپیش کے ماحول کی وجہ سے "ت [t] " میں تبدیل ہورہا ہے مگر ایک نامعلوم زبان میں قطعیت کے ساتھ ایسا کہنا ناممکن ہے۔ ہوسکتا ہے کہ [d] اور [t] دونوں ایک ہی صوت یعنی [d] کی دو اشکال ہوں یا [t] کی دواشکال ہوں۔ لہٰذا [d] اور [t] مشتبہ اصوات ہوئیں۔

اصوات کو مشتبہ قرار دینے کے بھی کچھ معیار ہوتے ہیں مثلاً یہ کہنا کہ ہر کوئی اصوات مشتبہ ہوتی ہیں، درست نہیں ہوگا۔ صرف وہ اصوات جو صوتیاتی طورپر ایک دوسرے کے قریب ہوں عموماً مشتبہ ہوسکتی ہیں۔ صوتیاتی قربت سے مراد وہ اصوات ہیں جو ایک ہی مخرج سے ادا ہوتی ہوں یا جن کا طرزِ تلفظ ایک سا ہوتا ہے۔ مسموع / غیر مسموع کے معیار پر یا ہکاری / غیر ہکاری کے معیار پر بھی اصوات مشتبہ ہوسکتی ہیں اور کوئی بھی مسموع اور غیر مسموع مصمتے کی جوڑی مشتبہ ہوسکتی ہے۔ یہ بھی فرض کرنا ہوگا کہ ماہرلسانیات یا تجزیہ کار نے جس نے صوتی مواد کو ریکارڈ کیا ہے کسی صوت کو سننے اور تحریر کرنے میں بے توجہی نہیں برتی ہے مزید یہ کہ وہ صوتی مواد جو سرِ دست اس کے پاس موجود ہے وہ فونیمیاتی تجزیے کے لیے بہ طور مکمل مواد کے کام کرے گا۔ ان اصولوں کا اطلاق مندرجہ بالا اردو صوتی مواد پر کرتے ہوئے مندرجہ ذیل مشتبہ جوڑوں کی نشان دہی کی گئی ہے۔ یعنی دیے گئے مواد کے حوالے سے اردو اصوات کے مندرجہ

ذیل جوڑے مشتبہ جوڑے ہوں گے ۔

پ : ب [p] اور [b]

ت : د [t] اور [d]

ٹ : ڈ [T] اور [D]

د : ڈ [d] اور [D]

ل : ر [l] اور [r]

ہ : ی [h] اور [i:]

ہ : آ [h] اور [a:]

ش : س [s] اور [sh]

تمہیدی طریقہ ۔ب: غیر مشتبہ اصوات کی فہرست :

اس طریقے میں ان تمام اصوات کی فہرست بنائی جاتی ہے جو واضح طورپر غیر مشتبہ ہیں ۔ اس ضمن میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اصوات جو صوتی اعتبار سے ایک دوسرے سے قطعی مختلف ہیں وہ کسی ایک صوت کی شکلیں نہیں ہوسکتیں ۔ دیگر الفاظ میں وہ ایک صوتیے کی ذیلی اصوات نہیں ہوسکتیں ۔ لہٰذا جب دو ایسی اصوات دریافت ہوتی ہیں جو ایک دوسرے سے صوتی طور پر قطعی مختلف ہوں تو تجزیہ کار انھیں تجزیاتی طورپر دو مختلف صوتیے قرار دے سکتا ہے مثلاً درجِ بالا اردو اصوات کے چارٹ میں [پ p] اور [ک k] یا [ت t] اور [ز z] ایک دوسرے سے قطعی مختلف ہیں لہٰذا انھیں ذیلی اصوات کے خانے میں نہیں رکھا جا سکتا۔

مگر یہاں سوال یہ اٹھتا ہے کہ اصوات کے اختلاف کی شدت کا پیمانہ کیا ہوگا ؟ کیوں کہ کبھی کبھی صوتیاتی طورپر شدید مختلف اصوات بھی کسی ایک صوت کی اشکال ہوسکتی ہیں ۔ ظاہر ہے کہ اصوات کے اختلاف کی شدت کا کوئی ایسا پیمانہ نہیں ہے ۔ مگر ایسی صورتِ حال میں تجزیہ کار کو

کھلے ذہن سے کام لینا چاہیے اور مزید مواد اور ثبوت کی فراہمی سے اپنے نتائج کی نظرِ ثانی کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ تجزیاتی طریقوں کے اطلاق سے مشتبہ اصوات کی حیثیت کے بارے میں مزید ثبوت فراہم کیا جاسکتا ہے۔

باب کا خلاصہ :

☆ فونیمیات میں ان اصولوں اور تکنیکوں سے بحث ہوتی ہے جن کے اطلاق سے کسی زبان میں ستعمال ہونے والی امتیازی اصوات یا 'صوتیوں (' اصطلاحاً) کی نشان دہی کی جاتی ہے۔

☆ ایسی امتیازی آوازیں ہیں جن کے فرق سے لفظ میں معنوی فرق پیدا ہوجاتا ہے انھیں فونیمیاتی اصطلاح میں ' صوتیہ) phoneme (' کہاجاتا ہے۔

☆ ذیلی اصوات کسی صوتیہ کی ان صوتی تبدیلیوں کی نشان دہی کرتی ہیں جو بامعنی نہیں ہوتیں۔

☆ تکمیلی تقسیم کی اصطلاح کا استعمال ذیلی اصوات کی الفاظ میں ایسی تقسیم کے لیے کیا جاتا ہے جس میں کسی ایک مخصوص جگہ) position (پر ذیلی اصوات کا کوئی مخصوص ممبر ہی آسکتا ہے یعنی یہ جگہ اول الذّکر ممبر ہی کے لیے مخصوص و مختص ہوتی ہے۔

☆ فونیمیاتی تجزیے میں کوئی دو ایسی اصوات جو ادائیگی کے اعتبار سے (phonetically) اس حد تک قریب ہوں کہ ان میں صوتی فرق کو لے کر شبہ پیدا ہوجائے، مشتبہ اصوات کہلاتی ہیں۔

☆ فونیمیاتی تجزیے میں دو ایسے الفاظ کا جوڑا جن میں لفظ کے کسی مخصوص جگہ پر (یعنی لفظ کے شروع، درمیان یا آخر) میں ایک صوت کو چھوڑ کر باقی اصوات ایک جیسی ہوں، اقلی جوڑا کہلاتا ہے۔

☆ فونیمیاتی تجزیے میں دو ایسے الفاظ جن میں کسی بھی لفظ کے کسی مخصوص جگہ پر (یعنی لفظ کی شروعات ، درمیان یا آخر) میں دو اصوات کو چھوڑ کر باقی اصوات ایک جیسی ہوں ، ذیلی اقلّی جوڑا کہلاتے ہیں ۔

☆ دو مشتبہ اصوات الفاظ کی کسی جوڑی میں ایک ہی پوزیشن (لفظ کے شروع ، درمیانی یا آخر) میں ایک دوسرے کے تخالف میں اس طرح واقع ہوں کہ (ان الفاظ میں) صرف ایک ہی صوت کا فرق ہو، باقی اصوات یکساں ہوں تو وقوع اصوات کا ایسا ماحول " ہو بہو ماحول " کہلاتا ہے ۔ الفاظ کے ' اقلّی جوڑوں ' میں مشتبہ اصوات ہو بہو ماحول میں ہوتی ہیں ۔

☆ تکمیلی تقسیم (Complementary Distribution) کے حوالے سے اس بات کی وضاحت ہو چکی ہے کہ الفاظ میں صوتی اعتبار سے ملتی جلتی اصوات کے ہر ممبر کی جگہ مخصوص و مختص ہوتی ہے ۔ دیگر الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر ایک ذیلی صوت کی جگہ اٹل ہوتی ہے ۔ یعنی ایک ذیلی صوت کی جگہ اصوات (mutually exclusive sounds) ہیں اور اصوات کے وقوع کا یہ ماحول باہمی اخراجی ماحول (mutually exclusive environment) کہلاتا ہے ۔

☆ کسی زبان کا فونیمیاتی تجزیہ کرنے اور اس کے خام صوتی مواد سے صوتیے اخذ کرنے کے سلسلے میں مختلف ماہرین لسانیات نے مختلف تکنیکیں اور مختلف طریق کار کی نشان دہی کی ہے ۔ مگر ان سب میں کے ۔ ایل ۔ پائک K.L.Pike نے جو طریق کار بتایا ہے اور جو ضوابط متعین کیے ہیں انھیں عالم گیر قبولیت حاصل ہے ۔

تیسرا باب

اردو فونیمات

پچھلے باب کی تفصیلات سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ انسان کے اعضائے تکلّم بہت سی آوازیں پیدا کر سکتے ہیں لیکن کسی بھی زبان میں ان سب کا استعمال نہیں ہوتا بلکہ ان میں سے کچھ ہی آوازیں استعمال میں لائی جاتی ہیں ۔ کسی بھی زبان میں جتنی آوازوں کا استعمال ہوتا ہے وہ سب اس زبان کے صوتی ڈھانچے میں شامل نہیں ہوتیں یا بامعنی نہیں ہوتیں ۔ یعنی کچھ آوازوں کے استعمال سے الفاظ کے معنی میں فرق پیدا ہو جاتا ہے جب کہ کچھ آوازوں کی صوتی خصوصیات میں اگر تھوڑا بہت فرق ہو تب بھی الفاظ کے معنی میں اس کا اثر نہیں پڑتا۔ اس طرح اگر دو الفاظ کے اقلی جوڑوں میں صرف ایک ایک آواز کے فرق سے ان الفاظ کے معنی میں فرق پیدا نہ ہو تو یہ آوازیں ایک ہی فونیم کی دو ذیلی فونیم ہوتی ہیں ۔ مثلاً اُردو میں " ز " اور " ج " مصمتے دو فونیم ہیں یا ذیلی فونیم ، یہ طے کرنے کے لیے ذیل میں ان آوازوں کے ابتدائی، درمیانی اور آخری حالت میں اقلی جوڑے دیے گئے ہیں ۔

'ز' زن بازی راز

'ج' جن باجی راج

اوپر دی گئی مثالوں سے صاف ظاہر ہے کہ دونوں آوازیں تینوں حالتوں میں معنوی تغیر پیدا کرتی ہیں ۔ اس لیے ز / اور / ج / آوازوں کو اُردو میں علیٰحدہ فونیم کا درجہ دیا جائے گا۔ اس طریقۂ کار سے ہم ہر زبان کے فونیم کا تعیّن کر سکتے ہیں ۔ اس طرح اگر دو آوازیں ایک ہی صوتی

ماحول میں دو لفظوں کے معنی میں فرق پید اکریں تو یہ دونوں آوازیں تخالف اصوات کہلائیں گی۔ آوازوں میں امتیاز کے تعیّن کا سب سے آسان اور پہلا طریقہ اقلی جوڑوں کا تعیّن ہے ۔ جیسا کے ہم جانتے ہیں اقلی جوڑوں میں صرف ایک آواز کو چھوڑ کر باقی سب آوازیں ایک جیسی ہوتی ہیں اور ان آوازوں کی ترتیب بھی یکساں ہوتی ہے ۔کسی زبان میں آوازوں کی تعداد خواہ کتنی ہی کیوں نہ ہو لیکن اس زبان کے فونیم کی تعداد ساری آوازوں کے مقابلے میں کم ہوتی ہے ۔ رسم خط میں عام طور سے کسی زبان کے زیادہ ترحروف فونیم ہی کی نمائندگی کرتے ہیں ۔ لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی فونیم کے لیے ایک یا ایک سے زائد حروف بھی استعمال ہوتے ہیں جنھیں ''ہم صوت حروف '' کہتے ہیں ۔ اردو میں اس طرح کی کئی مثالیں ہیں جن کا ذکر اگلے باب میں تفصیل سے کیا جائے گا۔

اردو کے مصوّتی فونیم :

''مصوتہ '' کی اصطلاح بالعموم ان اصوات کے لیے استعمال ہوتی ہے جن کی ادائیگی میں دہنی جوف کے اندر کسی قسم کی کوئی رکاوٹ نہیں کھڑی کی جاتی۔ اردو میں ایسے اصوات کی کل تعداد ''دس'' ہے ۔ یعنی اُردو میں دس مصوّتے ایسے ہیں جنھیں مندرجہ ذیل اقلی جوڑوں کی مدد سے فونیم کا درجہ دیاگیاہے ۔مندرجہ ذیل مثالوں میں ہر دو مصوّتوں کے تضاد کو دکھانے کے لیے ایسے اقلی جوڑے درج کیے گئے ہیں جہاں یہ تضادات درمیانی حالت میں ملتے ہیں ۔

/ ای / / اِ / میل مِل

/ اِ / / اے / تِل تیل

/ اے / / اَے / میل مَیل

/ اَے / / آ / تَیر تار

/ آ / / اَ / پار پَر

/ اَ / / اوٗ / دَر دوٗر

/ اوٗ / / اُ / در دوٗر

/ اُ / / او / مُڑ موڑ

/ او / / اَو / بور بوَر

/ اِ / / اَ / دِل دَل

/ اُ / / اَ / پُل پَل

/ اُ / / اِ / گُل گِل

اردو کے مصوتی ذیلی فونیم :

اُردو میں مندرجہ بالا دس مصوّتی فونیم کے علاوہ دو اور مصوّتے خفیف(اے) اور خفیف (او) عام طور سے ایک خاص صوتی ماحول میں استعمال ہوتے ہیں ۔ یعنی اردو کے ان دو مصوتوں کو فونیم کا درجہ نہیں حاصل ہے اور ان کا شمار بہ طور ذیلی فونیم ہوتا ہے کیونکہ یہ دونوں مصوّتے ابتدائی اور درمیانی حالتوں میں ہمیشہ / ہ / آواز کے پہلے یا بعد میں تلفظ ہوتے ہیں ۔ مثلاً :

/ ہ / سے پہلے / ہ / کے بعد

خفیف (اے :) احمد ... کہنا سحر

احسان ... زحمت بحث

احسن ... محسوس دہن

احتیاط ... وحدت پہل

خفیف (او :) عہدہ ... تحفہ بہت

شہرت

کہرام

اوپر دی گئی مثالوں میں زبر یا پیش کا استعمال صرف تحریر کی حدتک ہے کیوں کہ ان الفاظ کو بولنے میں درحقیقت ہم ان اعراب کی نمائندگی کرنے والے کسی بھی مصوّتے کاتلفظ نہیں کرتے ، یعنی ان مصوتوں میں صوتی تبدیلی رونما ہوجاتی ہے اور ان کا تلفظ خفیف (اے) اور خفیف (او) ہوتاہے ۔ چوں کہ یہ ذیلی مصوتے ہیں لہٰذا خفیف (اے) اور خفیف (او) کی صوتی تقسیم مندرجہ ذیل تفصیلات کے مطابق ہوتی ہے : خفیف (اے) مصوّتہ ہمیشہ ابتدائی اور درمیانی حالتوں میں / ہ / سے پہلے آتا ہے ۔ اگر یہ اپنے قریب ترمصوّتے / اے / سے تبدیل کر دیا جائے تو معنی میں کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا۔ یعنی خفیف (اے) اور / اَے / مصوّتوں میں کوئی فونیمی تضاد نہیں ہے ۔

اسی طرح درمیانی حالت میں بھی خفیف (اے) مصوّتہ / ہ / کے بعد آتا ہے اور اگر یہ اپنے قریب ترمصوّتے / اے / سے تبدیل کر دیا جائے تو معنی میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا۔ یعنی / ہ / کے بعد خفیف (اے) اور / اے / مصوّتوں میں کوئی فونیمی تضاد نہیں ہے ۔

خفیف مصوّتہ (او) ابتدائی اور درمیانی حالتوں میں / ہ / سے پہلے اور بعد میں آتا ہے اور اگر اسے طویل مصوّتے / او / سے تبدل کر دیا جائے تو معنی میں فرق نہیں ہوتا۔ یعنی خفیف (او) اور طویل / او / مصوّتوں میں کوئی فونیمی تضاد نہیں ہے ۔اس لیے خفیف (اے) اور خفیف (او) مصوّتی فونیم نہیں قرار دیے جاسکتے ۔ بلکہ (ا) خفیف (اے) مصوّتہ / ہ / کی آواز سے پہلے / اَے / کا ذیلی فونیم اور / ہ / کی آواز کے بعد / اے / کا ذیلی فونیم ہے ۔ اور اس خفیف (او) مصوّتہ / او / کا ذیلی فونیم ہے ۔

اردو کے انفی مصوّتی فونیم :

اُردو میں مصوّتوں کی انفیت کو فونیم کا درجہ حاصل ہے کیوں کہ غیر انفی اور انفی مصوّتوں کے اقلی جوڑے معنی کی تفریق میں مدد دیتے ہیں ۔ ان کی چند مثالیں حسب ذیل ہیں :-

غیر انفی مصوّتے انفی مصوّتے مثالیں

/ ای / / ایں / کہی۔ کہیں

/ اے / / ایں / لے ۔ لیں

/ اَے / / اَیں / ہیَ۔ ہیَں

/ اَ / / اَں / سَوار۔ سَنوار

/ اوُ / / اوُں / پوُچھ ۔ پوُنچھ

/ او / / اوں / گود۔ گوند

/ اَو / / اَوں / چَوک۔ چَونک

/ آ / / آں / کاٹا۔ کانٹا

اردو کے نیم مصوّتی فونیم :

اُردو میں صرف دو نیم مصوّتی فونیم ہیں جن کے اقلی جوڑے حسب ذیل ہیں ۔

/ و /.../ ی / وہاں یہاں

ہوا حَیا

اردو مصمتے :

اُردو میں مصمتی فونیم کی کل تعداد 37 ہے ۔ان میں اکیس مصمتے بندشی ہیں ۔یعنی ان کی ادائیگی میں باہر آتی ہوئی ہوا کسی مقام تلفظ پر لمحے بھر کو روکی جاتی ہے ۔ جب کہ ان میں تین کو انفی مصمتہ کہا جاتا ہے کیوں کہ ان کی ادائیگی میں ہوا انفی جوف سے باہر نکلتی ہے ۔اردو کے کل

مصمتوں میں سے " آٹھ " صفیری مصمتے ہیں کیوں کہ ان کی ادائیگی میں ہوا رگڑ کھاتی ہوئی باہر نکلتی ہے ۔ باقی آٹھ مصمتوں میں سے " ایک " پہلوئی، " ایک " لہردار، " دو " تھپک دار اور " دو " نیم مصوتے ہیں ۔ اس طرح اردو میں مستعمل مصمتی فونیم کی کل تعداد " 38 " ہو جاتی ہے ۔ نیچے دیے گئے اقلی جوڑوں کی مدد سے ان مصمتوں کو مصمتی فونیم کا درجہ دیا گیا ہے ۔نیچے دیے گئے ٹیبل میں اردو کے مصمتوں کو پیش کیا گیا ہے ۔

اردو مصمتے

مقام تلفظ - طریقہ

دو لبی

لب

د نتی

لثائی

معکوسی

تالوئی

شائی

لہاتی

حلقی

م

غ ہ

ب

د

ڈ

ج

گ

م

ہ

بھ

دھ

ڈھ

جھ

گھ

انفی

م

غ۔ہ

م

ن

صفیری

غ۔م

غ۔ہ

ف

س

ش

خ

م

غ ہ

ز
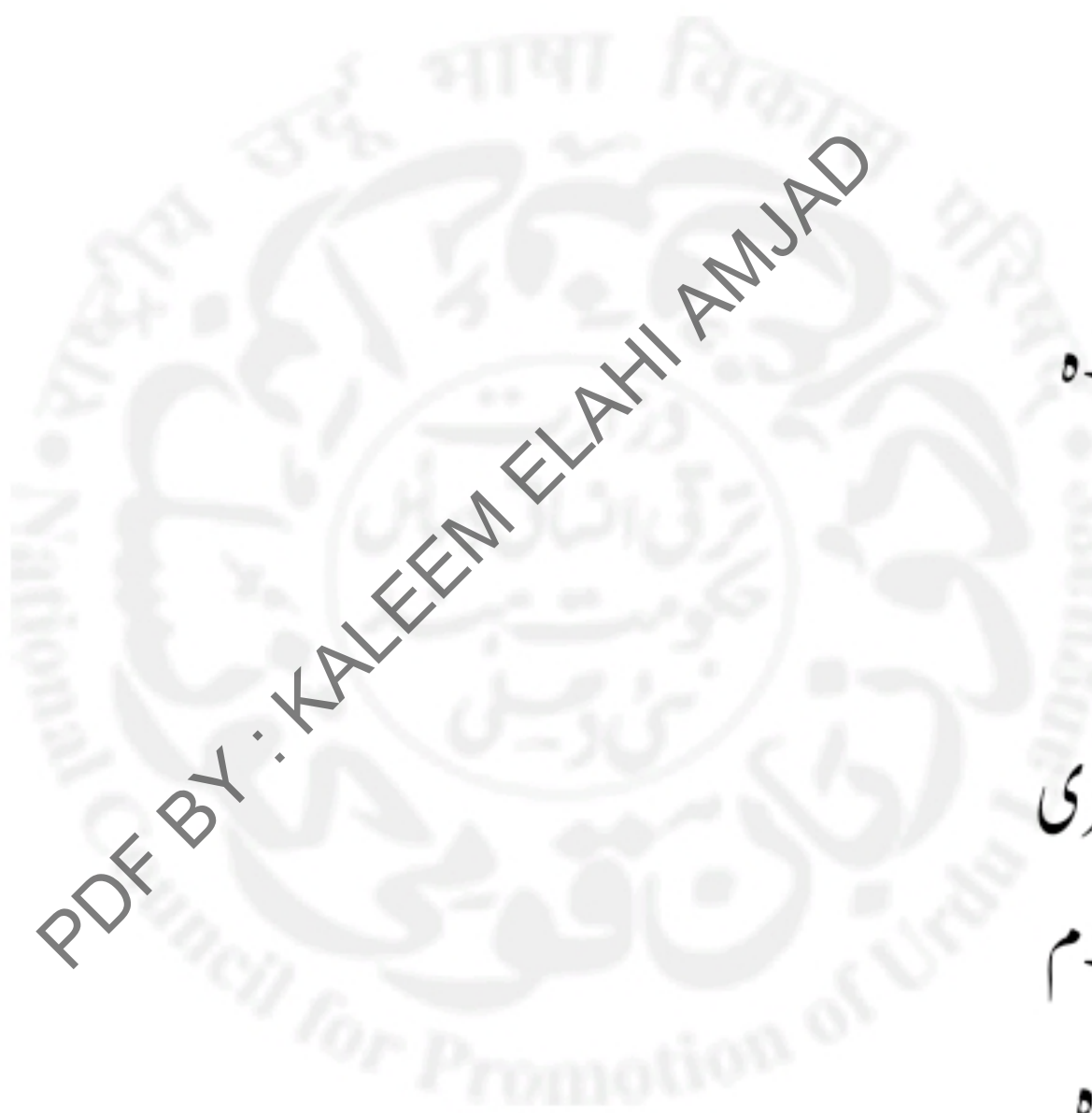
ژ
غ
ہ
پہلو ئی
م
غ ۔ہ
ل
لہر دار
م
غ۔ہ
ر
تھپکدار
م
غ۔ہ
ڑ
ہ
ڑھ
نیم مصوتہ
م
غ۔ہ
و
ی
م : مسموع

غ ۔ م۔ : غیر مسموع

ہ : ہکاری

غ۔ہ : غیر ہکاری

مصمتے اقلی جوڑے درمیانی اقلی جوڑے آخری اقلی جوڑے

/ پ / ۔ / ب / پال ... بال آپ ... آب

/ ت / ۔ / د / تال ... دال لات ... لاد

/ ٹ / ۔ / ڈ / ٹال ... ڈال کھٹ ... کھڈ

/ چ / ۔ / ج / چال ... جال بیچ ... بیج

/ ک / ۔ / گ / کال ... گال ناک ... ناگ

/ پ / ۔ / پھ / پل ... پھل پل پھول

/ ب / ۔ / بھ / بالو ... بھالو بولا بھولا

/ ت / ۔ / تھ / تن ... تھن بات ... ساتھ

تان تھان

/ د / ۔ / دھ / دان ... دھان

/ ٹ / ۔ / ٹھ / ٹکا ... ٹھیکا کاٹ ... کاٹھ

/ ڈ / ۔ / ڈھ / ڈال ... ڈھال

/ چ / ۔ / چھ / چال ... چھال چیل ، چھیل

/ ج / ۔ / جھ / جڑ جھڑ

/ ک / ۔ / کھ / کال ... کھال

/ گ / ۔ / گھ / گول ... گھول

/ ڈ / ۔ / ڑ / اُجڈ ... اُجڑ

/ ڑ / ۔ / ڑھ / پڑا ... پڑھا پڑ ... پڑھ

/ م / ۔ / ن / مار ... نار چوما ... چونا جام ... جان

/ ل / ـ / ر / لال ... رال سالا ... سارا چال ... چار

/ س / ـش / سال ... شال رسید ... رشید پاس ... پاش

/ ق / ـ / ک / قمر ... کمر مُکدّر ... مقدّر طاق ... تاک

/ ق / ـ / خ / قال ... خال بقیہ ... بخیہ شاق ... شاخ

/ ف / ـ / پھ / فن ... پھن

/ ز / ـ / ج / زنگ ... جنگ سزا ... سجا راز ... راج

/ خ / ـ / کھ / خار ... کھار سخی ... سکھی سیخ ... سیکھ

/ غ / ـ / گ / غل ... گل آغا ... آگا باغ ... باگ

/ خ / ـ / غ / خار ... غار

چند اقلی اور مماثل جوڑے :

ق / ک

ابتدائی اقلی جوڑے :

قمر کمر

قلب کلب

قاش کاش

قطب کتب

قدم کدم،

قال کال،

درمیانی اقلی جوڑے :

مقدّ ر مکدّر،

مقرّر مکّرر ،

نُقطہ نکتہ،

بقا بکا،

آخری اقلی جوڑے :

طاق تاک

ق / خ

ابتدائی اقلی جوڑے :

قمر خمر،

قد خد،

قطرہ خطرہ،

قسم خصم،

قلیل خلیل

درمیانی اقلی جوڑے :

بقیہ بخیہ

آخری اقلی جوڑے :

شاق شاخ

ابتدائی اقلی جوڑے ز(ذض ظ) /ج،

زنگ جنگ،

زینہ جینا،

ذلیل جلیل ،

زیب جیب،

ذال جال،

درمیانی اقلی جوڑے :

ازل اجل

بازی باجی

سزا سجا

نظم نجم

ہضم حجم

آخری اقلی جوڑے :

راز راج

گز گج

خ / کھ ۔

ابتدائی اقلی جوڑے :

خار کھار،

خان کھان،

خانہ کھانا،

خول کھول،

خیرہ کھیرہ،

درمیانی اقلی جوڑے :

سخی سکھی،

آخری اقلی جوڑے :

سیخ سیکھ

غ / گ

ابتدائی اقلی جوڑے :

غُل گل،

غول گول،

غلّہ گلّہ،

غالی گالی،

درمیانی اقلی جوڑے :

اردو میں رکن (Syllable):

آوازوں کے تجزیے کے لیے رُکن بہ طور اکائی کے استعمال ہوتا ہے۔ ہوا پھیپھڑوں سے لگا تار نہیں آتی بلکہ تقریباً پانچ بار فی سکنڈ کے حساب سے چھوٹی پھونکوں کی شکل میں منہ سے باہر اس طرح نکلتی ہے کہ سینے کے عضلات یکے بعد دیگرے سکڑتے اور پھیلتے رہتے ہیں۔ ان عضلات کی ہر تحریک کو صدی حرکت کہتے ہیں جو ایک رکن کی تشکیل میں معاون ہوتی ہے۔ایک اور نظریے کے مطابق ہر لفظ میں کچھ آوازیں دیگر آوازوں کے مقابلے میں زیادہ ممتاز ہوتی ہیں۔ شمشاد زیدی کا خیال ہے کہ اس طرح کسی لفظ میں رُکنوں کی تعداد منتہائی امتیاز کے مطابق ہی ہوتی ہے ۔ مثلاً لفظ ' ممتاز ' میں / اُ / اور / آ / آوازیں دوسری آوازوں / م / ، / ت / اور / ز / کے مقابلے میں زیادہ امتیازی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ مذکورہ مصوّتے / اُ / اور / آ / منتہائی امتیاز رکھتے ہیں۔ اس طرح اس لفظ میں ' مُم ' اور ' تاز ' دو رُکن ہیں او ر پورا لفظ دو صدی حرکتوں میں ادا ہوتا ہے ، ایسے الفاظ دو رکنی کہلاتے ہیں۔

ایک رکن کو مصوّتوں اور مصمتوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے ہر ایک رکن بالکل سیدھی باہر نکل جاتی ہے۔ اس لیے مصوّتہ رکن کا مرکز (ہ) کہلاتا ہے۔ مصمتے صدی حرکت کے ذریعے نکلنے والی ہوا کی یا تو ابتدا کرتے ہیں یا اختتام کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر اُردو لفظ ' تاج ' ایک رکن ہے جس میں / آ / مصوّتے کے ذریعے ہوا باہر نکلتی ہے۔ اس میں / ت / مصمّتہ پہلے ہوا کو روک کر چھوڑتا ہے ، اس لیے یہ نکاسی مصمّتہ کہلائے گا جب کہ رُکن کے آخر میں / ج / مصمّتہ ہوا کو روکتا ہے۔ اس لیے یہ ضبطی مصمّتہ کہلاتا ہے۔ کسی رُکن کے نکاسی مصمتے کو ' ابتدا ' ضبطی مصمتے کو ' اختتامیہ ' اور مصّوتے کو ' منتہا ' بھی کہتے ہیں۔

رُکن کے شروع یا آخر میں ایک سے زائد مصمتے بھی ممکن ہیں ۔ مثلاً لفظ ' پیار ' میں / پ / اور / ی / شروع میں اور لفظ ' فرض ' میں آخر میں / ر / اور / ض / مصمتے بغیر مصوّتے کے ایک ساتھ تلفظ ہوتے ہیں اور یہ دونوں لفظ ایک ایک رکن ہیں ۔ کچھ رُکنوں میں ضبطی مصمتّہ نہیں ہوتا۔ مثلاً لفظ ' جا ' ایک ایسا رکن ہے جس میں صرف ابتدا / ج / اور منتہا / آ / ہی ہیں ۔ کچھ رکنوں میں نکاسی مصمتّہ نہیں ہوتا۔ مثلاً لفظ ' آج ' ایک ایسا رُکن ہے جس میں صرف منتہا / آ / اور اختتامیہ / ج / ہی ہیں ۔ لیکن لفظ ' آ ' ایک ایسا رُکن بھی ہے جس میں صرف منتہاہی موجود ہے ۔ اس طرح منتہا کسی بھی رکن کا ایک ضروری عنصر ہوتا ہے ۔ بغیر منتہا کے کوئی رکن ممکن نہیں ہے جب کہ ابتدا یا اختتامیہ رکن کے لیے ضروری عنصر نہیں ہیں ۔

اردو کے دوہرے مصّوتے (Diphthongs):

دوہرا مصوّتہ کسی رُکن میں ایک ایسا مصوّتی خوشہ یا نیم مصّوتی خوشہ ہے ۔ جس میں زبان ایک مصوّتے سے دوہرے مصوّتے یا نیم مصوّتے کی طرف کیفیت تبدیل کرتی ہوئی بہت تیزی سے حرکت کرتی ہے ۔ اگر مصوّتی خوشہ اس طرح تلفظ ہو کہ دو رکنی Bisyllabic ہو جائے تو پھر اسے دوہرے مصوّتہ کا درجہ نہیں دیا جائے گا بلکہ اسے لازمی طورپر مصوّتی خوشہ Vowel Sequence مصوتی تسلسل مانا جائے گا۔ مصوّتی خوشے کے لیے ضروری نہیں کہ وہ دوہرا مصوّتہ ہو۔ شمشاد زیدی کا خیال ہے کہ ایسا مصوّتی خوشہ جو دوہرا مصوّتہ نہ ہو، مصوّتی تسلسل کہلاتا ہے ۔ دوہرے مصوّتے اور مصوّتی تسلسل میں نمایاں فرق یہ ہے کہ دوہرا مصوّتہ ایک صدی حرکت میں ادا ہوتا ہے ، اس لیے یہ یک رکنی ہے جب کہ مصوّتی تسلسل دو رکنی ہوتا ہے ۔

اقلی جوڑے :

/ اے / ۔ / اے / ' دیر دیر '

سیر سیر '

/ او / ۔ / او / ' دو ' ر دور

اردو میں دوہرا مصوّتہ فونیمی حثیت رکھتا ہے یا نہیں ، اس بارے میں مختلف نظریات ہیں اس بات پر بھی ماہرین لسانیات متفق نہیں ہیں کہ / اَے / اور / اَو / آوازوں کو مصوّتہ تسلیم کیا جائے گا یاکہ دوہرا مصوتہ۔ بہرحال جو بات اہم ہے وہ یہ کہ دوہرے مصو ّتے اور مصو ّتی تسلسل میں فرق کرنا چاہیئے ۔ اردو کے مصّوتی تسلسل کی تفصیل نیچے پیش کی گئی ہے ۔

اردو میں مصو ّتی تسلسل(Vowel Sequence) :

اگر الفاظ کی ابتدائی ، درمیانی یا آخری حالت میں ایک سے زیادہ مصو ّتے ایک ساتھ آئیں تو ان کو مصوتی تسلسل کہتے ہیں ۔ ذیل میں ایک چارٹ کے ذریعے اُردو میں پائے جانے والے عام مصوتی تسلسل دکھائے گئے ہیں جن کی وضاحت بعد میں مثالوں کے ذریعے کر دی گئی ہے ۔ چارٹ میں یہ) a (نشان تسلسل کے وقوع کے لیے استعمال کیا گیا ہے ۔ ان مثالوں سے اردو میں ان کے استعمال کا اندازہ ہو جاتا ہے ۔

پہلا رُکن + دوسرا رکن

اۃ

a

a

a

اُ

a

a

a

a

a

a

او

a

a

a

a

a

a

مثالیں : اے + ای ... تیئیس

اَ + اوٗ ... روٗف

اے + اوٗ ... جنیؤ

اَ + ای ... رَئیس کئی

اَ + اِ ... اَعِزّہ

اَ + اَ ... تَعجَب

اَ + آ ... م َآل مُدّ َعا

اَ + آ ... شُعوٗد

آ + ای ... آئین سائیس بھائی

آ + اِ ... عائشہ آرائِش معائِنہ

آ + اَ ... شجاعت

آ + اوٗ ... طاعوٗن

آ + او ... آوَ جاوَ

اوٗ + اوٗں ... چھوٗوٗں

اُ + ای ... مُعین سُئَ

اُ + اے ... ہُوئے

اُ + اَ ... شُعَرا

اُ + آ ... لُعاب دُعا

اُ + او ... پھوٗوا

اُ + ای ... کوئَ

او + اے ... سوئے

اوٗ + آ ... شُروٗعات

او + آ ... د وآبہ

او + اوٗں ... سووٗں

او + او ... روئو

او + ای ... سوٗئی

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ کسی لفظ میں جہاں مصوّتی تسلسل آتا ہے وہاں رُکن قطع ہوجاتا ہے مثلاً دعا دوصوت رکنی لفظ، ہے ۔ جس میں پہلا رُکن / دُ / اور دوسرا رُکن / آ / ہے ۔ لہٰذا دعا کے تلفظ میں ان دونوں رکن کے درمیان ایک وقفہ ہوتا ہے ۔

مصّمتی خوشے ((ConsonantalCluster:

جب الفاظ کے شروع یا آخر میں دو یاد و سے زائد مصمتے ایک ساتھ اس طرح تلفظ ہوتے ہیں کہ ان کے درمیان کوئی مصوّتہ نہیں بولا جاتا تو ایسی مثالوں کو مصّمتی خوشے کہتے ہیں ۔ اُردو میں مصمّتی خوشے لفظ کے

شروع، درمیان اور آخر میں استعمال ہوتے ہیں ۔ شمشاد زیدی کے نیچے دیے گئے چارٹ پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے مصمتی خوشوں کا وقوع معلوم ہوجاتاہے اور اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اردو الفاظ کے تلفظ میں اردو کے مصمتی خوشے کتنی اہمیت رکھتے ہیں ۔

ابتدائی مصمتی خوشے :

اردو میں ابتدائی مصمتی خوشوں کی تعداد محدود ہے ۔اردو میں ابتدائی مصمتی خوشوں کا استعمال بالعموم نیم مصوتوں کے ساتھ ہوتا ہے ،لیکن اردو میں مستعمل بعض انگریزی الفاظ میں ابتدائی مصمتی خوشے دوسرے مصمتوں کے ساتھ بھی استعمال ہوتے ہیں ۔ مثلاً :

پلیٹ پریم

بلیڈ بریڈ

ٹرک ڈرائیور

فریم ٹرین

اُردو میں ابتدائی مصمتی خوشوں میں بالعموم جن آوازوں کا جوڑا ملتا ہے ان کی تفصیل نیچے پیش کی گئی ہے ۔

دولبی بندشیے + پہلوئی ارتعاشی ب + ل

معکوسی + ارتعاشی ، ٹ + ر

لب دنتی صفیری + ارتعاشی آواز ف + ر

گویا اردو میں ابتدائی مصمتی خوشوں میں مندرجہ بالا آوازوں کے جوڑے دستیاب ہیں ، لیکن ان میں اکثریت ایسے الفاظ کی ہوتی ہے جن میں ابتدائی مصمتی خوشے کی دوسری آواز نیم مصوتہ ہوتی ہے ۔ مثلاً :

پیار ، پیاس ، پیاز ، پیام،

ذیل میں ایسے خوشوں کی مثالیں درج ہیں جن میں مصمتے اور نیم مصو

تے ایک ساتھ ابتدا اور آخر میں تلفظ ہوتے ہیں۔مثالیں :

ابتدا۔ پیار، بیاہ، کیا، گیارہ

آخر۔ محو، سَرد، عضو، لَغو

ان مثالوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اردو میں آخری مصمتی خوشوں کی تعداد ابتدائی خوشوں کے مقابلے میں زیادہ ہے ۔ عام طور سے انگریزی یا ہندی کے مستعار الفاظ نے ابتدائی مصمتی خوشوں میں اضافہ کر دیا ہے ۔ حالاں کہ اردو میں ان خوشوں کے تلفظ میں نمایاں فرق نظر آتاہے اور بعض اوقات ان خوشوں کو توڑ دیا جاتا ہے ۔ مثلاً : سکول، لفظ کو اِسکول ، بولتے ہیں ۔ اردو میں سنسکرت الفاظ کے ابتدائی مصمتی خوشے بھی توڑدیے جاتے ہیں مثلاً : برہمن، لفظ کو بَرَہمن، تلفظ کرتے ہیں ۔ عربی و فارسی کے مستعار الفاظ کے آخری مصمتی خوشوں میں بھی خوشوں کو توڑ دینے کا رجحان عام ہے ۔ مثلاً : ۔ دَخل، کو دَخَل ، اور نَرم کو نَرَم ، بولتے ہیں ۔

بعض اوقات لوگ کچھ الفاظ میں مماثلت کی بنا پر آخری مصمتی خوشے تلفظ کرتے ہیں ۔ مثلاً لفظ، مَرَض ، کومرض بولنا غلط ہے ، لیکن عربی فارسی الفاظ کی ایک بڑی تعداد میں اردو آخری مصمتی خوشوں کو برقرار رکھتی ہے ۔

درمیانی مصمتی خوشے :

اردو کے درمیانی مصمتی خوشوں میں بالعموم رکنی تسلسل نہیں ملتا یعنی ان مصمتی خوشوں میں ایک آواز ایک رکن میں ہوتی ہے تو دوسری آواز دوسرے رکن میں لہٰذا ان مصمتی خوشوں میں تلفظ کی کوئی دشواری پیدا نہیں ہوتی۔ مثلاً :

سردی زردی ہلدی

نیچے اردو میں مستعمل درمیانی مصمتی خوشوں کی تفصیل پیش کی گئ ہے

جس سے ان مصمتی خوشوں کے جوڑے کا بہ خوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔

(پ) گُپتا، چپٹا، توپچی، چپکا، اپنا، گھپلا، اپریل، کپڑا، اپسرا

(ب) آبپاشی، پھبتی ، ابٹن، اُبکائی ، طبقہ، چینی، آبلہ، ابرق، کُبڑا، سبزی، حبشی، ہوا، ڈبیا۔

(ت) رُتبہ، ستگرو، کتّھا، پت جھڑ، آتما، کتنا، پتلا، کترن، انتڑی، متوالا، کُتیا۔

(د) پھُدنا ،لگدی ، بادشاہ، لدوا، بندیا۔

(ٹ) ہٹنا، مٹکا، گٹھّا، اٹکھل، کٹ گھرا، کٹنی، پوٹلی ، پٹری، پلٹس، کٹھل، پیٹوا، کٹیا

(ڈ) مونڈنا، بڈھّا، اڈلی، کھنڈ ہر، رنڈوا، ہنڈیا،

(چ) بچپن، بچتا، ہچکی، اچھّا، کچنار، نچلا، کچرا، کھچڑی، کیچوا، کُچیا۔

(ج) راجپوت، سجتا، سجدہ، آجکل، اجگر، اجمیری، سجنا، کھجلی، گجرا، پنجرہ، اجوائن

(ک) لڑکپن، اکبر، مکتب، نکٹا، رکھّا، تکمیل، تاکنا، چکلہ، بکرا، ٹکڑا، اکسانا، رکشہ، پکوان، تکیہ

(گ) ناگپور، بھگتا، نگدر، رونگٹا، باگ ڈور، دیگچی، ناگھنی، لگ بھگ، ماگدھی، مگھّا، جگمگ، دگنا، نگلا، نگری، نگڑا، لگوا، انگیا۔

(ق) رقیہ، مقتول، نقد، مقناطیس، نقلی، نقرئی، لقوا، بقیہ۔

(بھ) چبھتا، چُبھنا، اُبھرا، چبھوانا

(تھ) ہتھکڑی، اتھلا، ہتھنی، ہاتھرس، لوتھڑا، متھوانا، کتھیا۔

(دھ) باندھنا، چندلانا، چودھری ، اُدھڑا، بُدھوان، بدھیا۔

(ٹھ) بیٹھتا، بیٹھنا، اِٹھلانا، گھٹری، اُٹھوانا، گٹھیا۔

(جھ) مانجھتا، مانجھنا، منجھلا، منجھوانا۔

(کھ) چکھتا، چکھنا، اوکھلی، اکھرا، اکھڑا، رکھوانا، ٹکھیا۔

(گھ) اونگھنا، سونگھنا، پگھلا، بگھرا۔

(م) چمچا، کھمبا، ممتا، نمدا، چمڈا، چمچا، امجد، چمکا، چمگادڑ، گمبھیر، چومنا، املی، امرت، چمڑا، کمن، رمضان، شمشاد، کمخواب، تمغہ، کمہار، چموانا، کامیاب

(ن) کنپٹی، کنبہ، گنتی، کُندا، جھنڈا، غنچہ، گنجا، تنکا، بھنگا، تنقید، کندھا، کنٹھی، چنری، انفی، بنسی، خنزیر، منشا، تنخواہ ، تنہا، چنوانا۔

(ل) کلپنا، ملبہ، پالتو، جلدی، الٹا، ڈالڈا، لالچی، چھلکا، سُلگانا، حلقہ، تلچھٹ، سُلجھانا، کلمہ، پلنا، کالرا، پلڑا، قلفی، آلسی، الزام، گلشن، تلخی، شلغم، دُلہن، تلوار، دلیا۔

(ر) کھرپا، چربی، کرتا، مُردہ، مِرچا، ہرجہ، سِرکا، مِرگی، برُقع، ارتھی، کرچھا، برکھا، کرگھا، گرمی، ورنہ، مرلی، برفی، کرُسی، عرضی، ترشی، سُرخی، مُرغی، کاروائی ، کرپا۔

(ڑ) تڑپا، دڑبا، پڑتا، اڑچن، لڑکا، اڑنا، کُڑوا، پڑیا،

(ڑھ) بڑھتی، چڑھنا، چڑھوانا، بُڑھیا،

(ف) افزا، افشاں ، افغان، افواہ، صفیہ۔

(ز) جذبہ، مزدور، مذکور، بدمزگی، لازمی، بے عزتی، نزلا، غدر، مذہب، رضوان، رضیہ۔

(ش) تشبیہ، ناشپاتی، معاشرہ، خوشخبری، مشغول، خوشحال، رشوت، اشیا

(ژ) اژدہا، مژگاں ،پژمردہ

(خ) اخبار، فاختہ، فراخدل، زخمی، ٹخنا، داخلہ، نخرا، مخفی، رخصت، اخضر، بخش، استخواں ، بختہ

(غ) رغبت، چغتائی، بغداد، نغمہ، داغنا، چغلی، مغرور، مغفرت، لغزش،

اغوا، اغیار

(ہ) شہر، مہتر، مہدی، لہجہ، مہکا، مہنگا، قہقہہ، احمق، کہنی، پہلا، چہرہ، محفل، محشر، تہذیب، وحشی، احوال، احیا۔

(و) باولا، محاورہ، معاوضہ، معاویہ

مندرجہ بالامثالوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُردو صوتیہ 'پھ' کے علاوہ، باقی سبھی مصمتوں کے درمیان تسلسل ملتے ہیں۔

آخری مصمتی خوشے:

وہ مصمتی خوشے جو لفظ کے آخر میں آتے ہیں آخری مصمتی خوشے کہلاتے ہیں۔ اردو میں مستعمل آخری مصمتی خوشوں کی ایک طویل فہرست ہے۔ نیچے اردو کے آخری مصمتی خوشوں کی چند مثالیں دی جا رہی ہیں۔ چارٹ میں آخری مصمتی خوشوں کو (Final) سے ظاہر کیاگیا ہے۔ ذیل میں ان کی مثالیں درج ہیں:

(پ) گپت ٹاپس

(ب) ضبط قبل قبر جنس نبض

(ت) نطق بطن قتل عطر لُطف

(د) قدر صدر

(ٹ) نوٹس

(ج) وَجد اَجر عِجز

(ک) حکم رُکن شکل شُکر عکس

(ق) وقت، عقد رقم عقل وَقف نقص نقش

(م) کیمپ سِمت حَمد ضِمن عُمر لَمس رَمز

(ن) چند چِنٹ ٹھنڈ اِنچ رَنج کَنٹھ ہَنس طَنز

(ل) بلب خِلط رِزلٹ فیلڈ سِلک خَلل فلم

زُلف تلخ

(ر) ضَرب پَرت مَرد چارٹ مرچ حَرج ترَک

مَرگ غَرق نَرم ہارن صَرف نَرس فرَس

تُرش سرُخ مُرغ

(ف) مُفت حُسن قُفل کفر نفس حِفظ

(س) دلچسپ حسب مست فصد لِسٹ نسق اِسم

حُسن اَصل نثر نصف مَسخ

(ز) جذب رزق جزم عزل عُذر

(ش) گوشت اَشک مشق چشم جَشن حشر

(خ) سَخت زَخم وخل فخر شَخص اَخذ بخش

(غ) مَغز بغز

(ہ) دہن ذہن قہر

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ مندرجہ بالا مثالوں میں ہم صوت حروف کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی گئی ہے۔یعنی 'س' کے ساتھ 'ث' اور 'ص' کی بھی مثالیں درج ہیں۔

مشدّد (Gemination):

جب ایک ہی مصمّتہ دوبار بولا جائے تو اسے مشد د کہتے ہیں۔ شمشاد زیدی کا خیال ہے کہ اُردو میں مشدّد مصّمتے عام طور سے خفیف مصوّتوں کے بعد درمیانی حالت میں آتے ہیں۔ یہاں مشدّد کو تشدید Gemination سے ظاہر کیا گیاہے۔ مثالیں : تھپّڑ، ڈبّا، اطّلاع، بھدّا، بھٹّا، اڈّا، بچّہ، چھجّا، اِکّہ، رقّاصہ، چمّہ، گنّا، ملّاح، کرّا، تشفّی، رسّا، مشّاطہ، عزّت، اَخّاہ، مُرغّن، قہّار، کوّا، عیّاش، اُردو میں ہکاری اور تھپکی دار مصمتوں کو چھوڑ کر عام طور پر سبھی مصمتے اور نیم مصوتے مشدّد ہوتے ہیں۔

فوق قطعی فونیم (Supra Segmental Phonemes):

مصوّتے، مصمتے اور نیم مصوّتے قطعی فونیم کہلاتے ہیں کیوں کہ یہ لفظوں میں معنوی تبدیلی پیدا کر دیتے ہیں۔اسی طرح زبان میں سُر، لہر اور اتصال وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جن سے معنی تبدیل ہو جاتے ہیں لیکن ان کی اپنی کوئی حیثیت نہیں ہوتی لہٰذا ان کو فوق قطعی فونیم کہا جاتا ہے۔

اتصال (Juncture):

بعض اوقات لفظوں کی ادائیگی میں تھوڑا سا وقفہ دے دیا جائے تو ایک معنی اور اگر وقفہ نہ دیا جائے تو دوسرے معنی نکلتے ہیں۔ مثلاً: دوا پی لی ہے۔ جملے میں دو الفاظ 'پی'، 'لی' کے بیچ تھوڑا وقفہ دے کر بولا جائے تو یہ مرکّب فعل ہے۔ اگر دونوں کو ایک ساتھ بولا جائے تو یہ لفظ پیلی یعنی رنگ کا معنی دیتا ہے۔ اردو میں آوازوں کی طرح کیوں کہ اتصال بھی معنی کی تفریق میں مدد دیتا ہے۔ اس لیے یہ بھی ایک فونیم ہے۔

دیگر مثالیں:

تم ہارے / تمھارے

تم ہاری / تمھاری

کال کا شہر / کالکا شہر

پی لی / پیلی

بہہ رام / بہرام

موت کے سیل میں گیا بہہ رام / بہرام

ظالم تری برچھی نے کتنوں کے بر چھینے / برچھینے

سُر لہر:

ہر لفظ یا جملے کو ہم مختلف سُروں سے ادا کرتے ہیں۔ بعض اوقات ایک ہی لفظ یا جملے کو مختلف سُروں سے ادا کرنے میں مختلف معنی نکلتے ہیں

جن میں تفریق ہم صرف سُن کر ہی کر سکتے ہیں یا پھر سائنسی آلات کے ذریعے ممکن ہے۔ عام طور سے مختلف سرُوں کو ظاہر کرنے کے لیے 1,2,3 نمبر لگا کر سُر لہر کی تبدیلی سے معنی تبدیل ہو جاتے ہیں۔ شمشاد زیدی کا خیال ہے کہ اُردو میں یہ تبدیلی صرف جملوں ہی میں پائی جاتی ہے ۔مثال کے طور پر ذیل میں ایک جملہ تین بار لکھا گیا ہے۔ بہ ظاہر ہر جملہ ایک جیسا ہے لیکن مختلف الفاظ پر مختلف سرُوں کے نمبر لگا دینے سے ہر بار بولے گئے جملے کا مفہوم بدل جاتا ہے۔

جملے : کیا تم سیب کاٹ کر کھا رہے ہو

کیا تم سیب کاٹ کر کھا رہے ہو

کیا تم سیب کاٹ کر کھا رہے ہو

بولنے والا ان جملوں میں کسی ایک پر زیادہ زور دے رہا ہو تو معنی میں فرق لازمی ہے۔ یعنی پہلے جملے میں لفظ ’کاٹ کر‘ پر دوسرے میں لفظ ’سیب‘ پر اور تیسرے میں لفظ ’تم‘ پر زیادہ زور دینے سے ہر بار جملے کا مفہوم بدل جاتا ہے۔ اس طرح ان جملوں میں سُر لہریں معنی کی تفریق میں مدد دے رہی ہیں۔ اس لیے اُنہیں بھی فونیم کا درجہ حاصل ہے۔

باب کا خلاصہ :

☆ اُردو میں / ہ / کو ملا کر کل) 37 (مصمتی فونیم ملتے ہیں۔

☆ / ڑ / اور / ڈھ / فونیم کے اقلی جوڑے ابتدائی حالت میں نہیں ملتے۔ اس لیے ان کے اقلی جوڑے صرف درمیانی اور آخری حالت میں ہی درج کیے گئے ہیں۔

☆ لفظ کے آخر میں (ڈھ) کی جگہ (ڑھ) معیاری ہے۔ مثلاً : علی گڑھ، اعظم گڑھ وغیرہ۔ کچھ الفاظ جن میں (ڈھ) اور (ڈ) بولا جاتا ہے وہاں (ڑھ) اور (ڑ) کا بھی تلفظ ہوتا ہے۔ مثلاً : بڈّھا۔ بوڑھا، گڈّھا یا

گڑھا، ٹھاڑی یا تھوڑی۔

☆ / م / اور / ن / انفی اپنے بعد میں آنے والے کچھ بندشیوں سے ہم مخرج ہو سکتے ہیں اس طرح / م / کی آواز دولبی / پ / آوازوں سے پہلے ہم مخرج ہوتی ہے ۔ مثلاً : چمپااور دنبہ، انبوہ وغیرہ۔کچھ الفاظ کے لکھنے میں 'ب' حرف سے پہلے 'ن' کے استعمال سے شک ہو سکتا ہے کہ 'ن' بول رہے ہیں ۔ دراصل ہم 'ن' لکھتے تو ہیں لیکن 'م' تلفظ کرتے ہیں ۔ مثلاً انبالہ، سنبھل، انبار جیسے کچھ الفاظ میں ، 'م' کی آواز ہی بولی جاتی ہے ۔

☆ / ن / کے تین ذیلی فونیم (تن ('n') ٹن 'n') اور (چن) ہیں ۔یعنی (تن) ذیلی فونیم دنتی بندشیوں / ت / ، / د / دھ / سے پہلے ہم مخرج ہو سکتاہے ۔ مثلاً : سنت،چند، گرنتھ اور بندھ، باندھ وغیرہ (ٹن) معکوسی بندشیوں / ٹ / ، / ڈ / ،ٹھ / اور / ڈھ / سے پہلے مثلاً انڈا، جھنڈا۔ وغیرہ ہم مخرج تالوئی بندشیوں / چ / ، / ج / ،چھ / اور / جھ / سے پہلے ہم مخرج ہو سکتا ہے ۔ مثلاً : اِنچ،کنج اور بانجھ وغیرہ اسی طرح (ن) غشائی بندشیوں / ک / / گ / کھ / اور / گھ / سے پہلے ہم مخرج ہوسکتاہے ۔ مثلاًڈنکا، بھنگی، پنکھا اور کنگھا۔ اس طرح کل ملاکر اردو میں / ن / کے چار ذیلی فونیم پائے جاتے ہیں ۔ یہ چاروں ذیلی فونیم تقسیم میں ہیں یعنی ایک کی جگہ دوسری آواز نہیں استعمال ہوسکتی۔چند ماہرین لسانیات / ن / کو غشائی انفی مسموع مصمّی فونیم تسلیم کرتے ہیں ۔

☆ اُردو میں پانچ آوازیں / ق / ، / ف / ، / ز / ، / خ / اور / غ / عربی فارسی سے مستعار الفاظ میں استعمال ہوتی ہیں ۔ / ز / اور / ف / آوازیں انگریزی سے مستعار لفظوں میں بھی مستعمل ہیں ۔ کچھ لوگ / ق / کو / ک / اور / خ / سے ، / ف / کو / پھ / سے ، / ز / کو /

ج / سے ، / خ / کو / کھ / سے اور / غ / کو / گ / سے تلفظ کرتے ہیں ۔ چوں کہ ان آوازوں اور تبدیل ہو جانے والی آوازوں کے اقلی جوڑے معنی کی تفریق میں مدد دیتے ہیں اس لیے / ق / ،ف / ، / ز / ، / خ / اور / غ / مصمّوں کو فونیم کا درجہ حاصل ہے ۔

☆ اُردو میں (ژ) کی آواز چند فارسی اور انگریزی کے مستعارالفاظ تک ہی محدود ہے ۔ مثلاً : ژال، پژمردہ، وغیرہ۔ اگر ان الفاظ میں (ژ) کی آواز کو / ز / سے بولا جائے ، جیسا کہ عام طور پر ہوتاہے ، تومعنی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی اور چوں کہ (ژ) اور / ز / آوازوں کا کوئی اقلی جوڑا بھی دستیاب نہیں ہے اس لیے (ژ) کو صرف تحدید فونیم مانا جا سکتاہے ۔ بین الاقوامی صوتی رسم خط کے مطابق ذیلی فونیم کو / zh / میں اور فونیم کو / z / میں لکھتے ہیں تاکہ ایک دوسرے سے فرق کیا جاسکے ۔

چوتھا باب

اردو حروف تہجّی

دنیا کی تمام زبانوں کے رسم الخط کی بنیاد لکیر ، دائرہ مثلث اور مربع پر ہوتی ہے ۔ ان میں ترمیم و اضافے سے حروف اپنی نئی شکل اختیار کرتے ہیں ۔ ایک عام خیال یہ ہے کہ اردو حروف تہجّی میں اکثریت ان حروف کی ہے جن کی بنیاد دائروں پر مشتمل ہے مثلاً ج، چ،خ، د، ڈ، ذ، س، ش، ص، ض، ع، غ، ق، ن، وہ حروف ہیں جن کی بنیاد ی شکل دائروں سے اخذ کی گئی ہے ۔ جب کہ ا، ب، پ، ت، ٹ اور ث نے اپنی بنیادی شکل لکیروں سے حاصل کی ہے۔اردو کے صوتی مزاج کے لیے چوں کہ فارسی رسم الخط ناکافی تھا لہٰذا اس نے مقامی آوازوں کے لیے چند معکوسی حروف مثلاً ٹ، ڈ، ڑ اور بعض ہکاری آواز مثلاً بھ ، پھ، تھ، جھ، چھ، دھ ، ڈھ، رھ، ڑھ، کھ، گھ، لھ، مھ اور نھ کا اضافہ کیا۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حروف کا حذف و اضافہ ایک اجتماعی عمل ہے جو افراد اور معاشرے کی رضامندی سے رواج پاتاہے ۔ اس حذف و اضافے کے بعد اُردو میں حروف کی کل تعداد 37 ہے ان کے علاوہ کچھ اعراب وعلامات بھی استعمال ہوتے ہیں ۔ اردوکے زیادہ تر حروف عربی و فارسی سے ماخوذ ہیں ۔یہ حروف دائیں سے بائیں جانب ایک دوسرے سے جوڑ کر یا علاحدہ علاحدہ لکھے جاتے ہیں ۔ جب یہ ایک دوسرے سے جڑے ہوتے ہیں تو ان کی شکلیں بدل جاتی ہیں ، لیکن ان کی آواز میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ شمشاد زیدی کا خیال ہے کہ حروف کی یہ تبدیل شدہ شکلیں ذیلی ترسیم کہلاتی ہیں ۔ اس طرح اردو رسم خط ایک قسم کی مختصر نویسی ہے جس میں الفاظ نہ

صرف کم جگہ گھیرتے ہیں بلکہ لکھنے میں نسبتاً وقت بھی کم صرف ہوتا ہے۔
اردو حروف کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ زیادہ تر حروف ہم شکل ہوتے ہیں اور محض نقطوں کے اوپر نیچے لگانے یا نہ لگانے سے حروف میں فرق کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً : د ، ر ، ح یا ب وغیرہ جیسی شکلوں میں نقطے ہی حروف میں تفریق کرتے ہیں ۔اس لیے رسم خط سکھانے کے لیے اُردو حروف کی درجہ بندی ، ہم شکل حروف اور ان کے ذیلی ترسیم کے مطابق کی جاسکتی ہے۔ 1ـ

اس طرح سبھی حروف کو بہ یک وقت پیش کرنے کے بجائے حروف کی درجہ بندی کے مطابق ہی ان کی تدریس کی جانی چاہئے۔

حروف کی درجہ بندی :

زیادہ ترحروف کو ان کی شکلوں کی یکسانیت کے مطابق مختلف گروپ میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً : د، گروپ میں (د ڈ ذ)، 'ر' گروپ میں (ر ڑزژ) ، 'ح' گروپ میں (ج چ ح خ)'س' گروپ میں (س ش ص ض) ، 'ب' گروپ میں (ب پ ت ٹ ث)اور باقی گروپ ق، ل م ع غ، ک گ ، ن ی ے ، ط ظ، اور ھ کے ہو سکتے ہیں ۔ اردو حروف مندرجہ ذیل اصولوں کے تحت ایک دوسرے سے ملاکر لکھے جاتے ہیں ۔

☆ 'ا' اور 'و' اپنے بعد میں آنے والے کسی حروف سے جڑتے ہیں تو اپنی شکل نہیں تبدیل کرتے۔ مثلاً : آواز، دوا، جا، جو۔

☆ 'د' اور 'ر' گروپ کے حروف بھی اپنے بعد آنے والے کسی حروف کے ساتھ نہیں جُڑتے لیکن ان سے پہلے جب کوئی حرف جُڑتا ہے ، تو یہ اپنی شکلیں تبدیل کردیتے ہیں ۔ مثلاً (د) حد اور (ـر) جڑ۔

☆ 'ح' 'س' گروپ کے حروف اور ل، م، ف، ق حروف جب جڑتے ہیں تو ان کی صرف ابتدائی اور درمیانی حالتوں میں ہی ذیلی ترسیم

ہوتی ہیں ۔ مثلاً (: خدا)، (سوا)، (مار)، (لاش)، (و) اور (وَ)۔

1۔ شمشاد زیدی۔ اردو کا لسانی تجزیہ

☆ 'ک' اور 'گ' حروف کی دو ذیلی ترسیم ہوتی ہیں ۔ (کب) (کل) ذیلی ترسیم باقی تمام حروف سے پہلے تحریر میں آتا ہے ۔ مثلاً : کان ، کل، کم۔

☆ 'ب' گروپ اور ن،ی،ے حروف کے تین ذیلی ترسیم ہیں ۔ تینوں ذیلی ترسیم تکمیلی تقسیم میں ہوتے ہیں ۔ یعنی ایک کی جگہ دوسرا ذیلی ترسیم نہیں استعمال ہوتاہے ، کیوں کہ یہ تینوں اپنے بعد میں آنے والے حروف کے مطابق ہی تحریر ہوتے ہیں ۔ مثلاً (بج) ذیلی ترسیم 'ح' گروپ کے حروف، 'ہ' اور 'ھ' کے ساتھ آتا ہے ۔ ') بو' والی) ذیلی ترسیم و، ف، ق، ع، غ، ط، ظ، ی، ے، س، ش، ص اور ض کے ساتھ استعمال ہوتا ہے ۔ باقی تمام حروف کے ساتھ (بم والی) ذیلی ترسیم استعمال ہوتا ہے ۔ جیسے :

بج، بہہ، بھ

بو، بف، بق، بغ، بط، بی، بے، بس، بض

با، بد، بر، بت، بل، بک۔

☆ 'د' اور 'ر' گروپ ک علاوہ مذکورہ سبھی حروف جب لفظ کے آخر میں آتے ہیں تو ان کی شکل تبدیل نہیں ہوتی۔ مثلاً : بج، بس، بص، بل، بم، بف، بک، بت، بن، بی، بے ۔

☆ 'ع' اور 'غ' ابتدائی، درمیانی اور آخری تینوں حالتوں میں مختلف ذیلی ترسیم رکھتے ہیں ۔ مثلاً : ابتدائی (عا)، درمیانی (بعا) اورر لفظ کے آخر میں (شمع) غم، بعد، تیغ۔

☆ 'ہ' کے چار ذیلی ترسیم ہیں ۔ مثلاً (ہہ) ابتدائی حالت میں و، ح،

س، ص، ف، اور م حروف سے پہلے اور باقی حروف سے اور لفظ کے آخرمیں (ہ) ذیلی ترسیم استعمال ہوتا ہے ۔ مثلاً :

(1) ہو، ہج، ہنس، ہص، ہف، ہم

(2) ہا، ہد، ہر، ہل، ہک، ہٹ، ہن، ہے ، ہی

(3) بہار

(4) کہ

☆ ط ظ اور 'ھ' حروف کسی بھی حالت میں اپنی شکلیں نہیں تبدیل کرتے ہیں ۔ مثلاً طا، خطا، بھا، وغیرہ۔

☆ جوبات تمام حروف میں مشترک ہے وہ یہ ہے کہ اُردو کے سبھی حروف جب تنہا لکھے جاتے ہیں تو ان کی شکلیں تبدیل نہیں ہوتیں ۔

اعراب :

زبر، زیر اور پیش بالترتیب خفیف مصوتوں / آ / ، / اِ / اُ / کے لیے استعمال ہوتے ہیں ۔

مد(آ :)

صرف الف پر ابتدائی حالت میں / آ / مصوّتے کے لیے استعمال ہوتاہے ۔ درمیانی اور آخری حالتوں میں الف بغیر مد کے / آ / مصوّتے کی آواز دیتاہے ، لیکن چند عربی الفاظ جیسے ق رآن، مآخذ، مآل اور مآب وغیرہ میں الف پر درمیانی حالت میں بھی مدلگا دیا جاتاہے ، یہ الفاظ دورکنی ہیں ۔ یعنی قُر + آن اِس لیے دوسرے رکن کی ابتدائی حالت میں الف پر م دآیا ہے ، لیکن اردو میں ایسی مثالیں کم نظر آتی ہیں ۔عام طور سے مد کا استعمال لفظ کے شروع میں ہوتاہے ۔

جزم (^ :)

جزم کا استعمال اردو میں عام طورپر مصمّتی خوشوں کے لیے ہوتاہے ۔

مثلاً لفظ 'بخت' میں / خ / اور / ت / کے درمیان کوئی مصوّتہ نہیں بولا جاتا ہے ، اس لیے یہاں جزم لگائی جانی چاہیے ۔ گویا جزم مصمتی خوشوں کی نشان دہی کرتا ہے ۔

تشدید(ّ :)

یہ صرف ان مصمتوں اور نیم مصوّتوں کے اوپر لگائی جاتی ہے جن کو دو دفعہ بولا جاتا ہے ۔ مثلاً لفظ 'کتّا' اور 'عیّار' میں / ت / اور / ی / کی آواز دو دفعہ تلفظ ہو رہی ہے اس لیے ان آوازوں کی نمائندگی کرنے والے حروف پر تشدید لگا دی گئی ہے ۔

ہمزہ (ء :)

اُردو میں ہمزہ حرف نہیں ہے بلکہ ایک ایسی علامت ہے جو لفظ میں مصوتی تسلسل کو ظاہر کرتا ہے ۔ عربی میں یہ مصوّتہ بھی ہے اور مصمّتہ بھی۔ لیکن اردو میں ہمزہ صرف وہاں لگایا جاتاہے جہاں مصوّتی تسلسل ملتا ہے ۔ یعنی جب دو مصوّتے ایک ساتھ ہوتے ہیں تو آخری مصوتے 'و'، 'ی' اور 'ے' پر ہمزہ لگادیتے ہیں ۔ مثلاً گئی، گئے ،گئو، گائی، گائے ، گاؤ اور کماؤ وغیرہ۔ جب کہ عربی الفاظ میں مصوتی تسلسل کے بغیر بھی ہمزہ استعمال کیاجاتاہے ۔ مثلاً : مؤنث اور جرأت۔ شمشاد زیدی کا خیال ہے کہ بعض عربی الفاظ کی جمع کے بعد بھی ہمزہ لگا دیاجاتاہے ۔ ایسے الفاظ میں بھی کوئی مصوتی تسلسل نہیں ہوتا بلکہ یہ محض رسماً سہی مروّج ہے ۔ مثلاً : اُمرا، شعرا، وغیرہ اب اس کا رواج دن بدن کم ہوتا جا رہا ہے ۔ اردو میں کچھ مخصوص مستعار عربی الفاظ کے ساتھ ہمزے کی علامت لفظ کے آخر میں مستعمل ہے ۔

تنوین (ً :)

اردو کے بعض ایسے الفاظ میں جو عربی اور فارسی سے آئے ہیں ان

کے آخری حرف ' الف ' پر دو زبر لگانے سے ' نون ' کی آواز نکلتی ہے ۔ جیسے لفظ مثلاً میں اس لفظ کا تلفظ مثلاً کے بجائے ' مثلَنْ، ہوتا ہے ۔ دیگر مثالیں : فوراً، نسبتاً، عموماً وغیرہ۔ ہائے ملفوظی پر ختم ہونے والے الفاظ میں ' ت ' درلاحقہ کر دیتے ہیں ۔ جیسے اشارہ، اشارتاً، ارادتاً وغیرہ۔

کھڑا زبر (ٰ :)

کچھ الفاظ میں جن حروف پر کھڑا زبر لگا ہوتا ہے وہاں ان حروف کے بعد / آ / مصوّتے کی آواز نکلتی ہے ۔ جیسے لفظ رحمن میں میم کا تلفظ بہ طور ' رحمان ' کے ہو رہا ہے ۔ لیکن کچھ الفاظ میں حروف ' ی ' پر کھڑا زبر لگانے سے / ای / کے بجائے / آ / مصوّتے کا تلفظ ہوتا ہے ۔ مثلاً لفظ ' دعویٰ ' ، ' لیلیٰ ' ، ' موسیٰ ' ، یا ' مصلّیٰ ' ، ' مصطفیٰ ' وغیرہ۔

تائے تانیث (ۃ :)

عربی سے مستعار چند الفاظ میں ' ۃ ' حرف بھی استعمال ہوتا ہے جو صرف ' ت ' کی آواز دیتا ہے ۔ مثلاً : زکوٰۃ (زکات)، صلوٰۃ۔ (صلات) وغیرہ۔

نون غنّہ (ں :)

انفی مصوّتوں کو لفظ کے آخر میں تلفظ کرنے کے لیے بغیر نقطے کا ' نون ' استعمال ہوتا ہے ۔ مثلاً ہاں ، ہوں ، ہیں وغیرہ۔ اس طرح ' جاں ' اور ' جان ' یا ' جوں ' اور ' جون ' میں فرق کیا جاتا ہے ۔ لیکن لفظ میں ابتدائی یا درمیانی حالت میں نون پر نقطہ دیا جاتا ہے ۔ جیسے اینٹ، ہنس وغیرہ۔ شمشاد زیدی کا خیال ہے کہ ایسے الفاظ میں ' نون ' مصمّتہ اور انفی مصوّتوں میں فرق کرنے کے لیے الٹا جزم ، یعنی (^) لگا دیتے ہیں ۔ جیسے : ہَنس اور ہنس ، بھُنکا، بھنگی وغیرہ۔

اردو مصوّتوں کی فونیمی ہجائی مطابقت :

اردو میں دس مصوّتوں کے لیے صرف چار حروف (ا،و ،ی،ے) اور تین اعراب (زبر، زیر، پیش)استعمال ہوتے ہیں ۔ مد ' الف ' پر صرف ابتدائی حالت میں / آ / مصوّتے کی آواز دیتاہے ۔ باقی حالتوں میں الف بغیر مد کے ہی / آ / مصوّتے کے لیے تلفظ ہوتاہے ۔ ذیل کے چارٹ میں تمام مصوّتی فونیم ، ان کے اُردو میں نام اور ان کی تینوں حالتوں میں وقوع مع مثالوں کے درج ہیں ۔

نام

اعراب و ترسیم

اعراب اور ذیلی ترسیم

ابتدائی

درمیانی

آخری

یائے معروف

/ ی /

ایکھ

چیل

(ی) کی

زیر

/ ِ /

(اِ) اِس

(ـِ)دِن

(ہ) کہِ

یائے مجہول

/ ئے /

ایک

تیل

لے

یائے لین

/ ئَ /

ایسا

پیسا

طَے

واوَ لین

/ وَ /

(اَو) اَور

(وَ)دوڑ

(وَ)جَو

نون غنّہ

/ ں /

(مصوّتہ + ن) آنت

(مصوّتہ + ن) دانت

(مصوّتہ + ں) ہاں

☆ ' الف ' ہر مصوّتے کے لیے ابتدائی حالت میں استعمال ہوتا ہے ۔

☆ ' ی 'کا استعمال صرف / ای / مصوّتے کے لیے ہی ہوتا ہے ۔

☆ ' ے / ' اے / مصوّتے کے لیے اور زبر کے ساتھ / اے / مصوّتے کے لیے استعمال ہوتا ہے ۔

☆ ' و ' کا استعمال تین مصوّتوں کے لیے ہوتا ہے ۔ یعنی اُلٹے پیش کے ساتھ / اوٗ / کی آواز دتیا ہے زبر کے ساتھ / اَو / کی آواز دیتا ہے اور بغیر کسی اعراب کے / او / کی آواز دیتا ہے ۔

☆ باقی مصوّتوں کے لیے زبر، زیر اور پیش کا استعمال بالترتیب / آ / اِ / اور / اُ / کے لیے ہوتا ہے ۔ کھڑا زبر اور اُلٹا پیش صرف مبتدیوں کے لیے ہی استعمال ہوتے ہیں ۔

ہائے مختفی :

دیگر زبانوں کی طرح اردو میں بھی بعض الفاظ کو جس طرح لکھتے ہیں اس طرح تلفظ نہیں کرتے ۔ مثلاً کچھ الفاظ کے آخر میں ' ہ (' ہائے مختفی) مصوّتوں کی آواز بھی دیتا ہے ۔ جیسے کہ ، ' نہ ' ، ' یہ ' اور ہفتہ ، الفاظ میں بالترتیب / اِ / اَ / ، / اے / اور / آ / مصوّتہ تلفظ ہوتے ہیں ۔

واوِ معدولہ :۔

فارسی کے چند الفاظ میں حرف ' خ ' کے بعد ' و / ' اُ / مصوّتے کی طرح تلفظ ہوتا ہے ۔ مثلاً خوش، خود، خورشید، خوراک، برخوردار وغیرہ۔ جب کہ چند دوسرے الفاظ میں واؤ تلفظ میں نہیں آتا۔ مثلاً : خواہ، خوار، خواب، خواہش، خواجہ، تنخواہ وغیرہ۔

واوِ عطف :

کچھ مرکّب الفاظ دو اسما یا صفات کے درمیان ' و / ' او / مصوّتے کی طرح تلفظ ہوتا ہے ۔ مثلاً : اس شعر کو دیکھیں :

رقیب تو اُدھر شیر و شکر ہوتے رہے ہم ادھر دربان سے زیر و زبر ہوتے رہے

' ع : '

عربی میں ' ع ' حلقومی صفیری مصمّتہ ہے ، لیکن اُردو میں یہ مصوّتے

کی آواز دیتا ہے ۔ ذیل میں ایسے الفاظ دیے گئے ہیں جن میں ' ع ' حروف ا، و، ی ، ے وغیرہ کے ساتھ اور تنہا اردو کے دس مصوّتوں کی آواز دے رہا ہے ۔

مصوّتے

حروف

مثالیں

/) 1 (ای /

ع + ی

عید، عیسٰی، نعیم، قلعی

ی + ع

وسیع، ربیع

/) 2 (اِ /

ع

عِلاج، عِزّت، شاعِر

/) 3 (اے /

ا + ع

اعلان، اعتبار، اعراب

ع

شعر، فعل، تابع، واقع

ع + ے

مصرعے ، موقعے ،ضلعے

/(4) اے /

ع + ے

عَین، عینک، عیَش، عیَب

/) 5 (آ /

ع

عَقل، عَرضی، مَشعل، وقعَت، وضعَ، شرعَ

/) 6 (آ /

ع

بعد، معلوم، موقع، منع

ع + ا

عام، عالم، رعایت، معاف

دُعا، استدعا

ا + ع

اعظم ، اعمال

/) 10 (اَو /

عَ + و

عَورت ، عَون

ذیل میں ایسے کچھ الفاظ دیے گئے ہیں جن میں ' ع ' کی جگہ ' الف ' ا ' ے ' وغیرہ لکھنے سے معنی میں فرق آجاتا ہے ۔ گویا یہ ہم آواز الفاظ ہیں ۔ مثلاً :

ا ع

آم عام،

ارب عرب،

الم علم،

آسیہ عاصیہ،

آسی عاصی،

آری عاری،

امارت عمارت،

لال لعل،

جال جعل،

نال نعل،

مارکہ معرکہ،

باز بعض،

سادی سعدی،

رانا رعنا،

تان طعن،

مربّا مربع،

مِسرا مصرع،

مامور معمور،

ا،ے ،ی ع،

شیر شعر،

فیل فعل،

وصی وسیع،

نو نوع ،

دفعہ دفع،

اضافت :

کچھ عربی فارسی مرکّب الفاظ میں دو اسما یا اسم اور صفت کے درمیان اضافت کا استعمال ہوتا ہے ۔ جس لفظ میں اضافت لگتی ہے وہی جملے کے

آسی عاصی،

آری عاری،

امارت عمارت،

لال لعل،

جال جعل،

نال نعل،

مارکہ معرکہ،

باز بعض،

سادی سعدی،

رانا رعنا،

تان طعن،

مربّا مربع،

مِسرا مصرع،

ماموور معمور،

ا،ے،ی ع،

شیر شعر،

فیل فعل،

وصی وسیع،

نو نوع ،

دفعہ دفع،

اضافت :

کچھ عربی فارسی مرکّب الفاظ میں دو اسما یا اسم اور صفت کے درمیان اضافت کا استعمال ہوتا ہے ۔ جس لفظ میں اضافت لگتی ہے وہی جملے کے

فعل کو متاثر کرتا ہے ۔ اس کی مندرجہ ذیل قسمیں ہیں ۔

اضافت زیر :

اگر پہلا لفظ ' ی ' ' ع ' اور مصّمتی حروف پر ختم ہو رہا ہے تو ان حروف کے نیچے اضافت زیر استعمال ہوتی ہے جو / اے / مصوّتے کا تلفظ دیتی ہے مثلاً :

دیکھا اس بیماری دِل نے آخر کام تمام کیا

متاعِ لوح و قلم چھن گئی تو کیا غم ہے

کہ خونِ دل میں ڈبولی ہیں انگلیاں میں نے

اضافت ہمزہ :

اگر پہلا لفظ ہائے مختفی پر ختم ہو رہا ہو تو اس پر اضافت ہمزہ لگانے سے مصوّتی تسلسل / آ + اے / تلفظ ہوتا ہے ۔ مثلاً :

نوحہٴ غم ہی سہی نغمہٴ شادی نہ سہی

اگر پہلا لفظ ' ے ' پر ختم ہو رہا ہے تو بھی ہمزے کی اضافت استعمال ہوتی ہے ۔ مثلاً :

اس مئے تلخ کے دو گھونٹ نگلنا سیکھ

ہائے تلفظی کے نیچے اضافت زیر لگتی ہے ۔ مثلاً :

دل کی بساط کیا تھی نگاہِ جمال میں

' ے ' کی اضافت : اگر پہلا لفظ ' آ ' اور ا،اوٗ، مصوّتوں ، (الف) اور واوٗ) پر ختم ہو رہا ہے تو آگے ' ے ' بڑھا دیتے ہیں مثلاً :

شبِ وصال ادائے شوخِ جاناں شرمگیں نکلی

فرہاد نے اٹھایا تھا احسانِ جوئے شیر

' 1 (ے ' پر ہمزہ لگانے کا بھی رواج ہے ۔ یعنی ادائے شوخ، جوئے شیر۔

' 2 (واؤ ' جب نیم مصوّتے کے طور پر تلفظ ہوتا ہے تو اضافت زیر لگتی ہے ۔ جیسے : محوِخیال، عضو ناقص۔

ال کی اضافت :

عربی کے کچھ مرکّبات میں ' ال ' کی اضافت استعمال ہوتی ہے ۔ اگر مرکّب الفاظ کا دوسرا لفظ ت ط د س ث ص ذ ز ض ط ش ل ن اور ر حروف سے شروع ہو رہا ہو تو یہ مصمتے مشدّد ہو جاتے ہیں اور ان الفاظ سے قبل اضافت کا لام، تلفظ میں نہیں آتا لیکن ' الف / ' اُ / مصوّتے کی آواز دیتا ہے ۔ مثلاً : واجب التعظیم، مافی الضّمیر، دارالشّفا، باقی حروف سے شروع ہونے والے الفاظ میں ' لام ' کا تلّفظ ہوتا ہے ۔ مثلاً : حُبّ الوطن، واجب الادا، ناقص العقل، رسم الخط وغیرہ۔

نوٹ :

' 1 (بالفرض ' اور ' بالترتیب ' جیسے الفاظ میں ' الف / اِ / مصوّتے کی آواز دیتا ہے۔

) 2 (فی الحقیقت اور ' فی الوقت ' جیسے الفاظ میں ' الف ' تلفظ میں نہیں آتا، لیکن ' الف ' سے پہلے ' ی / ' اِ / ، مصوّتے کی آواز دیتا ہے ۔

) 3 (حتّی الوسع ، اور ' علی الا علان ' جیسے الفاظ میں ' الف ' سے پہلے ' ی / ' اَ / مصوّتے کی آواز دیتا ہے ۔

) 4 (بُوالہوس ' اور ' ابوالکلام ' جیسے الفاظ میں بھی ' الف ' تلفظ میں نہیں آتا لیکن ' الف ' سے پہلے واؤ / اُ / مصوتے کی آواز دیتا ہے ۔

اردو کے ہندی النسل مصمتے :

معکوسی :

معکوسی آوازیں عربی میں نہیں پائی جاتیں ۔ اُردو کی چھ معکوسی (تین ہکاری و تین غیر ہکاری) آوازوں کی نمائندگی کے لیے حروف پر ' ط ' کا نشان لگا دیا جاتا ہے ۔ اس طرح ٹ ڈ ڑ / ڈھ اور ڑھ حروف معکوسی آوازوں کی نمائندگی کرتے ہیں ۔

ہکاری :

اسی طرح عربی میں ہکاری آوازوں کا بھی وجود نہیں ہے ۔ اُردو میں ہکاری آوازوں کے لیے علیٰحدہ حروف نہیں ہیں ۔ اس لیے جن حروف میں ہکاریت پیدا کرنی ہوتی ہے ان میں ' ھ ' جوڑدی جاتی ہے ۔ اس طرح گیارہ حروف پ ب ت د ٹ ڈ چ ج ک گ اور ڑ میں ' ھ ' کے اتصال سے علی الترتیب پھ بھ تھ دھ ٹھ ڈھ چھ جھ کھ گھ اور ڑھ وضع کرلیے گئے ہیں جو ہکاری آوازوں کی نمائندگی کرتے ہیں ۔

یعنی ' ھ ' کا استعمال صرف ہکاری آوازوں کے لیے ہی استعمال کرنا چاہیے تاکہ ' بھار ' اور ' بہار ' یا گھر اور گہر ' جیسے الفاظ میں فرق کیا جا سکے ۔ تحریر میں ' ل ' ' م ' ' ن ' اور ' ر ' کے ساتھ بھی ' ھ ' جوڑی جاتی ہے ، لیکن ان کی آوازوں یعنی ' لھ ' ' مھ ' اور ' رھ ' کو فونیمی حیثیت حاصل نہیں ہے ۔

ہم صورت حروف :

اُردو کے کچھ فونیم ایک سے زیادہ حروف کی نمائندگی کرتے ہیں ۔ مثلاً ' : ت ' اور ' ط / ' ت / کی ' س ' ' ث ' اور ' ص / ' س / کی ، ز، ذ، ض، ظ / ز / کی، ح، اور ہ / ہ / فونیم کی نمائندگی کرتے ہیں ۔ یعنی بولنے میں ' ت ' اور ' ط ' حروف کی ایک ہی آواز ہوتی ہے ۔ دراصل ان سارے حروف کو اردو نے مستعار لیا ہے ان کی نمائندگی کرنے والی آوازوں کو نہیں ۔یہی وجہ ہے کہ ہم وہ سارے مستعار الفاظ جو عربی میں ان حروف

سے لکھے جاتے ہیں شمشاد زیدی کا خیال ہے کہ اردو میں بھی اسی طرح لکھتے ہیں لیکن بولنے میں ان کی آوازوں میں کوئی فرق نہیں کرتے ۔ ذیل میں ایسے کچھ الفاظ ہیں جن میں ہم صوت حروف معنی میں فرق پید اکرتے ہیں ۔

ط / ت :

طعنہ تانا

طعن تان

طابع تابع

طیّار تیار

سطر ستر

س / ث :

سانی ثانی

کسرت کثرت

اساس اثاث

مسل مثل

س / ص :

سدا صدا

سورت صورت

اسراف اصراف

برس برص

ث / ص :

ثواب صواب

نثر نصر

منشور منصور

ز / ظ :

زن ظن

زہیر ظہیر

ذ / ظ :

نذیر نظیر

ز / ض :

روزہ روضہ

فزا فضا

ذ / ض :

ذم ضم

ذلالت ضلالت

حذر حضر

ح / ہ :

حل ہل

حمزہ ہمزہ

حاجی ہاجی

نیم مصوّتے :

اردو میں حروف ' و ' اور ' ی ' نیم مصوّتوں کے لیے استعمال ہوتے ہیں لیکن ساتھ ہی ان کا استعمال مصوّتوں کے لیے بھی ہوتا ہے ۔

ڈاکٹر سہیل بخاری : لسانی مقالات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد

ذیل کے چارٹ میں اردو کے تمام مصمّی اور نیم مصوّتی فونیم مع ترسیم و ذیلی ترسیم کے درج ہیں ۔

منشور منصور

ز / ظ :

زن ظن

زہیر ظہیر

ذ / ظ :

نذیر نظیر

ز / ض :

روزہ روضہ

فزا فضا

ذ / ض :

ذم ضم

ذلالت ضلالت

حذر حضر

ح / ہ :

حل ہل

حمزہ ہمزہ

حاجی ہاجی

نیم مصوّتے :

اردو میں حروف ' و ' اور ' ی ' نیم مصوّتوں کے لیے استعمال ہوتے ہیں لیکن ساتھ ہی ان کا استعمال مصوّتوں کے لیے بھی ہوتا ہے ۔

ڈاکٹر سہیل بخاری : لسانی مقالات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد

ذیل کے چارٹ میں اردو کے تمام مصمّی اور نیم مصوّتی فونیم مع ترسیم و ذیلی ترسیم کے درج ہیں ۔

ط

طول

خطا

خط

/ ت t /

د

دِل

بدل

حد

/ د d /

ٹ

ٹوپ

کٹا

چٹ

/ ٹ T /

ڈ

ڈال

انڈا

سانڈ

/ ڈ D /

چ

چور

چچا

سچ

/ چ c /

ج

جام

سجا

حج

/ ج j /

ک

کام

شکر

تک

/ ک k /

گ

گل

پگلا

جگ

/ گ g /

ق

قلم

احقر

چق

/ ق q /

پھ

پھن

گُپھا

X

/ پھ ph /

تھ

تھن

متھا

رتھ

/ تھ th /

دھ

دَھن

آدھا

گدھ

/ دھ dh /

ٹھ

ٹھن

روٹھا

روٹھ

/ ٹھ Th /

ڈھ

ڈھول

نڈھال

x

/ ڈھ Dh /

چھ

چھال

کچھوا

کچھ

/ چھ ch /

جھ

جھاڑو

مانجھی

مجھ

/ جھ jh /

کھ

کھال

مکھن

ایکھ

/ کھ kh /

گھ

گھر

گھا

باگھ

/ گھ gh /

ذ

ذکر

مذاق

لذیذ

/ ز z /

ض

ضد

حضر

قرض

/ ز z /

ظ

ظلم

نظر

لفظ

/ ز z /

ش

شور

بشر

طیش

/ ش sh /

ژ

ژال

مژگاں

ژاژ

/ ژ zh /

خ

خر

بخل

چرخ

/ خ x /

غ

غل

مُغل

تیغ

/ غ Gh /

ح

حل

محل

طرح

/ h ہ /

ہ

ہل

مہک

جگہ

/ h ہ /

م

مل

کمر

نم

/ م m /

ل

لو

قلم

پل

/ ل l /

ر

رات

برس

تر

/ ر r /

ڑ

بڑا

جڑ

/ ڑ R /

ڑھ

داڑھی

باڑھ

/ ڑھ Rh /

و

وار

ہوا

عضو

/ و w /

ی

یار

کیا

کیاری

/ ی y /

اردو رسم الخط اور کمپیوٹر :

بعض اوقات رسم الخط میں حذف واضافہ ٹکنالوجی کے زیر اثر ظہور پذیر ہوتا ہے ۔ آج تک زندگی کا کوئی بھی شعبہ ایسا نہیں جس پر کمپیوٹر کے اثرات مرتب نہ ہوئے ہوں اردو رسم الخط پر کمپیوٹر کے اثرات کا عمل دخل نہ ہونا ناممکنات میں سے ہے ۔ دنیا کی تمام زبانوں کی طرح اردو بھی کمپیوٹر سے مستفید ہورہی ہے ۔ کمپیوٹر کی افادیت کو دیکھتے ہوئے آج ایسے کئی سافٹ ویئر بازار میں دستیاب ہیں جن کی مدد سے اردو کتب و رسائل کی اشاعت میں استفادہ کیا جارہا ہے ۔ ان میں شاہکار ، کاتب ، صدف، نوری نستعلیق اور اِن پیج کو نمایاں حیثیت حاصل ہے نوری نستعلیق کی کامیابی کے بعد ایک ایسے سافٹ ویئر کی ضرورت محسوس ہونے لگی جو مکمل طور پر پیج میکنگ کے لیے استعمال کیا جاسکے ۔اس ضرورت کے پیش نظر ان پیج سافٹ ویئر تیار کیا گیا جو خاص طور پر اشاعتی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے ۔ ان پیج میں بعض ایسی خصوصیات شامل ہیں جن کی وجہ سے یہ اشاعتی اداروں میں مقبول ثابت ہوا ہے مثلاً یہ ونڈوز آپریٹنگ سسٹم میں کام کرتا ہے اور اس میں تیار مواد کو کورل ڈرا میں لے جاکر بہتر ڈیزائننگ کی جاسکتی ہے ساتھ ہی اسے فوٹو شاپ میں بھی استعمال کیا جاسکتا ہے ۔ اس

کی دوسری نمایاں خوبی یہ ہے کہ اس میں الفاظ کو بولڈ، اٹالک یا ریورس کیا جاسکتا ہے اور کسی بھی ڈاکومینٹ کو GIF یا JPG میں تبدیل کیا جا سکتا ہے ان تمام خوبیوں کے باوجود ان پیج کے نستعلیق فونٹ میں سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ اس میں حروف کے جوڑ اور پیوندوں کے درمیان نقطوں اور اعراب کے لیے ناکافی جگہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے بعض اوقات خط اور حظ میں فرق کرنا دشوار ہوتا ہے مزید یہ کہ ان پیج آفاقی کوڈ یعنی Unicode کے اصولوں پر پورا نہیں اترتا۔

آفاقی کوڈ یا یونی کوڈ کے اس نظام کو بہ خوبی سمجھنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہم یہ سمجھیں کہ کمپیوٹر کے آپریٹنگ سسٹم Operating System کی اپنی ایک زبان ہوتی ہے جسے Binary کہتے ہیں۔ کمپیوٹر کی یہ Binary زبان ہر حرف کو عددی نظام میں سمجھتی ہے۔ کمپیوٹر کے کی بورڈ میں کل 47 کنجیاں ہوتی ہیں جن میں Shift کی مدد سے مزید 47 کا اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح کلیدی بورڈ کی کنجیوں کی کل تعداد 94 ہوجاتی ہے ان 94 کنجیوں کی مدد سے ہمیں اردو کے تمام حروف ان کی ذیلی شکل اور دیگر تمام رموز و اوقاف کو ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ یہاں ہمیں اس بات کو بھی ذہن میں رکھنا ہوگا کہ کمپیوٹر محض Binary زبان سمجھتا ہے لہٰذا کلیدی بورڈ کا پیغام آپریٹنگ سسٹم میں عددی نظام میں تبدیل ہوجاتا ہے اس طرح وہ عدد تحریری شکل میں تبدیل ہوجاتا ہے یعنی اس عدد والے حروف کی جو شکل یا glyph کمپیوٹر کے آپریٹنگ سسٹم میں محفوظ ہوتی ہے وہ کمپیوٹر کے مانیٹر کے اسکرین پر ابھر آتی ہے یہی وجہ ہے کہ ان پیج کی کوئی بھی فائل ان پیج کے سافٹ ویئر کے بغیر پڑھی نہیں جاسکتی کیوں کہ ان پیج آفاقی کوڈ کے نظام پر پورا نہیں اترتا اسی وجہ سے اس کی فائل کسی دوسرے سافٹ ویئر کے ساتھ شریک نہیں ہوسکتی ہے۔ بعض

ناگزیر صورتوں میں اس فائل کو تصویر یا گرافکس میں تبدیل کر کے GIF فائل کی شکل میں شامل کیا جاسکتا ہے ۔ ان تفصیلات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کسی قابل قبول کوڈ کی عدم موجودگی دشواریوں کا سبب بنتی ہے ۔ ان دشواریوں کے پیش نظر Perso- Arabic Standard Code for Information Interchange (PARSCII) بنایا گیا تھا تاکہ ان دشواریوں پر قابو پایا جاسکے لیکن PARSCII کوڈ اپنی بعض کمزوریوں کی وجہ سے کامیاب ثابت نہیں ہو سکا جس کی وجہ سے اس کو زیادہ اہمیت حاصل نہیں ہوئی لہٰذا 1991 عیسوی میں مائکروسوفٹ اور ایپل جیسی بعض اہم کمپنیوں نے ایک آفاقی کوڈ Unicode کا تصور پیش کیا اس کو 32/4 بٹ کے نظام پر تشکیل دیا جارہا ہے لہٰذا اس میں کئی گنا زیادہ حروف (Characters) کی گنجائش موجود ہے ۔ اردو طریقہ تحریر اپنی ذیلی شکلوں کی وجہ سے زائد Glyph کا تقاضہ کرتا ہے اور اسے آفاقی کوڈ یا یونی کوڈ پورا کرتا ہے ۔ اس بات کی مزید وضاحت کے لیے اگر ہم اردو حروف تہجی کا تجزیہ کریں تو محسوس ہوگا کہ اردو حروف اپنی ذیلی شکلوں کی وجہ سے مختلف خانوں میں تقسیم کیے جاسکتے ہیں مثلاً پہلے خانے میں تو ان حروف کو شامل کیا جاسکتا ہے جن میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ہے ۔ مثلاً ا، و، ر، ڑ، ز ، ژ ، ط ، ظ ، ھ وغیرہ وہ حروف ہیں جن کی کوئی ذیلی شکل نہیں ملتی۔دوسرے خانے میں اردو کے ان حروف کو رکھا جاسکتا ہے جن میں لفظ کے آخر میں معمولی سی تبدیلی ہوتی ہے مثلاً د، ڈ ، اور ذ اردو کے ایسے حروف ہیں جن کی ذیلی شکلیں اس صورت میں استعمال ہوتی ہیں جب یہ حروف اپنے سے پہلے آنے والے حرف سے جڑ کر آتے ہیں ۔ تیسرے خانے میں اردو کے مخلوط حروف کی درجہ بندی کی جاسکتی ہے ۔ مولوی عبدالحق نے تمام ہکاری آوازوں مثلاً بھ، پھ، تھ، ، ٹھ، جھ وغیرہ کو

حروف میں شامل کیا ہے ۔ چوتھے خانے میں وہ حروف شامل کیے جاسکتے ہیں جن کی ذیلی شکل صرف لفظ کے شروع یا درمیان میں ملتی ہے ۔ مثلاً ل، م، ج ،ش ، ص، ض وغیرہ اور پانچویں خانے میں ان حروف کو شامل کیا جاتا ہے جن میں ایک سے زائد ذیلی شکلیں ہوتی ہیں ۔ مثلاً ب، پ، ت، ٹ، ث، ع، غ ، ک، گ وغیرہ۔

یہاں یہ بات ذہن نشیں رہنی چاہیے کہ حرفوں کا آپس میں ملنا اردو رسم الخط کی بنیادی خصوصیات ہے ۔ حروف کے باہم اتصال سے ان کی مختلف ذیلی صورتیں پیدا ہوجاتی ہیں جس کی وجہ سے حروف کی پوری صورتیں قائم نہیں رہتی ہیں آفاقی کوڈ کے نظام نے ان باریکیوں کو بہ خوبی سمجھا ہے اور تمام اضافی نشانات اور علامات کے لیے الگ الگ Unicode نمبر دیے ہیں مثلاً آفاقی کوڈ کے اس نظام میں ’ الف ‘ کے لیے Unicode نمبر U+0627 ہے جب کہ آ کے لیے U+0906 ہے اس طرح الف اور الف مد کے درمیان فرق کو واضح کرنا مشکل نہیں ہوتا۔ لیکن بعض اوقات کلیدی بورڈ کی کنجیوں کی محدود تعداد کی وجہ سے بعض حروف میں امتیازی نشانات کے اضافے کے باوجود unicode نمبر میں کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا۔ مثلاً اردو حرف ’ و ‘ کے لیے جو ایک سے زائد آوازوں کی نشان دہی کرتا ہے صرف ایک Unicode کا استعمال کیا گیا ہے ۔ بہ الفاظ دیگر کہاجاسکتا ہے کہ Unicode کی بنیاد تحریر ہے نہ کہ صوت۔ اس بات کی مزید وضاحت کے لیے ہکاری آوازوں کی مثال پیش کی جاسکتی ہے ۔ ہکاریت مخلوط آواز کا تصور نہیں پیش کرتی ہے یعنی پھ ، بھ ،چھ، جھ جیسی ہکاری آوازوں کو دو آوازوں کا مجموعہ نہیں کہا جاسکتا ہے لیکن تحریری سطح پر ہکاری آوازیں دو حروف کی مدد سے ظاہر کی جاتی ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ Unicode میں بھی ان کا اظہار دو مختلف آفاقی کوڈ سے ہوتا ہے مثلاً :

بھ = ب + ھ

U+06BE+U+0628

آفاقی کوڈ کے اس نظام کی وجہ سے صوتی سطح پر نہ سہی لیکن تحریری سطح پر اظہاریت کے بے پناہ امکانات پیدا ہوگئے ہیں ۔ ایسے الفاظ جو شکلی سطح پر مبہم محسوس ہوتے ہیں ۔ تحریر میں صاف اور واضح نظر آتے ہیں TDIL نے جس آفاقی کوڈ کے نظام کو پیش کیا ہے اس میں ہمزہ کو بہ طور حرف شامل کیا گیا ہے ۔ اردو میں ہمزہ شامل ہے لیکن اردو حروف تہجی میں اس کی حیثیت حرف کی نہیں بلکہ علامت کی ہے ۔

باب کا خلاصہ :

☆ دنیا کی تمام زبانوں کے رسم الخط کی بنیاد لکیر ، دائرہ، مثلث اور مربع پر ہوتی ہے ۔ ان میں ترمیم و اضافے سے حروف اپنی نئ شکل اختیار کرتے ہیں ۔

☆ اردو کے صوتی مزاج کے لیے چوں کہ فارسی رسم الخط ناکافی تھا لہٰذا اس میں مقامی آوازوں کے لیے چند معکوسی حروف مثلاً ٹ ،ڈ، ڑاور بعض ہکاری آواز مثلاًبھ ، پھ، تھ، جھ، چھ، دھ ، ڈھ رھ، ڑھ، کھ، گھ، لھ، مھ، اور تھ کا اضافہ کیا گیا ہے ۔

☆ زیادہ ترحروف کو ان کی شکلوں کی یکسانیت کے مطابق مختلف گروپ میں تقسیم کیا جاتاہے ۔

☆ زبر، زیر اور پیش بالترتیب خفیف مصوتوں / آ / ، / اِ / اُ / کے لیے استعمال ہوتے ہیں ۔

☆ اُردو میں ہمزہ حرف نہیں ہے بلکہ ایک ایسی علامت ہے جو لفظ میں مصوتی تسلسل کو ظاہر کرتا ہے ۔

☆ عربی سے مستعار چند الفاظ میں ’ ۃ ‘ حرف بھی استعمال ہوتا ہے جو

صرف 'ت' کی آواز دیتا ہے۔

☆ اردو میں دس مصوّتوں کے لیے صرف چار حروف (ا،و،ی،ے) اور تین اعراب (زبر،زیر،پیش)استعمال ہوتے ہیں۔ مد 'الف' پر صرف ابتدائی حالت میں / آ / مصوّتے کی آواز دیتا ہے۔

☆ معکوسی اور ہکاری آوازیں عربی میں نہیں پائی جاتی۔اُردو کی چھ معکوسی (تین ہکاری و تین غیر ہکاری) آوازوں کی نمائندگی کے لیے حروف پر 'ط' کا نشان لگا دیا جاتا ہے۔ اس طرح ٹ ڈ ڑ ٹ / ڈھ اور ڑھ حروف معکوسی آوازوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔

☆ بعض اوقات رسم الخط میں حذف واضافہ ٹکنالوجی کے زیر اثر ظہور پذیر ہوتا ہے۔آج جب کہ زندگی کا کوئی بھی شعبہ ایسا نہیں جس پر کمپیوٹر کے اثرات مرتب نہ ہوئے ہوں اردو رسم الخط پر کمپیوٹر کے اثرات کا عمل دخل نہ ہونا ناممکنات میں سے ہے۔ دنیا کی تمام زبانوں کی طرح اردو بھی کمپیوٹر سے مستفید ہورہی ہے۔

اردو صرف

صَرف (morphology) اور نحو (syntax) لسانیات کے مستقل اور بعض اعتبار سے اہم شعبے ہیں ۔ صَرف اگر ایک جانب لفظ کی ساخت کا مطالعہ پیش کرتا ہے تو نحو جملے کی ساخت کو موضوع مطالعہ بناتا ہے ۔ اس طرح صرف و نحو لسانیات کے وہ اہم شعبے ہیں جن کے ذریعے لفظ اور جملے کا لسانی مطالعہ پیش کیا جاتا ہے ۔ یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ لفظ کے مطالعے کے لیے مختلف النوع طریقہ کار اپنائے جا سکتے ہیں ۔ مثلاً اردو لفظ "کتاب" اور "کتابیں" یا "کتابوں" کے درمیان اگر ہم کوئی فرق نہیں کرتے ہیں تو یہ طریقہ کار لفظیات (Lexicology) کے زمرے میں آتا ہے ۔ لیکن اگر ہماری توجہ 'کتاب' سے 'کتابیں' بنانے کے صرفی اصول پر ہوتی ہے تو یہ مطالعہ صرفی یا مارفیمی مطالعہ ہو گا۔ تصریف اور اشتقاق صرفی مطالعے کے بنیادی اصول ہیں ۔ یعنی لفظوں کا مارفیمی تجزیہ تصریفی (Inflectional) اور اشتقاقی (Derivational) اصولوں پر ہوتا ہے ۔ تصریفی عمل لفظوں کے اجزائے کلام (Parts of Speech) میں تبدیلی کا سبب نہیں بنتا ہے ۔ یعنی اسم، تصریفی عمل کے بعد بھی اسم رہتا ہے ۔ اسی طرح صفت، تصریفی عمل کے بعد بھی صفت رہتی ہے ۔ اسم میں تعداد، جنس اور حالات (Case) میں تبدیلی تصریفی عمل کی مثالیں ہیں ۔ وضاحت کے لیے یہ چند مثالیں دیکھیے ۔

مرغ + ا = مُرغا (اسم مذکر)

مرغ + ی = مُرغی (اسم مونث)

مرغی + یاں = مُرغیاں (اسم مونث جمع)

مرغی + یوں = مُرغیوں (اسم مونث جمع حالات)

گویا اس لفظ ' مرغ ' کو لاحقوں کی مدد سے مذکر سے مونث یا واحد سے جمع بنایا گیا ہے ۔ چونکہ یہ لاحقے لفظ کے اجزائے کلام میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں پیدا کرتے لہٰذا انھیں صرفی لاحقہ کہا جائے گا۔ جب کہ اس کے بر عکس استقاقی عمل لفظ کے اجز ائے کلام میں تبدیلی کا سبب بن جاتا ہے ۔ یعنی اسم صفت میں یا صفت اسم میں تبدیل ہو جاتی ہے ۔ یہی سبب ہے کہ اشتقاقیات کو لفظ سازی کا سب سے کارآمد اصول سمجھا جاتا ہے ۔ اشتقاقی عمل کو اشتقاقی عمل میں مستعمل سابقوں ، لاحقوں اور وسطیوں کی بنا پر مندرجہ ذیل قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے ۔

1 ۔ اشتقاقی سابقے

2 ۔ اشتقاقی وسطیے

3 ۔ اشتقاقی لاحقے

4 ۔ اشتقاقی مبادلہ

5 ۔ اشتقاقی تکرار

6 ۔ مقلوب اشتقاقی

7 ۔ مرکّب

اشتقاقی سابقے :

' سابقے ' الفاظ کے وہ روپ ہیں جو اصل (stem) کی ابتدا میں ملحق کیے جاتے ہیں ۔ اردو زبان میں اشتقاقی سابقوں کا چلن عام ہے ۔ اردو میں " غیر دانش مندانہ " یا " غیر جانب دار " کا استعمال ،اشتقاقی سابقے کی عمدہ مثال ہے ۔ اردو میں مستعمل اشتقاقی سابقے کی چند اور مثالیں مندرجہ ذیل ٹیبل میں پیش کی گئی ہیں ۔

ٹیبل

اشتقاقی سابقہ + اشتقاقی اصل = مشتق لفظ

لا + حاصل = لا حاصل

لا + علاج = لا علاج

غیر + جانب دار = غیر جانب دار

اشتقاقی لاحقے :

نئے الفاظ وضع کرنے میں سابقوں کی طرح لاحقے بھی اہم کردار انجام دیتے ہیں ۔ان کی مدد سے اسموں کو صفت یا صفتوں کواسم میں تبدیل کیا جاسکتا ہے ۔ یا پھر بالکل ہی نئے الفاظ وضع کیے جا سکتے ہیں ۔ سابقوں کی طرح ہی لاحقے بھی بالعموم پابند روپ ہوتے ہیں لیکن بعض لاحقے آزادانہ استعمال ہونے کی بھی صلاحیت رکھتے ہیں ۔

ر،ی ر ، رش،ر اور ر و ر ، وغیرہ ایسے لاحقے ہیں ۔ جن سے اصل لفظ کو اجزائے کلام کی کسی دوسری قسم میں تبدیل کیاجاسکتا ہے ۔ مثال کے طور پر " لال " ایک صفت ہے ۔ اس لفظ میں سابقہ ' ی ' جوڑ کر ہم اسے اسم ' لالی ' کا روپ دے دیتے ہیں ۔ ' نرگس ' ایک پھول کا نام ہے اور اس طرح یہ اسم کے زمرے میں آتا ہے ۔ لیکن لاحقہ ' یت ' کا استعمال کرکے ہم اسے صفت بنا دیتے ہیں ٹھیک اسی طرح مصدر ' بند ' ' ش ' لاحقے کے اضافے کے ساتھ ' بندش ' بن کر اسم کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور مصدر ' بکنا ' لاحقہ ' و ' کے اضافہ سے ' بکاؤ ' بن جاتا ہے ۔ اردو میں مستعمل کچھ لاحقے درج ذیل ہیں ۔

اشتقاقی لاحقے اشتقاقی اصل مشتق لفظ

ی لال (صفت) لالی (اسم)

یت نرگس (اسم) نرگسیت(اسم)

'دش بند بندش (اسم)
'ئو بکنا (مصدر) بکاؤ (صفت)
وٹ لکھنا(مصدر) لکھاوٹ (اسم)

مندرجہ بالا 'و' اور 'وٹ' لا حقے اردو کے ایسے لا حقے ہیں جو پا بند لاحقوں کے زمرے میں آتے ہیں ۔ اور ان سے با لعموم کسی مصدر سے مشتق الفاظ کی تشکیل میں مدد لی جاتی ہے ۔ ان سے قطع نظر اردو میں ایسے لا حقے بھی مستعمل ہیں جو اپنے آزادانہ معنی رکھتے ہیں لیکن بسا اوقات ان کی مدد سے نئے الفاظ بھی بنائے جاتے ہیں ۔ مثال کے طور پر "باری' 'یا" بازی" وغیرہ چند ایسے لا حقے ہیں جن کی مدد سے ہم نئے الفاظ بناتے ہیں ۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں ۔

استقاقی لا حقے استقاقی اصل مشتق لفظ
کن تباہ تباہ کن
دری عصمت عصمت دری
کاری تباہ تباہ کاری
بازی گیند گیند بازی
باری گولہ گولہ باری
باری برف برف باری

ادبی زبان میں چوں کہ موضو عاتی تنوع کی کیفیت کچھ زیادہ ہی ہو تی ہے ۔ لہٰذا اس زبان میں نئے نئے الفاظ اور تراکیب کے اختر اع کی ضرورت شدید ہو جا تی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اس زبان میں آزادانہ اشتقاقی لاحقوں کا استعمال کئی طرح سے نسبتاً زیادہ ہوتا ہے ۔

جلتی ٹیسوں پہ شبنمی ٹھنڈک
مرحم زخم آگہی ہے شراب

نقش جاں میں بے حسی کا رنگ بھر جاؤں گا میں
زندگی کیا تیری خاطر یہ بھی کر جاؤں گا میں

مخمور سعیدی کے ان اشعار میں بعض الفاظ مثلاً ' شبنمی ' یا ' بے حسی ' کی تشکیل لاحقہ " ی " کی مدد سے ہوئی ہے ۔ یعنی شبنم میں ' ی ' کے اضافے سے لفظ شبنمی اور بے حس میں ' ی ' کے اضافے سے بے حسی بنایا گیا ہے ۔ اسی طرح لاحقوں کی چند اور مثالیں درج ذیل ہیں ۔

استقاقی لاحقے استقاقی اصل مشتق لفظ

دری عصمت عصمت دری

کاری تباہ تباہ کاری

ساز جعل جعلساز

گرد دہشت گرد

پسند شورش شورش پسند

باری گولہ گولہ باری

کن تباہ تباہ کن

بازی گیند گیند بازی

شد گاں گرفتار گرفتا رشد گاں

مندرجہ بالا الفاظ میں سے کچھ اسم ہیں (مثال کے طور پر جعلساز، شورش پسند، گیندبازی ، گولہ باری وغیرہ) توکچھ صفت (مثال کے طور پر تباہ کن وغیرہ) لاحقوں کی مدد سے اختراع شدہ یہ الفاظ زبان کی ترسیلی قوت میں اضافے کا باعث بنتے ہیں ۔

اشتقاقی وسطیے :

اشتقاق کی ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ اصل لفظ کے وسط میں بھی کسی مصوتے کا اضافہ کرکے معنی ومفہوم میں حسب خواہ تبدیلیاں

کرلیتے ہیں ۔ اردو میں بالعموم ایسی تبدیلیاں مصدر سے اسم فاعل، اسم مفعول یا پھر مجہول کی تشکیل کے لیے مستعمل ہیں مثال کے طور پر لفظ نظم کا مفہوم ایک شعری صنف ہے یا باقاعدہ ترتیب۔ یہ ایک اسم ہے اس لفظ نظم میں 'ن' کے بعد مصوتہ آ کے اضافے کے بعد لفظ کی جو شکل بنتی ہے 'ناظم' وہ اسے اسم فاعل میں تبدیل کردیتی ہے ۔ اس لفظ میں ظ کے بعد مصوتہ آ کے اضافہ سے جو شکل مرتب ہوتی ہے 'نظام' وہ اسے ایک ایسا نیا مفہوم عطا کر دیتی ہے جو مصدر نظم اور اسم فاعل ناظم سے قطعاً مختلف ہے ۔

اشتقاقی وسطیوں کا استعمال فعل معروف کو فعل مجہول میں تبدیل کرنے کے لیے بھی ہوتا ہے ۔ مثال کے طور پر بتلانا ایک ایسا مصدر ہے جس سے فعل معروف کے صیغے شق ہوتے ہیں ۔ لیکن ب اور ل کے بعد ایک مصوتے 'و' کے اضافے سے ایسا مصدر بن جاتا ہے جس سے فعل مجہول کے صیغے شق ہوتے ہیں مثلاً بلوانا:

وہ بلایا گیا

وہ لوگ بلائے گئے وغیرہ۔

اردو ادبی اور ترسیلی زبان نے بھی اردو کی اس خصوصیت سے استفادہ کیا ہے روز نامہ قومی آواز اور راشٹریہ سہارا کی یہ چند سرخیاں اشتقاقی وسطیوں کے استعمال کی عمدہ مثالیں ہیں ۔

1 ۔ افسران کی بے توجہی سے ٹیلی فون نظام ٹھپ

2 ۔ آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کی مجلس عاملہ کے اجلاس کے فیصلے

3 ۔ گجرات میں شرابیوں سے جھاڑو لگوانے کا فیصلہ

4 ۔ غریبوں کے لیے جدید اور سستا علاج مہیا کرایا جائے

ان سرخیوں میں خط کشیدہ الفاظ اشتقاقی وسطیوں کے استعمال سے

وضع ہوتے ہیں پہلی سرخی میں نظام نظم سے مشتق ہے ۔ اور یہ لفظ ' ... ظ ' کے بعد محض ایک مصوتہ الف کے اضافے کے نتیجے میں ایک بالکل ہی نئی صورت اختیار کر گیا ہے اور معنی ومفہوم کے لحاظ سے بھی اسی نے اپنی شناخت الگ قائم کرلی ہے ۔ یہی صورت حال مشاورت کی ہے ۔ مشورہ سے مشتق یہ لفظ وسط میں ایک الف اور آخر میں ایک ' ت ' کے اضافہ کے بعد ایک جدا گانہ روپ اختیار کرلیتا ہے ۔ سرخی نمبر 3 اور 4 کے خط کشیدہ الفاظ فعل مجہول کے استعمال کی عمدہ مثالیں ہیں ۔ ... لگانا محض ایک ' و ' کے اضافہ کے نتیجہ میں فعل میں تبدیل ہوگیا ہے ۔ اور کرنا میں ' و ' اور الف کے اضافہ نے اس کی صورت و مفہوم دونوں میں ہی بنیادی تبدیلیاں کردی ہیں ۔

اشتقاقی مبادلے :

لفظ وضع کرنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اصل لفظ میں مصوتوں کی تبدیلی سے نئے الفاظ وضع کرلیے جاتے ہیں ۔ مثال کے طور پر لفظ ' مقام ' میں ق کے بعد مصوتہ ' آ ' کا استعمال ہوا ہے ۔ اور اپنی اس صورت میں یہ لفظ جگہ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے ۔ لیکن اگر مصوتہ '' آ '' کو '' ئ '' میں تبدیل کر دیا جائے تو یہ لفظ مقام سے مقیم بن جائے گا اور اس طرح یہ لفظ معنی و مفہوم کے لحاظ سے یکسر تبدیل ہو جاتا ہے ۔ ایسی چند مثالیں درج ذیل ہیں ۔

اصل لفظ تبدیلی وضع شدہ لفظ

مقام آ، ای میں تبدیل ہوا مقیم

خوف مصوت ' او ' آ میں تبدیل ہوا خائف

تدبیر مصوتہ آ کا اضافہ تدابیر

مفید مصوتہ ای، آ میں تبدیل ہوا مفاد

تشکیل لفظ کی یہ صورت اخبارات کی زبان میں خوب رائج ہے ۔ روزنامہ قومی آواز کی یہ دو سرخیاں بہ طور مثال درج ذیل ہیں ۔

1 ۔ خلیج میں مقیم ہندوستانیوں کے بارے میں تشویش

2 ۔ مدارس پر قدامت پرستی کا الزام غلط

مثال دو میں لفظ قدیم کا مصوتہ ای مصوتہ آ میں تبدیل ہو کر اور 'ت' کے اضافہ کے ساتھ ایک نئے لفظ کی تشکیل میں معاون ثابت ہوتا ہے ۔

مقلوب اشتقاقی :

وضع الفاظ کی ایک اور صورت مقلوب اشتقاقی ہے ۔ مقلوب اشتقاقی کی صورت میں الفاظ میں اضافہ اور تبدیلی کے برعکس جز لفظ کے حذف کا جمال کار فرما نظر آتا ہے ۔ مثال کے طور پر لوٹنا یا لوٹا جانا ایک مصدر ہے ۔ لیکن اکثر لفظ لوٹنا 'لٹنا' کی شکل اختیار کرلیتا ہے ۔ اس طرح صدر جمہوریہ ہند محض صدر ہو کر رہ جاتے ہیں ۔ مقلوب اشتقاق کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں ۔ دراصل ترسیلی زبانوں میں معیار زبان کو بر قرارا رکھنے کی طرف توجہ کچھ کم ہوتی ہے ۔ اور کوشش اس بات کی، کی جاتی ہے کہ خیالات کی ترسیل میں اختصار اور تاثیر کی لذّت کے پہلو زیادہ نمایاں ہوں ۔ مختلف اردو روز ناموں کی یہ چند سرخیاں مقلوب اشتقاقی کے استعمال کی عمدہ مثالیں ہیں ۔

1 ۔ بغداد، بصرہ اور شمالی موصل میں دکانیں لٹ رہی تھیں اور دکان مالک بے بسی سے تماشہ دیکھ رہے تھے

2 ۔ نئی پن بجلی پالیسی کا اعلان

3 ۔ کراچی کے لیے پروازیں ، بات چیت جاری

4 ۔ صدر ابو لکلام اجمیری گیٹ کے اسکول میں بچوں سے ملیں گے

پہلی سرخی میں دکانیں لوٹی جا رہی تھیں کی جگہ دکانیں لٹ رہی تھیں

کا استعمال اختصار پسندی اور شدت تاثیر میں اضافے کی خواہش کا نتیجہ ہے ۔ یہی بات پروازیں اور صدر ابوالکلام کے متعلق بھی کہی جاسکتی ہیں ۔ ضرورت اختصار نے فضائی پروازیں کو محض پروازیں اور صدر جمہوریہ ہند ابو الکلام کی جگہ صدر ابوالکلام کی شکل اختیار کرنے کے لیے مجبور کردیا۔ مثال نمبر 2 کا خط کشیدہ لفظ پن بجلی ایک اور مثال ہے ۔ جو Hydro Electricity کے لیے مستعمل ہے ۔ ایسی ترکیبات لفظی میں اردو کا رجحان یہ ہے کہ صفت بتانے والا لفظ عام طور پر مخفف ہو کر ایک نئ شکل اختیار کرلیتا ہے ۔ مثال کے طور پر پن گھٹ، مرگھٹ جمگھٹ وغیرہ۔ ترسیل عامہؔ کی زبان کے مزاج کی امتیازی صفت اختصار پسندی اورجا معیت ہے ۔ لہٰذا ترسیلی زبان میں مقلوب اشتقاقی الفاظ کا چلن عام ہے ۔

لفظی تکرار :

کسی لفظ کو مکرر لاکر ایک نئے لفظ یا ترکیب کو وضع کرنا لفظی تکرار کہلاتا ہے ۔ لفظی تکرار کے ذریعے وضع شدہ لفظ بعض اوقات اصل لفظ سے معنی میں بالکل ہی الگ ہوتے ہیں اور بعض اوقات اس عمل کے نتیجے میں ان کی ترسیلی قوت میں اضافہ ہوجاتا ہے ۔ مثال کے طور پر پانی ایک اسم ہے ۔ لیکن پانی پانی ہونا یا کرنا ایک محاورہ ہے اور بالکل ہی ایک الگ مفہوم میں مستعمل ہے ۔تھکنا ایک مصدر ہے لیکن جب ہم یہ کہیں کہ وہ تھک تھکا کے آیا، تو اس کا مفہوم تھکنا سے قدرے مختلف ہو جا تا ہے ۔ لفظی تکرار کے عمل سے وضع کردہ ایسے الفاظ محض ترسیلی قوت میں اضافے کا باعث بنتے ہیں ۔ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ علم لسانیات میں تکرار لفظی کو مرکب کا درجہ نہیں دیا جاتا۔ بہر کیف ان کی کچھ مثالیں درج ذیل ہیں :

تنہا تنہا

صف بہ صف

تر بہ تر

جلا جلا کر

ایسے الفاظ چونکہ تاثر میں شدت کی کیفیت پیدا کرتے ہیں لہٰذا ان کا استعمال شاعری میں زیادہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

شاخ شجر سے پتے گرے جب بھی ٹوٹ کے
روئی تمام خلق خدا پھوٹ پھوٹ کے

کچھ بھی دکھائی دیتا نہیں دور دور تک
چبھتی ہے سوئیوں کی طرح جب رگوں میں رات

حج کرتے رہے جو اپنے گوذال ذال
وہ یہ کیا جانیں یکسر نے ملوں کیا ہے

ان مثالوں سے عیاں ہے کہ اردو میں لفظی تکرار کی صورت بہت ہی مقبول ہے۔ دراصل لفظی تکرار جنوبی ہندوستان کی تقریباً تمام زبانوں کی خصوصیات ہے ان میں قدرے پھیلاؤ کی صورت ہوتی ہے۔ جو اختصار کے منافی ہے۔ بہرحال اردو میں ان کا استعمال عام ہے۔ ذیل کی چند اخباری سرخیاں اشتقاقی تکرار کے استعمال کی مثالیں ہیں۔

1۔ سرکار کے ذریعہ سودے بازی کی بات باربار کہنے سے شک و شبہات پیدا ہو رہے ہیں

2۔ بیسٹ بیکری کے ملزمان کون کون ہیں؟

اردوانے کا عمل:

Nativization وضع الفاظ کی ایک ایسی صورت ہے جس میں ہم دیگر زبانوں سے الفاظ لے کر انہیں اپنی زبان کے مزاج ومنہاج کے

مطابق شکل عطا کر دیتے ہیں اردو زبان میں اس نوع کے وضع الفاظ کی مثالیں کثرت سے دستیاب ہیں ۔ایسی کچھ مثالیں درج ذیل ہیں :

فسطائی ، تکنیکی، تکنیک ، پالی تکنیک ، ایٹمی ، بمباری، مشینی نیچر وغیرہ ۔

تراکیب لفظی :

مرکب الفاظ یا ترکیب لفظی دوآزاد الفاظ کی ترتیب سے تشکیل دیے جاتے ہیں ۔ اردو میں وضع الفاظ کی یہ شکل بہت ہی مقبول ہے ۔ ترسیلی ضرورتوں کے مطابق برابر ہی نئی نئی تراکیب وضع ہو تی رہتی ہیں ۔ تراکیب لفظی کی بہت سی صورتیں ممکن ہیں ۔ وہ صورتیں جو اردو میں بالعموم مستعمل ہیں وہ درج ذیل ہیں ۔

الف۔ جمع الفاظ

ب ۔ مرکب عطفی

ت ۔ مرکب اضافی

ج۔ مرکب بالہمزہ

د ۔ مرکب یائے مہموز

ر ۔ مخلوط اشتقاقی Hyberdized

جمع الفاظ :

جمع الفاظ ترکیب لفظی کی ایک آسان صورت ہے ۔ اس کی صورت یہ ہے کہ دو الفاظ باہم یکجا کر دیے جاتے ہیں اور ایک ترکیب وضع ہو جاتی ہے ۔ ترکیب لفظی کی اس صورت کی چند مثالیں درج ذیل ہیں :

پردہ فاش ریلی

کشمیرحامی

اعلیٰ سطحی

بندوق بردار وغیرہ ۔

ان تراکیب لفظی کے مطالعے سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ یکجا الفاظ میں دو طرح کا رشتہ ہے۔ پہلا لفظ ان میں سے مضاف ہے اور دوسرا مضاف الیہ یا ان میں سے ایک صفت ہے اور دوسرا موصوف۔ صفت اور اضافت کی علامتوں کو محذوف کر کے انھیں ایک ترکیب کی شکل میں وضع کر لیا گیا ہے۔ دراصل اختصار زبان کا رجحان اس حذف یا تحریف کا سبب بناہے۔ ترسیلی زبان کا رجحان چوں کہ بالعموم اختصار زبان کی طرف ہوتاہے۔ لہٰذا ترسیلی زبان میں اس قسم کی ترکیبوں کا خوب چلن ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں :

1۔ جے سنگھ اغوا کیس کی ڈائری غائب

2۔ اغوا پالیسی جوانوں کی رہائی کے لیے تلاشی مہم

3۔ امریکا ایران تعلقات میں سردمہری

4۔ محض زمینی طاقت پر لڑائی نہیں لڑی جا سکتی نئی انفارمیشن ٹیکنالوجی اور فضائی یلغاری قوت ضروری

5۔ خصوصی تولیدی ٹکنالوجی مرکز، جنرل سنگھ نے افتتاح کیا

مرکب عطفی :

مرکب عطفی ایسے دو الفاظ کی یکجائی سے وضع کیے جاتے ہیں جن کے وسط میں ایک ' واؤ ' موجود ہوتاہے۔ جیسے نرم و نازک، آہ وزاری، تیرو نشتر، خواب و خیال، علاج و معالجہ، مردوزن، گفت و شنید، دیدہ و دل، روز وشب وغیرہ۔ ان تراکیب لفظی کے مطالعے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ان میں سے ایک " ہم معنی " الفاظ کی ترتیب سے وضع کی گئی ہیں تو کچھ " متضاد " الفاظ کی یکجائی سے وضع ہوئی ہیں۔ مثال کے طور پر نرم و نازک ، آہ وزاری ، رنج و غم اور تیر و نشتر تقریبا ہم معنی الفاظ ہیں اور ان کی یکجائی کا مقصد محض ترسیلی قوت میں اضافے کی خواہش ہے۔ دوسری

طرف روز و شب، گفت و شنید، لیل و نہار وغیرہ متضاد الفاظ ہیں اور ان کی یکجائی حسن کلام میں اضافے کا سبب ۔ بنتی ہے ۔

بہر حال ! یہ ترکیب، ترسیلی زبان میں بھی خوب رائج ہے اور اردو شاعری میں بھی ان کا خوب استعمال ہوا ہے ۔

مرکب اضافی :

ایسے آزاد الفاظ جو علامت اضافت کے ذریعے یکجا کی جاتی ہیں مرکب اضافی کہلاتی ہیں ۔ مثال کے طور پر خواہش دیرینہ، رسم وفا، تعمیر نو، اظہار غم، ایصال ثواب وغیرہ۔ یہ ترکیب دوسری ترکیبوں کی طرح جہاں اختصار کلام کا باعث ہو تی ہیں وہیں حسن کلام میں بھی اضافے کر تی ہیں ۔ لٰہذا ترسیلی زبان میں ان کا چلن خوب ہو تا ہے ۔ روز ناموں سے چند مثالیں درج ذیل ہیں ۔

1 ۔ عراق کے تعمیر نو میں ٹھیکوں کی لوٹ

2 ۔ ڈاکٹر رفاء اللہ مبارکپوری کے سانحہ ارتحال پر اظہار غم

3 ۔ مدرسہ عالیہ میں ایصال ثواب

4 ۔ سچن ایک روزہ میچوں کی بلے بازی میں سرفہرست

ترکیب بالہمزہ :

تراکیب لفظی کی ایک صورت ہمزہ کے استعمال سے وقوع پذیر ہوتی ہے ۔ مرکب الفاظ کا پہلا لفظ اگر ہائے مختفی پر ختم ہو تا ہو تو ایسی صورت میں ہمزہ کا استعمال کر کے ترکیب وضع کرتے ہیں ۔ جیسے ملکۂ ترنم، نغمۂ شیریں، وقفۂ مختصر، واقعۂ کربلا، مظاہرۂ احتجاج، معرکۂ حق و باطل وغیرہ ۔ ترکیب کی یہ صورت بھی اردو زبان میں رائج ہے ۔

یائے مہموز :

یائے مہموز کا استعمال ایسی جگھوں پر ہوتا ہے ، جہاں ترکیب میں

شامل پہلے لفظ کا اختتام 'ا' یا 'و' پر ہو رہا ہو۔ یائے مہموز سے وضع پانے والی چند ترکیبیں حسب ذیل ہیں :

بوئے گل، صدائے وطن، سزائے موت، روے ٔ یار، سوے ٔ چمن، وغیرہ۔

اردو میں یائے مہموز سے وضع شدہ چند ترکیبوں کی مثالیں درج ذیل ہیں ۔

1 ۔ کربلائے حسین سے کربلائے عصر حاضر تک !

2 ۔ دھنن جئے کو سزائے موت

3 ۔ سی پی ایم کا ارادۂ احتجاج

مخلوط ترکیبیں (Hybridized):

جیسا کہ ان کے نام سے ظاہر ہے مخلوط اشتقاقی ایسی ترکیبوں کو کہتے ہیں جن کا ایک لفظ اردو کا ہو جب کہ دوسرا لفظ کسی دوسری زبان کا ہو۔ ایسی ترکیبیں مخلوط ترکیبیں کہلاتی ہیں ۔ اس نوع کی تراکیب لفظی کی چند مثالیں درج ذیل ہیں :

سلک پردے

خواتین کیمپس

تولیدی تکنالوجی

خواتین بل

خواتیں رزر ویشن

ایکوایر اراضی وغیرہ۔

ان تمام تراکیب میں ایک لفظ انگریزی سے مستعار ہے تو دوسرا لفظ اردو کا ہے ۔ معیاری زبان میں یہ ترکیبیں ہنوز رائج نہیں ، لیکن اردو زبان میں ان کا چلن خوب ہے ۔ دراصل ترسیلی زبان میں تنوع کی ایک کیفیت

ہوتی ہے ۔ تیز رفتاری سے رونما ہونے والے واقعات و حادثات اور سیاسی، معاشی اور معاشرتی پہلوئوں کا سیدھا رشتہ زبان سے ہوتا ہے ان نئے واقعات وحاد ثات اور سیاسی پہلوئوں کو سمیٹنا اور پھر انہیں پوری تاثیر، ایمانداری اور خوش اسلوبیِ کے ساتھ قارئین یا سامعین تک پہچانا زبان کی اولین ذمے داری ہوتی ہے ۔ لہٰذا یہاں محض روایتی زبان سے کام نہیں چل سکتا اسے اپنے محاورے خود گڑھنے ہوتے ہیں ۔ اور اپنے لیے لفظیات کی تشکیل و تعمیر بھی اسے خود ہی کرنی ہوتی ہے ۔ اس کوشش میں نئے نئے الفاظ اور نئ نئ ترکیبیں وضع ہوتی ہیں ۔ ان میں سے زیادہ تر ٹکسال باہر ہوجاتی ہیں لیکن کچھ معیاری زبان کا حصّہ بھی بن جاتی ہیں ۔

باب کا خلاصہ :

☆ ' صرف ' لفظ کی ساخت کا مطالعہ پیش کرتا ہے ۔

☆ لفظوں کا مارفیمی تجزیہ تصریفی (Inflectional (اور اشتقاقی (Derivational (اصولوں پر ہوتا ہے ۔

☆ سابقے الفاظ کے وہ روپ ہیں جو اصل (stem (کی ابتدا میں ملحق کیے جاتے ہیں ۔

☆ لاحقے ، سابقوں کی طرح ہی بالعموم پابند روپ ہوتے ہیں لیکن بعض لاحقے آزادانہ استعمال ہونے کی بھی صلاحیت رکھتے ہیں ۔ لاحقے لفظ کے آخر میں آتے ہیں ۔

☆ اشتقاق کی ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ اصل لفظ کے وسط میں بھی کسی مصوتے کا اضافہ کرکے معنی ومفہوم میں حسب خواہ تبدیلیاں کرلیتے ہیں ، انھیں وسطیہ کہتے ہیں ۔

☆ اصل لفظ میں مصوتوں کی تبدیلی سے نئے الفاظ وضع کرلیے جاتے ہیں ۔ اس عمل کو اشتقاقی مبادلہ کہتے ہیں ۔

☆ کسی لفظ کو مکرر لاکر ایک نئے لفظ یا ترکیب کو وضع کرنا لفظی تکرار کہلاتا ہے۔

☆ مرکب الفاظ یا ترکیب لفظی دو آزاد الفاظ کی ترتیب سے تشکیل دیے جاتے ہیں۔

☆ مخلوط اشتقاقی ایسی ترکیبوں کو کہتے ہیں جن کا ایک لفظ اردو کا ہو جب کہ دوسرا لفظ کسی دوسری زبان کا ہو۔ایسی ترکیبیں مخلوط ترکیبیں یا Hybridized کہلاتی ہیں۔

اردو نحو

زبانوں کی ساخت کے لسانی مطالعے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ زبانیں کچھ لسانی اصولوں اور ضابطوں کے تحت کام کرتی ہیں ۔ انھیں اصولوں اور ضابطوں کو مجموعی طور پر زبان کی ' قواعد ' کہا جاتاہے ۔ گویا ہر زبان کے قواعدی اصول ہوتے ہیں ۔ زمان و مکان کی تبدیلی کے مطابق ان اصولوں میں بھی تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے ۔ وقت کے کسی خاص نقطے پر مختلف حالات اور وجوہات کی بنا پر کسی زبان کے قواعدی اصولوں کی معیار بندی ہوتی ہے ۔ ساتھ ساتھ یہ بھی طے ہوتاہے کہ مذکورہ زبان میں کو ن سا لفظ استعمال ہوگا اور کون سا نہیں ۔ اس قسم کے عمل سے گزرنے کے بعد و ہ زبان ' معیاری زبان ' کہلاتی ہے ۔لسانیاتی نقطہ نظر سے قواعد کی دو شاخیں ہوتی ہیں) 1 (مارفیمیات یعنی صرف (Morphology) اور) 2 (نحو (Syntax (مشہور ماہر لسانیات " ہال " (Hall) کا خیال ہے کہ " نحوان طریقوں کا مطالعہ ہے جن میں الفاظ استعمال ہوتے ہیں جب کہ مارفیمیات ان طریقوں کا مطالعہ ہے جن سے لفظ بنتے ہیں ۔ " ہال کی پیش کردہ اس تعریف سے صرف و نحو کا فرق واضح ہوجاتا ہے ۔ماہر لسانیات ہاکیٹ (Hocket) کے خیال میں ' نحو ' میں وہ طریقے شامل ہیں جن سے کلام Utterance میں الفاظ اور فوقِ قطعاتی مارفیموں کو ایک دوسرے کے رشتے میں ترتیب دیا جاتا ہے ۔ ان تعریفوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ صَرف اگر ایک جانب لفظوں کی ساخت کا مطالعہ پیش کرتا ہے تو نحو دوسری جانب جملے کی ساخت کو موضوع گفتگو بناتا ہے

۔ یہی وجہ ہے کہ مشہور ماہر لسانیات گلیسن (Gleason) کہتا ہے کہ ” جو ترکیبیں تصریف اور اشتقاق کے عمل سے بنتی ہیں انھیں اور بڑی بندشوں میں ترتیب دینے کے اصولوں کو نحو کہتے ہیں ۔ “ بلوم فیلڈ (Bloom Field) گلیسن کے اس خیال سے اتفاق کرتے ہوئے کہتا ہے کہ نحوی ترکیبیں (construction) وہ ہیں 1 ۔ جن کا کوئی قریبی مشمول (Immediate Coustituent) پابند روپ نہیں ۔ “ ان تمام تعریفوں کی روشنی میں موٹے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ مارفیمیات لفظ کے ساخت کا مطالعہ کرتی ہے ۔ اور نحو لفظ سے بڑی ترکیبوں میں لفظوں کی ترتیب کا مطالعہ کرتی ہے لیکن ان دونوں کی حدود بعض مقامات پر مبہم ہوتی ہیں اور بعض جگہوں پر یہ دونوں شاخیں ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو جاتی ہیں ۔ نحوی مطالعے میں چوں کہ لفظوں کی ترتیب کو خاص اہمیت حاصل ہوتی ہے لہٰذا نحو میں مشمول یا جملوں کو خاص اہمیت دی جاتی ہے ۔ زبان لکھتے وقت جملے کی قواعدی صحت کے لیے ترتیبِ الفاظ کا موزوں ہونا بہت ضروری ہے ۔ کسی بھی زبان میں نحوی اعتبار سے جملے میں آنے والے مختلف الفاظ کی جگہ جملے میں متعین ہوتی ہے ۔ عصمت جاوید کا خیال ہے کہ جملے میں الفاظ کے اپنے موزوں مقام پر واقع ہونے کو ترتیبِ الفاظ کہا جاتا ہے ۔ مثلاً :

(1 اردو نثر میں قریب قریب ہر جملہ فاعل سے شروع ہوتا ہے اور فعل پر ختم ہوتا ہے ۔

(2 ضمائر، زبان کا ایک اہم جزوِ کلام ہیں ۔ کسی بھی زبان میں ضمائر کی تعداد محدود اور مختصر ہوتی ہے ۔ اردو میں ضمائر اپنی آزاد اور پابند دونوں 7 ہیئتوں میں استعمال ہوتی ہیں ۔ عموماً فاعلی حالت میں تقریباً ہر ضمیر اپنی آزاد ہیئت میں آتی ہے ۔ نیز یہ کہ ضمیر کے بعد حرفِ جار کے آنے سے عموماً اول الذکر کی ہیئت میں فرق پڑ جاتا ہے اور یہ بدل جاتی ہے ۔ بدلی

ہوئی ہئیت در اصل ضمیر کی تصریفی ہئیت ہے۔

(3) کسی اسمی ترکیب میں ہندی صفت ہمیشہ اسم سے پہلے آتی ہے۔

(4) صفت اگر فارسی یا عربی سے مستعار ہے تو اسم سے قبل یا اسم کے بعد بھی آ سکتی ہے۔

(5) حروفِ جار عموماً اسم کے بعد واقع ہوتے ہیں۔

1ے اردو کی نئی قواعد، عصمت جاوید، قومی کونسل برائے فروغ اردو، نئی دہلی

(6) تمیزیں یا متعلقاتِ فعل معنیاتی اعتبار سے اگر چہ فعل کو قوت بخشتی ہیں مگر ضروری نہیں کہ فعل کے ساتھ ہی آئیں۔

(7) اردو ضمائر کے استعمال کے سلسلے میں کبھی کبھار کچھ خامیاں دیکھنے کو ملتی ہیں۔زبان و بیان میں اکثر ضمیرِ معکوسی 'اپنا، اپنی، اپنے' کا غیر مناسب استعمال عام سی بات ہے۔ بعض اوقات اسے ضمیرِ اضافی مثلاً میرا، ہمارا، تمھاری، اس کا، ان کا وغیرہ کا متبادل سمجھا جاتا ہے۔

واضح ہو کہ نحوی اعتبار سے اردو جملے میں عموماً مبتدا فوکس (focus) میں رہتا ہے۔ عصمت جاوید کا خیال ہے کہ جب خبر کو فوکس میں لانا ہو تو اِسے جملے کے شروع میں لایا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں مبتدا اور خبر کو ادل بدل کیا جاتاہے۔ یعنی مبتدا کی جگہ خبر اور خبر کی جگہ مبتدا۔ مثال کے طور پر یہ جملہ ملاحظہ ہو۔ 'یہ لڑکا بہت عقلمند ہے'۔ اس جملے کا مبتدا 'یہ لڑکا' ہے اور عموماً یہی فوکس (ارتکاز) میں رہتا ہے۔ اب اِس جملے پر غور کریں۔ 'بہت عقلمند ہے یہ لڑکا'۔ اس جملے میں ارتکاز 'بہت عقلمند ہے' پر ہے۔

ترتیبِ الفاظ کی خامیاں جملے کے معنی کو متاثر کرتی ہیں۔ نتیجے میں جملے سے جو معنیاتی تاثر پیدا ہونا چاہیے وہ نہیں ہو پاتا۔ یہی وجہ ہے کہ ترکیب

لفظی کی اس اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے ” مشمول “ کا نظریہ پیش کیا گیا۔

مشمول (Constituent):

مشمول در اصل وہ مارفیم، لفظ یا ترکیب ہے جو کسی بڑی ترکیب کا جزو ہوتا ہے ۔ عصمتجاوید کا خیال ہے کہ یہ مشمول دوسرے شمول کا روں کے تعلق سے شمول کار ہو سکتے ہیں ۔ مثلاً شمول کار ” تم نے جو کہا تھا، میں ” تم نے “ اور ” جو کہا تھا “ مشمول ہے لیکن ” تم نے جو کہا تھا وہ پورا ہو گیا “ میں ” تم نے جو کہا تھا “ مشمول ہے اور ” تم نے جو کہا تھا وہ پورا ہو گیا “ شمول کار۔یعنی ایک کلام شمول کار ہوتا ہے مشمول نہیں ۔ اس میں شامل ہر مارفیم مشمول ہوتا ہے ، شمول کار نہیں ۔ بیچ کی سب ترکیبیں اپنے سے بڑی ترکیبوں کی مشمول ہوتی ہیں اور اپنے اندر شامل لیکن اپنے سے چھوٹی ترکیبوں کے لیے شمول کار ہوتی ہیں ۔

قریبی مشمول ق ۔ مI.C (Immediate Constituents) :

نحو میں کسی شمول کار کا تجزیہ دو یا اس سے زیادہ مشمولوں میں کیا جاتا ہے ۔ عصمت جاوید کا خیال ہے کہ ایک شمول کار کو اول ان دو قریبی مشمولوں میں بانٹا جاتا ہے جو اس زبان کی قواعد کے تقاضوں سے فطری تقسیم کہلائے گی۔ پھر ہر قریبی مشمول کو اس کے قریبی مشمولوں میں تقسیم کیا جاتا ہے یہاں تک کہ مفرد مارفیم تک پہنچ جاتے ہیں ۔ اسے قریبی مشمول تجزیہ Immediate Constituents کا مخفف .I.C استعمال کیا جاتا ہے ۔ اردو میں قریبی مشمول کا مخفف ق م ’ قم ‘ لکھا جاسکتا ہے ۔ جو ترکیب کسی دوسری ترکیب کی مشمول نہ ہو اسے جملہ کہتے ہیں ۔ جو مشمول کسی دوسرے مشمول پر مشتمل نہ ہو،اسے مارفیم کہتے ہیں ۔ جملے کی خارجی قواعد نہیں ہوتی محض داخلی قواعد ہوتی ہے ۔

قریبی مشمول تجزیہ :

قریبی مشمول تجزیہ نحوی مطالعے میں بہت اہمیت رکھتا ہے ۔ عصمت جاوید کا خیال ہے کہ اس سے ہر جملے یا فقرے کی ساخت عیاں ہو جاتی ہے ۔ قریبی مشمول تجزیہ ایک ڈائی گرام یا بکس میں کیا جاتا ہے ۔ اس کی چند شکلیں درج ذیل ہیں ۔ یہ تجزیے لفظ تک محدود رکھے گئے ہیں ۔ کیوں کہ اردو رسم الخط میں لفظ کے مارفیم علیٰحدہ علیٰحدہ کاٹنا مشکل ہوتا ہے ۔ اصولی طور پر قریبی مشمول تجزیے کو مارفیم تک پہنچنا چاہیے لیکن عملی سہولت کے پیش نظر اسے لفظ تک محدود کیا گیا ہے ۔

'تم نے جو کہا تھا وہ پورا ہو گیا

------ --------

تم نے جو کہا تھا وہ پورا ہو گیا

------ -- ---- ----

اوپر کی تفصیلات سے اندازہ ہوتا ہے کہ قریبی مشمول تجزیہ کرتے وقت جملے یا ترکیب کو بالعموم دو قریبی مشمولوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اور عصمت جاوید کا خیال ہے کہ ان اجزا کو پھر دو مشمولوں میں ، علی ہذالقیاس۔ لیکن نقشہ بناتے وقت ابتدا میں اسے چھوٹے اجزا کا جوڑ دکھایا جاتا ہے اور نیچے کو بڑھتے بڑھتے جملے کے دو قریبی مشمولوں تک پہنچ جاتے ہیں ۔ اس طرح یہ ایک معکوس عمل ہے ۔ بہتر یہ ہے کہ اسے نیچے سے اوپر کو پڑھا جائے ۔ذیل میں چارٹ کے تین طریقے درج کیے جاتے ہیں ۔

جملہ (Sentence):

لسانیات میں جملے کا تصور قواعدی جملے سے مختلف ہے ۔ لسانیاتی نقطہ نظر سے جملہ وہ قواعدی روپ ہے جو کسی قواعدی ترکیب میں مشمول نہیں ہے ۔ عصمت جاوید کا خیال ہے کہ ایسے قواعدی روپ کو جملہ کہتے ہیں ۔ جس طرح ایک انتہا پر آخری مشمول Ultimate Constituent ہوتا ہے

اسی طرح دوسری انتہا پر آخری شمول کار Ultimate Constituent ہوتاہے اور وہی جملہ ہے ۔ یہ دوسری بات ہے کہ بعض صورتوں میں جملے میں مشمول اور شمول کار فرق ہی نہ ہو یعنی پورا جملہ مارفیم کا ہو مثلاً ان ندائیہ جملوں کی ساخت پر غور کریں ۔

راشد : شاہ رخ !

شاہ رخ : ہاں

" شاہ رخ " اور " ہاں " دونوں قول پورے جملے ہیں اور ایک مارفیم کے ہیں ۔ قواعد میں انھیں جملہ نہیں کہتے ۔ لسانیات میں جملہ سے ملتی جلتی ایک دوسری اصطلاح Utterenace کی ہے ۔ Utterenace کی اصطلاح اتنی بات کے لیے استعمال ہوتی ہے جو ایک سلسلے میں بول دی جائے۔ اکثر یہ ایک جملے پر مشتمل ہوتی ہے ۔ لیکن دوسری صورتوں میں ایک سے زیادہ جملوں پر بھی محیط کرتی ہے۔ مثلاً :

آج اتوار ہے ۔ جلدی کیا ہے + چلے جاؤ گے ۔

Utterence کو اردو میں کلام بھی کہا جاتا ہے ۔ ہاکیٹ نے اسے میکروسگمنٹ Macro-Segment کہا ہے ۔تقریر کا جتنا جزو ایک سُر لہر کے تحت بولاجائے میکر وسیگمنٹ ہے ۔ سُر لہر مشتمل ہوتی ہے سر درجوں + خط اختتام پر۔ خط اختتام تین طرح کے ہوتے ہیں ۔ اٹھائو اور گرائو سے بات کا ختم ہوناظاہر ہوتا ہے لیکن ہموار خط اختتام سے ایک خفیف ساوقفہ (جوکاما Comma میں ہوتا ہے) ظاہر ہوتا ہے اور اس کے بعد کسی بات کی توقع رہتی ہے ۔ یعنی ہموار خط اختتام، بات کے نامکمل رہنے کی نشانی ہے ۔ ہموار خط اختتام پر داخلی کھلااتصال Internal Open Juncture ہوتا ہے اور اٹھائو یا گرائو خط اختتام پر خارجی کھلااتصال External Open Juncture ہوتاہے ۔ ہموار خط اختتام کی بہترین مثال گیان چند جین کے

خیال میں مندرجہ ذیل قول :

دس بجے ہیں اب میں چلتا ہوں

ایک جملہ ہے جس میں دو میکر وسیگمنٹ ہیں ۔ روایتی قواعد کے لحاظ سے انھیں دو جملے قرار دیا جائے گا۔

دس بجے ہیں اب میں چلتا ہوں

تو لسانیات اور روایتی قواعد دونوں کے اعتبار سے یہ جملے ہوجائیں گے ۔

دس بجے ہیں اب میں چلتا ہوں

تمھاری طبیعت ٹھیک نہیں اب سو جائو

ان جملوں میں دراصل دو دو فقرے ہیں جن کے بیچ میں حرفِ اتصال محذوف ہے ۔ دراصل قائل یہ کہنا چاہتا ہے ۔

دس بجے ہیں اس لیے اب میں چلتا ہوں

تمھاری طبیعت ٹھیک نہیں اس لیے اب سو جائو ۔

اس لیے کے حذف کے بعد دونوں فقروں کو ملانے والی ترکیب کو Porotoxi کہتے ہیں ۔ اردو میں اسے " ہم نشیبی " کہہ سکتے ہیں ۔ سچ یہ ہے کہ بول چال میں ہم اس لیے ، تو ، لیکن ، کہ ، جیسے اتصال اجزا کو عام طور سے مقدر چھوڑ دیتے ہیں مثلاً :

1 ۔ تمھاری طبیعت خراب ہے سو جائو

2 ۔ اس نے کہا میں جارہا ہوں

3 ۔ نیند آرہی ہے اب میں چلا

4 ۔ چلا تو جائوں میری سنے گا کون

5 ۔ تم چلو میں پانچ منٹ میں آیا

اگر ان میں پہلے فقرے کے بعد ہموار خط اختتام ہے تو دونوں فقرے

مل کر ایک جملہ بنتے ہیں جو قواعدی جملے سے طویل تر ہے۔ اگر ان میں سے پہلے فقرے کے بعد اٹھائو یا گرائو خط اختتام ہے تو یہ دو جملے لیکن ایک Utterence ہے۔ قواعد کے برعکس لسانیات کا یہ اصرار نہیں کہ جملے میں فعل ضرور ہونا چاہیے۔ لسانی نحو کو بول چال کے طریقے سے سروکار ہے۔ روزمرہ کے یہ الفاظ دیکھیے :

1۔ محمود (! ندائیہ)

2۔ حسین (! فجائیہ مثلاً کسی کی وفات پر اس کا نام لے کر بین کیا جائے)

3۔ الف : وہ گیا

ب : کب ؟

4۔ الف : وہ گیا

ب : کس کے ساتھ ؟

5۔ الف : تم چلو گے ؟

ب : ہاں

مندرجہ بالا مثالوں میں پانچ واحد الفاظ محمود ، حسین ، کب ، ہاں اور ایک بغیر فعل کا فقرہ 'کس کے ساتھ' لسانی اعتبار سے جملے کا حکم رکھتے ہیں کیوں کہ ان میں بات مکمل ہوجاتی ہے۔ مروجہ قواعد کے اعتبار سے آخری تین مثالوں میں کچھ محذوف حصے مقدر ہیں جو یہ ہیں۔

وہ کب گیا؟

وہ کس کے ساتھ گیا ؟

ہاں میں جائوں گا۔

لیکن ہمیں اپنی طرف سے الفاظ کا اضافہ کرنے کی ضرورت نہیں جب ان کے بغیر بھی بات پوری طرح سمجھ میں آجاتی ہے۔

باب کا خلاصہ :

☆ زبانوں کی ساخت کے لسانی مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ زبانیں کچھ لسانی اصولوں اور ضابطوں کے تحت کام کرتی ہیں ۔ انھیں اصولوں اور ضابطوں کو مجموعی طور پر زبان کی ' قواعد ' کہا جاتا ہے ۔

☆ قواعد کی دو شاخیں ہوتی ہیں) 1 (مارفیمیات یعنی صرف (Morphology) اور) 2 (نحو) Syntax (

☆ نحو یعنی syntax ان طریقوں کا مطالعہ ہے جن میں الفاظ استعمال ہوتے ہیں جب کہ مارفیمیات یعنی morphology ان طریقوں کا مطالعہ ہے جن سے لفظ بنتے ہیں ۔

☆ جملے کی قواعدی صحت کے لیے ترتیبِ الفاظ کا موزوں ہونا بہت ضروری ہے ۔کسی بھی زبان میں نحوی اعتبار سے جملے میں آنے والے مختلف الفاظ کی جگہ جملے میں متعین ہوتی ہے ۔ جملے میں الفاظ کے اپنے موزوں مقام پر واقع ہونے کو ترتیبِ الفاظ کہا جاتا ہے ۔

☆ ترتیبِ الفاظ کی خامیاں جملے کے معنی کو متاثر کرتی ہیں ۔ نتیجے میں جملے سے جو معنیاتی تاثر پیدا ہونا چاہیے وہ نہیں ہو پاتا ۔

☆ مشمول constituent در اصل وہ مارفیم لفظ یا ترکیب ہے جو کسی بڑی ترکیب کا جزو ہوتا ہے ۔

☆ قریبی مشمول تجزیہ Immediate constituent Analysis نحوی مطالعے میں بہت اہمیت رکھتا ہے ۔

☆ لسانیات میں جملہ کا تصور قواعدی جملے سے مختلف ہے ۔ لسانیاتی نقطہ نظر سے جملہ وہ قواعدی روپ ہے جو کسی قواعدی ترکیب میں مشمول نہیں ہے ۔

ساتواں باب

اردو معنیات

لسانیات کی بعض اہم شاخوں میں سے ایک معنیات ہے ۔ معنیات لسانیات کا ایک اہم نواحی شعبہ ہے ۔ معنیات کے نقطۂ نظر سے سلسلہء کلام کو جن اکائیوں میں بانٹا جاتا ہے وہ ' لفظ ' ہے ۔ یعنی معنیات لفظ کا مطالعہ پیش کرتا ہے ۔ بالفاظ دیگر لفظ کو اکائی ماننا ہی سب سے اہم عملی قدم ہے ۔جملے میں الفاظ ' خاص ' او ر ' امدادی ' طور پر استعمال ہوتے ہیں ۔ خاص لفظ لغوی ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں ۔ مثلاً مندرجہ ذیل جملے میز پر کتاب ہے ۔پر ہم توجہ دیں تو محسوس ہوتا ہے کہ اس جملے میں " میز " " کتاب " اور " ہے " خاص لفظ ہیں جبکہ " پر " امدادی لفظ ہے جو اس جملے کی نحوی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے ۔ کسی بھی زبان میں خاص الفاظ لغوی معنیات کا کام دیتے ہیں تو دوسری جانب امدادی لفظ نحوی معنیات کا ۔ خاص لفظ کے معنی کو کلام کی سیاق کے بغیر بیان نہیں کیا جا سکتا ۔ بالفاظ دیگر سیاق لفظوں کے مختلف معنی کو متعین کرتا ہے گویا سیاق معنی کا پورا سلسلہ قائم کر دیتا ہے سیاق کے بغیر مفرد لفظ کے معنی محض نظریاتی ہوتے ہیں گویا لفظ " شے " کی صوتی علامت ہے ۔

مشہور ماہر لسانیات " فرڈی ننڈ ڈی ساسیور Ferdinand (Saussure (لسانی علامت کو signifiant اور signifie میں تقسیم کرتاہے ۔ signifie اور signifiant کے رشتے کے عدم استحکام کی وجہ سے لفظ و معنی کی مندجہ ذیل صوریتں پیدا ہوتی ہیں ۔

1 مترادفات (Synonymy)

2 ۔ کثیر معنویت (Polysymy)

3 ۔ہم اسمی (Homonymy)

لسانی ترسیلِ خیال مکمل اور با معنی ہوتی ہے ۔ یعنی موضوعاتی اور ہئیتی سطح پر " ترسیل " ایسا روپ اختیار کرتی ہے کہ اس میں معنیاتی تہ داری و بوقلمونی کے ساتھ ساتھ اثر پذیری بھی شامل ہوجاتی ہے ۔ کسی بھی لسانی اظہار میں معنیاتی تہداری اس وقت تک پیدا نہیں ہوتی جب تک خیال کی ترسیل کے لئے مناسب پیرہن اختیار نہیں کیا جاتا۔ اگر ہم اردو زبان کا بغور مطالعہ کریں تو محسوس ہوتا ہے کہ اردو میں ' معنیاتی تہداری " کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں ۔ یعنی اردو شاعری ،اردو ترسیل عامہ" اور اردو صحافت کی زبان میں ایسی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں جہاں " خیال " کو ایسا لسانی پیرہن عطا کیا جاتا ہے کہ ایک خیال ملتے جلتے دوسرے کئی خیالات کو جنم دینے کا کام کرتے ہیں اور اس طرح ایک خیال جس کو مرکزی خیال بھی کہاجاسکتا ہے کہ گرد خیالات کا ہالہ بن جاتا ہے ۔ لسانی اظہار کا یہ انداز مرکزی خیال کی اہمیت کو واضح کرتا ہے اور " خیال " کی تفہیم میں اضافہ کرتا ہے ۔ اس مقصد کے لیے ترسیلی ، ادبی ، اور صحافتی زبان ایسے الفاظ کا استعمال کرتی ہے جو اس کی ترسیل کا حق ادا کریں مثلاً موت جیسی ایک حقیقت کو پیش کرنے کے لیے اردو زبان میں کئی الفاظ ہیں ۔مرگ۔ انتقال۔ وصال۔ جاں بحق۔ہلاک وغیرہ لیکن جب اردو ترسیلی زبان مرگ۔ انتقال اور موت کی جگہ " جاں بحق " یا " ڈھیر ' کا استعمال کرتی ہے تو اس سے جہاں موت کا مفہوم پوری طرح ادا ہو جاتا ہے ۔ وہاں کئی دوسرے ایسے مفاہیم بھی ادا ہوتے ہیں جو موت کو معنیاتی تہداری کے ساتھ ترسیلی قوت سے بھی ہمکنار کر دیتے ہیں ۔اگر ہم مندرجہ ذیل مثالوں پر نظر ڈالیں تو ان کی ترسیلی قوت کا اندازہ ہوتا ہے ۔

صحافتی زبان

1 ۔بی ۔ جے ۔ پی کی سیاسی موت

(راشٹریہ سہارا)

2 ۔ بس حادثے میں دس مسافر جاں بحق

(قومی آواز)

3 ۔ پولس کارروائی میں دہشت گرد ڈھیر

(راشٹریہ سہارا)

4 ۔ کارگل کی کاروائی میں دو جوان شہید

(قومی تنظیم)

ان سرخیوں میں" موت " کے لیے مستعمل " جاں بحق ' ' " ڈھیر " اور " شہید " کا استعمال خبروں کو معنیاتی تہداری سے ہمکنار کرتا ہے ۔

ادبی زبان :

اس کے برعکس پہلی سرخی بی۔ جے پی کی سیاسی موت میں " موت " کا استعمال ایک طرف معنیاتی تہداری کا حق ادا کرتا ہے تو دوسری طرف جمالیاتی تسکین اور زندگی و موت سے متعلق کئی حقائق سے آشنا کرکے بصیر ت سے ہمکنار کرتا ہے ۔

ان تفصیلات سے اندازہ ہوتا ہے کہ الفاظ کا انتخاب بذات خود ایک بڑا فن ہے ۔ خبر نگاری میں صحیح لفظ کا استعمال ' خیال ' کی ترسیلی قوت میں اضافہ کرتا ہے ۔ لہذا زبان میں لفظ کی معنوی تہداری کی اہمیت کو سمجھنا نہاہت ضروری ہے ۔ انتخاب الفاظ کے فن تک رسائی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک " راسل " اور " مرسل " لفظ کے نبّاض ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے حسّی اثر پذیری کے جوہر سے بھی آشنا نہ ہوں ۔ ان حقائق کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ " الفاظ "کسی ساز کے ان تاروں کی طرح

ہوتے ہیں جن سے مضراب کے چھو جانے سے طرح طرح کے نغمے پھوٹتے ہیں۔ زبان میں یہ نغمے معنی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لہذا ترسیل خیال میں لفظ و معنی کی اس اہمیت کو سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے لفظ و معنی کے اسی رشتے میں "سیاق" کی اتنی اہمیت ہے۔ ایک لفظ کی سیاقِ تقریر کی وجہ سے مختلف معنی متعیّن ہو سکتے ہیں گویا سیاق معنی کا سلسلہ قائم کر دیتا ہے۔ سیاق کے بغیر لفظ کے معنی محض نظریاتی ہوتے ہیں۔ اس بات کی وضاحت کے لیے ہم مندرجہ بالا مثالوں میں سے پہلی سرخی "بی۔جے۔پی کی سیاسی موت" کا جائزہ لیں تو محسوس ہوتا ہے کہ لفظ "موت" اپنے روایتی معنی سے بالکل الگ استعمال ہوا ہے۔ گویا لفظ کا سیاق لفظ کے معنی سے وسیع تر ہوتا ہے اس لیے معنی کا انحصار سیاق تقریر پر ہوتا ہے۔ ترسیل معنی کا اگر تجزیہ کیا جائے تو ہمیں ایک طرف تو "راسل" اور مرسل" کی اہمیت دکھائی دیتی ہے تو دوسری طرف علامت کے دو رخوں کی اہمیت۔ لسانی علامت کا ایک رخ خارجی ہوتا ہے۔ خارجی رخ لفظ کی صوتی شکل ہے۔ دوسرا رخ داخلی ہوتا یہ جسے signified یا مرموز کہہ سکتے ہیں۔

محولہ تصور

Reference

محولہ شے علامت

Reference Symbol

ان تفصیلات سے اندازہ ہوتا ہے کہ لفظ و معنی کا رشتہ مہمل (Vague) ہوتا ہے۔ یعنی اس کی حدود قطعی نہیں ہوتیں۔ لفظ و معنی کے اس رشتے میں ابہام کی ایک اہم وجہ ترادف (synonymy) ہے۔

مترادفات (Synonymy)

زبان میں مترادفات وہ الفاظ ہیں جن کے معنی یکساں ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان الفاظ میں بھی سچّی ہم معنویت نہیں ہوتی کیونکہ زبان میں لفظ کے معنی کا انحصار سیاق پر ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر لفظ کا مفہوم بالکل متعین اور قطعی نہیں ہوتا اور اس میں ابہام کا دخل ہوتا ہے۔ اس بات کی مزید وضاحت کے لیے مندرجہ ذیل سرخیوں پر نگاہ ڈالیں۔

1۔ فوجی کارروائی میں دس دہشت گرد ہلاک (قومی آواز)

2۔ کشمیر میں فوج اور انتہاپسندوں میں جھڑپ (قومی آواز)

3۔ شری لنکائی فوج کی نظر تمل ملٹنٹ پر (راشٹریہ سہارا)

4۔ شری لنکا میں تین شدّت پسند گرفتار (آل انڈیا ریڈیو)

5۔ کشمیری مجاہدین شہید (ریڈیو پاکستان)

6۔ وادی میں دو انتہاپسندوں سمیت آٹھ ہلاک (ہندو سماچار)

تو محسوس ہوتا ہے کہ " دہشت گرد " " انتہاپسند " " ملٹنٹ " " شدّت پسند " اور " مجاہد " وہ الفاظ ہیں جن کے معنی یکساں ہیں لیکن ان میں لغوی معنی کے علاوہ کسی نہ کسی قسم کا جذباتی لہجہ بھی شامل ہے۔ گو کہ ان الفاظ کا ایک دوسرے کی جگہ بے تکلف استعمال کیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود ان میں سچی ہم معنیویت نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ہم انکے ترسیلی ماحول کا جائزہ لیں تو محسوس ہوتا ہے کہ ان میں کوئی نہ کوئی ایک ایسا ترسیلی ماحول ہے جس کی وجہ سے ایک لفظ دوسرے لفظ سے زیادہ موزوں ہو جاتا ہے۔ اس بات کی مزید وضاحت کے لیے کہا جاسکتا ہے کہ آخری سرخی " کشمیری مجاہدین شہید " کا ترسیلی ماحول دیگر سرخیوں کے ترسیلی ماحول سے مختلف ہے۔ پاکستان ریڈیو کی یہ سرخی ترسیلی سطح پر " مجاہدین " کے لیے اپنی ہمدردی کا اظہار کرتی ہے۔ جبکہ دوسری تمام سرخیوں میں ہمیں اس " ہمدری " کا احساس نہیں ہوتا۔ تقریباً یہی کیفیت مندرجہ ذیل سرخیوں میں

بھی نظر آتی ہے۔

1۔ سر لنکا میں مذاکرات کے تعطل سے ناروے نا امید (راشٹریہ سہارا)

2۔ سر لنکا میں بات چیت ختم (آل انڈیا ریڈیو)

3۔ سری لنکا میں امن کے لیے گفت و شنید (قومی آواز)

ان سرخیوں میں بھی " مذاکرات " " بات چیت " اور "گفت و شنید " وہ ترکیبات ہیں جن کے معنی بظاہر یکساں ہیں لیکن ان مثالوں میں بھی مترادف جوڑوں کا پہلا لفظ " مذاکرات " بر جستہ ہے۔ بعض صورتوں میں مترادفات عقلی لحاظ سے قابل تبادل ہوتے ہیں لیکن ترسیلی لحاظ سے نہیں۔ جبکہ بعض صورتوں میں مترادف جوڑوں کو مترادف کہنا بھی ٹھیک نہیں انھیں ہم معنی کہا جا سکتا ہے۔ ان مثالوں کے تجزیہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مترادفات بعض صورتوں میں " خبر " کی ترسیلی قوت کو اجاگر کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں تو بعض دوسری صورتوں میں ابہام (vagueness) کا سبب بنتے ہیں۔ اردو ترسیل عامہ کی زبان میں مستعمل مترادفات پر اگر ہم نظر ڈالیں تو محسوس ہوتا ہے کہ ان مترادفات کی ایک اہم وجہ " مستعاریت " ہے۔ مستعاریت ایک زبان میں دوسری زبان سے الفاظ مستعار لیے جانے کا عمل ہے۔ مستعاریت کے اس عمل کی وجہ سے بھی مترادفات میں اضافہ ہوتا ہے۔ مثلاً مندرجہ بالا سرخیوں میں " دہشت گرد " " انتہا پسند " اور " شدّت پسند " کے ساتھ ساتھ ملٹنٹ (militant) کا استعمال حصولی زبان میں مترادف لفظ میں اضافے کی عمدہ مثال ہے۔

کثیر معنویت (Polysemy)

ماہرین لسانیات کا خیال ہے کہ کسی لفظ کے معنی کی تین قسمیں ہوتی ہیں) 1 (مرکزی معنی) 2 (اطلاقی معنی) 3 (جذباتی معنی۔ اگر تھوڑی

دیر کے لیے جذباتی معنی سے صرف نظر کر لیا جائے توزبان میں دو قسم کے معنی ہی بچتے ہیں ایک مرکزی معنی اور دوسرا اطلاقی معنی۔ مرکزی معنی کو بالعموم لغوی معنی کہا جاتا ہے جبکہ اطلاقی معنی کو عام فہم زبان میں سیاقی معنی کہا جاتا ہے ۔ مرکزی معنی یا لغوی معنی کا تعلق زبان یا لانگ Langue سے ہے جبکہ اطلاقی یا سیاقی معنی کا تعلق تکلّم یا Parole سے ہے ۔ زبان میں الفاظ اپنے لغوی معنی کے ساتھ ساتھ اطلاقی معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں جو کثیر معنویت کا سبب بنتے ہیں یہی وجہ ہے کہ کثیر معنوی الفاظ کے متعلق یہ طے کرنا مشکل ہوجاتا ہے کہ انھیں ایک لفظ تصوّر کیا جائے کہ کئی الفاظ۔کیونکہ لفظوں کے تاریخی ارتقا کا اگر جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ایک مرکزی مفہوم سے کئی مفہوم پھوٹتے جاتے ہیں جو کثیر معنویت کا سبب بنتے ہیں ۔ اس طرح لفظوں کا معنوی دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جاتا ہے۔ کثیر معنویت ترسیل خیال میں اگر ایک جانب معاون ثابت ہوتی ہے تو دوسری جانب اس سے ابہام Vagueness کا پہلو بھی نکلتا ہے ۔

اردو زبان کے تجزیہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اردو زبان میں کثیر معنویت الفاظ کا استعمال خوب ملتاہے ۔ اردو ادب کی زبان میں بھی کثیر معنوی الفاظ کا استعمال عام طور سے نظر آتا ہے ۔

اگر ہم مترادفات اور ہم معنی الفاظ کا بغور جایزہ لیں تو ہم معنی الفاظ یا مترادفات میں ایک لطیف سا معنوی فرق نظر آتا ہے ۔ مثلا چاند، قمر یا ہلال میں معنوی یکسانیت کے باوجود ایک لطیف سا معنوی فرق دستیاب ہے ۔بہر کیف مترادفات کا یہ بنیادی تصور معنوی یکسانیت پر انحصار کرتا ہے ۔ بالفاظ دیگر اگر الف ب کی ترجمانی کرتا ہے اور ب الف کی تو الف اور ب مترادفات کے ضمرے میں آتے ہیں ۔ مثلاً اگر ہم مندجہ ذیل جملوں کا

جائزہ لیں ۔ تو ظاہر ہوتا ہے کہ ان جملوں میں معنوی یکسانیت موجود ہے ۔

وہ دیوانہ ہے ،

وہ پاگل ہے ،

وہ مجنوں ہے ۔

ان تفصیلات کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ مترادفات میں مندرجہ ذیل خصوصیات نظر آتی ہیں ۔

1 ۔ ان میں معنوی یکسانیت ہوتی ہیں

2 ۔مترادفات ایک دوسرے کے متبادل ہوتے ہیں ۔

لہذا کسی معنوی فرق کے بغیر کسی ایک لفظ کی جگہ دوسرے کا انتخاب ممکن ہے ۔ اور اسلوبیاتی ترجمہ میں یہ معاون ثابت ہوتے ہیں ۔ مشہور ماہر معنیات جان لائنس JohnLyons کے خیالات میں مترادفات کو دو خانوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ۔

1 ۔ حقیقی مترادفات

2 ۔ ذیلی مترادفات

حقیقی مترادفات معنوی اعتبار سے تقریباً یکساں ہوتے ہیں ۔ جبکہ ذیلی مترادفات ذیلی مفہوم کی ترجمانی کرتے ہیں ۔ مثلاً قمر اور ہلال کی معنوی یکسانیت ذیلی مترادفات کے ضمرے میں آتی ہے ۔کیونکہ ہلال نو زائدہ چاند کو کہتے ہیں ۔ اس لیے انکے درمیان معنوی رشتہ ذیلی رشتہ ہے ۔بعض ماہرین کا خیال ہے کہ مترادفات میں در جاتی فرق نظر آتا ہے اگر الف معنوی مثال کے طور پر قمر اور مہتاب معنوی اعتبار سے ایک دوسرے کے قریب ہیں تو ضروری نہیں کہ قمر اور ہلال کے مابین بھی وہی معنوی یک رنگی دستیاب ہو۔

مترادفات کے دائرہ میں مترادفات cognative کو بھی شامل کیا جا

سکتا ہے ۔ مترادفات cognative کا تعیّن یکساں خیال کی ترجمانی کی بنیاد پر کیا جاسکتا ہے ۔ آہ بظاہر تکلیف اور درد کا مترادف نہیں ہے ۔ لیکن مترادفات Cognative کے اصولوں کے مطابق اسے ہم تکلیف اور درد کا مترادف قرار دیتے ہیں ۔ مزید وضاحت کے لیے اردو زبان کے بعض اخبارات میں مستعمل بابری مسجد متنازعہ ڈھانچہ کو مترادف cognative کے ضمرے میں رکھ سکتے ہیں ۔ کیونکہ یہ دونوں ایک ہی حقیقت کی ترجمانی کرتے ہیں ۔ ان کے درمیان فرق صرف پیش کش کا ہے ۔ بابری مسجد ایک حقیقت کا بے باکانہ اظہار ہے تو متنازعہ ڈھانچہ اس حقیقت کا مصلحتی اظہار۔

ضد :) Antonym (

دو الفاظ کے مابین معنوی تضاد سے اضداد کی تشکیل ہوتی ہے ۔ گویا اضداد ایسے لفظی جوڑے ہوتے ہیں جو معنوی اعتبار سے ایک دوسرے کے مخالف اور متضاد ہوتے ہیں ۔ ان جوڑوں کا کوئی ایک لفظ اگر اثبات کا پہلو ظاہر کرتا ہے تو اس کے برعکس دوسرا نفی کی طرف اشارہ کرتا ہے ۔ گویا کسی شبیہے یا حقیقت کے سبب اور منفی، تذکیر و تانیث اور اس طرح کے دوسرے متضاد پہلوؤں کو اجاگر کرنے والے لفظی جوڑے متضاد الفاظ بناتے ہیں ۔ متضاد الفاظ بالعموم دو خانوں میں تقسیم کئے جاتے ہیں ۔ حقیقی تضاد اور درجاتی تضاد۔

حقیقی تضاد :

متضاد الفاظ کے ایسے جوڑے جو حتمی متضاد صورتوں کی عکاسی کرتے ہوں حقیقی تضاد کے ضمرے میں آتے ہیں ۔ مثال کے طور پر ۔ مرنا اور جینا، رات اور دن وغیرہ یہ جوڑے قطعی اور حتمی طور پر ایک دوسرے کی نفی کرتے ہیں اور انکے درمیان کوئی درجاتی فرق نہیں ہے ۔لہذا انھیں حقیقی

تضاد کہا جاتا ہے ۔

درجاتی تضاد :

درجاتی تضاد کے ضمرے میں ایسے اضداد کا شمار ہوتا ہے جو ایک دوسرے کے متضاد تو ضرور ہیں لیکن اس تضاد میں درجاتی فرق حائل ہوتا ہے ۔ کتنا اور کیسا جیسے استفہامی الفاظ سے اس تضاد پر سوالیہ نشان بنائے جا سکتے ہیں ۔ مثال کے طور پر سرد و گرم، لمبا اور ناٹا۔ شیریں اور تلخ کے درمیان درجاتی تضاد کا سوال اٹھایا جاسکتا ۔اردو زبان میں مترادفات اور اضداد کا استعمال عام ہے ۔مثال کے طور پر اردو اخبارات کی زبان میں انگریزی لفظ Militant کے لئے ... جنگجو، انتہاپسند، دہشت پسند، عسکریت پسند، مجاہد وغیرہ مترادفات کثرت سے استعمال ہوتے ہیں ۔انگریزی لفظ Militant کے ان اردو مترادفات کے تجزیاتی مطالعے سے یہ حقیقت بخوبی عیاں ہوجاتی ہے کہ یہ لفظی جوڑے اگرایک جانب مترادف ہیں تو بعض اعتبار سے ایک دوسرے کے ضد بھی ہیں ۔ یہ الفاظ مترادف محض اس لئے ہیں کہ یہ کسی ایک شے شخص یا حقیقت کی نشاندہی کے لئے مستعمل ہیں ۔ لیکن معنوی اعتبار سے ان میں قطبین کا فرق ہے۔ مثلاً لفظ مجاہد اور دہشت گرد میں قطبین کا فرق ہے ۔ بہر کیف ان مترادفات میں سے کسی ایک لفظ کا انتخاب راسل کے ذہنی روّیے کی نشاندہی کرتا ہے ۔ اردو اخبارات کی بعض سرخیوں کے جائزے سے راسل کے ذہنی روّیوں اور مرسل تک ایک ہی حقیقت کو مختلف اندازو اثرات کے ساتھ پہنچانے کی سعی کا اندازہ ہوتا ہے اور اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ بعض سرخیوں میں جنگجو سے مخاصمت کا اظہار ہوتا ہے ،تو بعض دوسری سرخیوں سے راسل کے محتاط روّیے کا اندازہ ہوتا ہے ۔ جبکہ چند اور سرخیاں جنگجو کی براہ راست حمایت اور ہمدردی کی ترجمان ہیں ۔ سطوربالا سے ظاہر ہے کہ

اسلوب بیاں کی تشکیل میں مترادفات اور اضداد کا بنیادی رول ہوتا ہے ۔ یہ مترادات اور اضداد نہ صرف یہ کہ معنی کا اظہار کرتے ہیں بلکہ راسل کے ذہنی روّیے کی غمّازی بھی کرتے ہیں ۔

پرا گمیٹکس : (Pragmatics)

ماحول ، حوالے ، محل وقوع کی تبدیلیاں الفاظ کے متعیّن معنی و مفہوم میں تغیّرات رونما کرتی ہے ۔ ان تغیّرات کا مطالعہ Pragmatics کے دائرہ عمل میں آتا ہے ۔ یہ امر مسلمّہ ہے کہ الفاظ کے معنی و مفہوم کے تعیّن میں لفظ بنیادی رول انجام دیتے ہیں ۔ مثلاً جاں بحق ہونا ہلاک ہونا، شہید ہونا، جہنم واصل ہونا۔ فنا کے گھاٹ اترنا وغیرہ وغیرہ اس میں سے ہر لفظ جہاں موت یا مرنے کی خبر دیتا ہے وہیں ان کے استعمال سے پیدا ہونے والے تاثرات میں خاصہ فرق آ جاتا ہے ۔علم السانیات میں مترادفات اور انکے استعمال کے متعلق مسائل کا مطالعہ اس علم کی دو شاخوں (1) معنیات (Semantics) اور (2) پرا گمیٹکس (Pragmatics) کی روشنی میں کیا جاتا ہے ۔

1 ۔ جیسا کہ ہم سب واقف ہیں علم لسانیات کی اس شاخ معنیات (Semantics) میں لفظ اور معنی کے باہمی رشتے سے بحث کی جاتی ہے ۔ اگر یہ بحث محض لفظ اور معنی کے باہمی رشتے تک محدود رہتی ہے تو اسے ہم لفظی معنیات) Lexical Semantics (کا نام دیتے ہیں ۔ بصورت دیگر اسے معنیات کہتے ہیں ۔

پرا گمیٹکس Pragmatics میں مترادفات کا مطالعہ لفظ اور اس کے استعمال کی روشنی میں کیا جاتا ہے ۔یہ باہمی رشتہ معنوی ہم اہنگی اور تضاد پر قائم ہوتاہے ۔ اس طرح الفاظ کو ہم مندرجہ ذیل دو خانوں میں تقسیم کرتے ہیں ۔

الفاظ کی معنوی ہم آہنگی مترادفات کا تصور پیش کرتی ہے ۔ قواعد کی روایتی اصطلاحوں میں ایسے تمام لفظی جوڑے مترادفات کے ضمرے میں آتے ہیں ۔لیکن پراگمیٹکس Pragmatics مترادفات کے بنیادی تصوّر کی منکر ہے ۔ ماہرین لسانیات کا خیال ہے کہ مترادفات میں ظاہری طور پر تو یقیناً ایک معنوی یکسانیت نظر آتی ہے ۔ لیکن اگر بہ نظر غائر جائزہ پیش کیا جائے ٗ تو محسوس ہوتا ہے کہ لفظ دراصل علامتوں کا صوتی اظہار ہے اور انسانی ذہن میں علامتوں کی تشکیل ایک ایسا ذہنی عمل ہے جسکی بنیاد حرکت پر قائم ہوتی ہے ۔

باب کا خلاصہ :

☆ معنیات لسانیات کا ایک نواحی شعبہ ہے ۔

☆ معنیات کے نقطۂ نظر سے سلسلہء کلام کو جن اکائیوں میں بانٹا جاتا ہے وہ ' لفظ ' ہے ۔ یعنی معنیات لفظ کا مطالعہ پیش کرتا ہے ۔

☆ جملے میں الفاظ ' خاص ' اور ' امدادی ' طور پر استعمال ہوتے ہیں ۔

☆ خاص لفظ لغوی ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں ۔

☆ امدادی لفظ ہے جملے کی نحوی ضرورتوں کا پورا کرتا ہے ۔

☆ کسی بھی زبان میں خاص الفاظ لغوی معنیات کا کام دیتے ہیں تو دوسری جانب امدادی لفظ نحوی معنیات کا ۔

☆ خاص لفظ کے معنی کو کلام کی سیاق کے بغیر بیان نہیں کیا جا سکتا ۔ بالفاظ دیگر سیاق لفظوں کے مختلف معنی کو متعین کرتا ہے ۔

☆ سیاق معنی کا پورا سلسلہ قائم کر دیتا ہے سیاق کے بغیر مفرد لفظ کے معنی محض نظریاتی ہوتے ہیں گویا لفظ " شے " کا صوتی علامت ہے ۔

☆ لفظ و معنی کا رشتہ مہمل vague ہوتا ہے ۔ یعنی اس کی حدود قطعی نہیں ہوتیں ۔

☆ زبان میں مترادفات وہ الفاظ ہیں جن کے معنی یکساں ہوں۔

☆ لفظ کے معنی کی تین قسمیں ہوتی ہیں) 1 (مرکزی معنی) 2 (اطلاقی معنی) 3 (جذباتی معنی۔

☆ مرکزی معنی کو بالعموم لغوی معنی کہا جاتا ہے جبکہ اطلاقی معنی کو عام فہم زبان میں سیاقی معنی کہا جاتا ہے۔

☆ حقیقی مترادفات معنوی اعتبار سے تقریباً یکسا ں ہوتے ہیں۔ جبکہ ذیلی مترادفات ذیلی مفہوم کی ترجمانی کرتے ہیں۔

☆ اضداد ایسے لفظی جوڑے ہوتے ہیں جو معنوی اعتبار سے ایک دوسرے کے مخالف اور متضاد ہوتے ہیں۔ ان جوڑوں کا کوئی ایک لفظ اگر اثبات کا پہلو ظاہر کرتا ہے تو اس کے برعکس دوسرا نفی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

☆ ماحول، حوالے، محل وقوع کی تبدیلیاں الفاظ کے متعیّن معنی و مفہوم میں تغیّرات رونما کرتی ہے۔ ان تغیّرات کا مطالعہ Pragmatics کے دائرہ عمل میں آتا ہے۔

آٹھواں باب

ہندوستان کا لسانی پس منظر

ہر زبان کا اپنا ایک علاقہ ہوتا ہے جس میں وہ بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں کسی زبان کا ذکر آتا ہے تو ذہن فوراً اس کے علاقے کی جانب منتقل ہوجاتا ہے۔چنانچہ زمین سے وابستگی زبان کو نہ صرف مقامی امتیازات بخشتی ہے بلکہ اس کے تصور میں بھی قیام و دوام کا رنگ بھر دیتی ہے۔ اس پس منظر میں جب ہم ہندوستان کی لسانی صورت حال کا جائزہ لیتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان آبادی کے لحاظ سے چین کے بعد دوسر ،اور کثیر لسانی حیثیت سے دنیا میں پہلا مقام رکھتاہے۔ 2001 کی مردم شماری کے مطابق ہندوستان کی آبادی ایک ارب دو کروڑ ستر لاکھ پندرہ ہزار دو سو سینتالیس (1,0270,15,247) ہے۔ یہاں چار لسانی خاندانوں کی زبانیں بولی جاتی ہیں جن کا تناسب کچھ اس طرح ہے۔

ہند آریائی خاندان کی زبانیں 74.13 فی صد

دراوڑی خاندان کی زبانیں 24.07 فی صد

آسٹرک خاندان کی زبانیں 1.20 فی صد

تبتی برمی خاندان کی زبانیں 0.60 فی صد

ان کے علاوہ ہندوستان میں کوہ ہمالہ کی کچھ زبانیں ایسی بھی ہیں جن کی درجہ بندی اب تک نہیں ہوپائی ہے۔ ایسی زبانیں بالعموم unclassified زبانیں کہلاتی ہیں۔ 2001 کی مردم شماری کے مطابق ہندوستان کی زبانوں کی بالترتیب اس طرح درجہ بندی کی جاسکتی ہے۔

زبان کل آبادی فی صد

1 ہندی بولیاں ٪41.03 42,2048,642

2 بنگالی ٪8.11 8,3369,769

3 تلگو ٪7.19 7,4002,856

4 مراٹھی ٪6.99 7,1936,894

5 تمل ٪5.91 6,0793,814

6 اردو ٪5.01 5,1536,111

7 گجراتی ٪4.48 46,091,617

8 کنڑ ٪3.69 37,924,011

9 ملیالم ٪3.21 33,066,392

10 اڑیہ ٪3.21 33,017,446

11 پنجابی ٪2.83 29,102,477

12 اسمی ٪1.28 13,168,484

13 میتھلی ٪1.18 12,179,122

14 سنتھالی ٪0.63 6,469,600

15 کشمیری ٪0.54 5,527,698

16 نیپالی ٪0.28 2,871,749

17 سندھی ٪0.25 2,535,485

18 کونکنی ٪0.24 2,489,015

19 ڈونگری ٪0.22 2,282,589

20 میتی (منی پوری ٪0.14 1,466,705)

21 بوڈو ٪0.13 1,350,478

22 سنسکرت 14,135

2001 کی مردم شماری کے لحاظ سے مندرجہ ذیل زبانوں کے بولنے

والوں کی تعداد دس لاکھ سے زیادہ ہے۔

کھندیسی (Khandeshi) 20,75,258

کھاسی (Khasi) 11,28,575

منڈاری (Mundari) 10,61,352

ہو (Ho) 10,42,724

2001 کی مردم شماری کے لحاظ سے مندرجہ ذیل زبانوں کے بولنے والوں کی تعداد دس لاکھ سے کم ہے۔

کوئی کوئی (KuiKui) 916,22

گارو (Garo) 889,479

کوک بوروک (Kokborok) 854,023

ان تفصیلات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان میں 2001 کی مردم شماری کے لحاظ سے کئی مادری زبانیں اہم ہیں۔ آٹھویں شیڈول کی 22 زبانوں کو ہندوستان کی 87.13 فی صد آبادی بولتی ہے جن میں ایک تہائی زبانیں ہند آریائی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ ہندوستان میں کوہ ہمالہ کے اطراف کی کئی زبانیں ایسی ہیں جن کی ابھی درجہ بندی نہیں ہوئی ہے۔ اس لسانی اعداد و شمار کے مطابق ہندوستان کی 325 بڑی زبانیں ملک کے مختلف صوبوں اور مرکز کے زیر نگرانی علاقوں میں اس طرح بولی جاتی ہیں:

199 زبانیں صرف ایک صوبے میں بولی جاتی ہیں

98 زبانیں دو صوبوں میں بولی جاتی ہیں

29 زبانیں تین صوبوں میں بولی جاتی ہیں

12 زبانیں چار صوبوں میں بولی جاتی ہیں

14 زبانیں پانچ صوبوں میں بولی جاتی ہیں

2 زبانیں یعنی انگریزی اور سندھی دس سے گیارہ صوبوں میں بولی جاتی

ہیں

ایک زبان یعنی مراٹھی بارہ صوبوں میں بولی جاتی ہے

2 زبانیں یعنی تلگو اور راجستھانی تیرہ سے سولہ صوبوں میں بولی جاتی ہیں

اردو کے علاوہ ہندی اور مارواڑی اکیس سے بائیس صوبوں اور مرکز کے زیرانتظام علاقوں میں بولی جاتی ہیں۔

مارواڑی تجارت پیشہ لوگ ہیں اس لیے زیادہ ریاستوں میں پھیلے ہوئے ہیں لیکن زبان کے بولنے والوں کی تعداد اردو اور ہندی کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ جنوبی ہندوستان میں ہندی کا وہ مقام نہیں ہے جو اردو کو حاصل ہے اس لیے بلاتکلف یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں اردو واحد زبان ہے جو اکیس سے بائیس صوبوں اور مرکز کے زیر انتظام علاقوں میں نہ صرف ایک نمائندہ زبان کی حیثیت رکھتی ہے بلکہ تاریخی اعتبار سے ہندی اور مارواڑی زبانوں سے زیادہ قدیم ہے اور ان دونوں کے مقابلے میں زبردست ادبی روایت بھی رکھتی ہے۔

گریرسن کا لسانی جائزہ ہند:

ان تفصیلات کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ زبان مکان میں نہیں مکین کی نوک زبان پر رہتی ہے لہذا یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ زبان یا بولی ایک سماجی عمل ہے چونکہ انسان کسی نہ کسی علاقے میں بستا ہے اس لیے زبان کے علاقے کی جانب ذہن کا منتقل ہونا ایک فطری عمل ہے۔

ہندوستانی زبانوں کے لسانی مطالعے کی باقاعدہ پہلی کوشش گریرسن کے "لسانی جائزہ ہند" میں ملتی ہے۔ گریرسن کا لسانی جائزہ ہند Linguistic Survey of India ایک بڑا علمی کارنامہ ہے۔ ماہرین لسانیات کے لیے ایک ایسی تحقیق ہے جس سے زبانوں کے متعلق اور ان پر کام کرنے کی

تحریک ملتی ہے ۔ گریرسن نے اپنے سروے میں ہندوستان کی 179 زبانوں اور 544 بولیوں کی نشان دہی کی ہے ۔ جسے بعد میں ضمیمہ دے کر 822 کردیا گیا ۔ گریرسن نے جو خود بھی سرکاری افسر تھا ضلع کے دوسرے افسروں اور سیاسی ایجنٹوں کی مدد سے سوال ناموں کے ذریعے حاصل کی ہوئی معلومات کی بنیاد پر زبانوں اور بولیوں کی فہرست تیار کی اور 1891 ئکی مردم شماری کے مواد کی شمولیت کے بعد زبانوں کی درجہ بندی کی ۔ گریرسن نے شمال مغربی زبانوں کو 1911 ئکی مردم شماری کی بنیاد پر قائم کیا اور ورناکلر vernacular کو بیرونی زبانوں سے الگ رکھا ۔ گریرسن کی یہ تحقیق ایک تاریخی دستاویز ہے ۔ اس کی قدر وقیمت اس لیے بھی بڑھ جاتی ہے کہ یہ ہندوستانی زبانوں کا پہلا ایسا لسانی خاکہ ہے جس میں بیشتر زبانوں اور بولیوں کی نہ صرف نشان دہی ہوتی ہے بلکہ ان کی صوتی ، صرفی، نحوی اور لفظی خصوصیات کے ساتھ زبانوں کے درمیان باہمی رشتوں اور بولنے والوں کے لسانی رویوں کی تفصیل بھی ملتی ہے ۔جارج گریرسن کے اس لسانیاتی جائزہ ہند میں لوک ادب کی مثالیں مقامی رسم خط یا رومن میں دی گئی ہیں ۔ اس لسانیاتی جائزے کی تیاری میں کمپیل کی بنگالی ایشیاٹک سوسائٹی) 1866 (سے بھی استفادہ کیا گیا ہے ۔ یہ تحقیق مقامی افسروں کے تعاون سے 1897 میں چھپ کرمنظر عام پر آئی ۔ ” لسانی جائزہ ہند “ کی تیاری کے وقت گریرسن کے سامنے چار مقاصد تھے ۔

) 1 (انیسویں صدی میں بولی جانے والی ہندوستانی زبانوں اور بولیوں کی ساختوں کا اجمالی خاکہ تیار کرنا

) 2 (ہند آریائی ، تبت و برمی اور آسٹر ک خاندان السنہ میں زبانوں کی تاریخی درجہ بندی کرنا

) 3 (ہندوستانی زبانوں اور بولیوں کے علاقے اور ان کے تعلق سے

رونما ہونے والی تبدیلیوں کا جائزہ لینا

(4) اور زبانوں کے کارپس کے سیٹ تیار کرنا

جارج گریرسن کے اس لسانیاتی جائزہ ہند کے کچھ منفی پہلو بھی ہیں۔ سب سے بڑا مایوس کن پہلو یہ ہے کہ اس جائزے کا طریق کار سائنٹفک نہیں ہے۔ جن سے مواد جمع کرایا گیا ہے وہ لوگ تربیت یافتہ نہیں تھے، اس لیے مواد صحت مند نہیں تھا۔ چنانچہ تجزیے کے بعد اخذ شدہ نتائج پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ جنوبی ہندوستان کی زبانوں اور ان کی بولیوں کو یکسر نظر انداز کردیا گیا ہے۔ برآمد شدہ نتائج لغت اور صوری ساخت کی بنیاد پر قائم ہوئے ہیں۔ لسانیات کو اہمیت تو دی ہے لیکن اس سے بول چال میں پیدا ہونے والی تفریق کے بارے میں کچھ نہیں کہا گیا ہے۔ زبانوں کی درجہ بندی میں ایک بڑی غلطی شورسینی، اپ بھرنش کو لے کر ہوئی ہے جس کے علاقوں کو مشرقی ہندی اور مغربی ہندی میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یہاں لفظ ہندی کے استعمال سے ایک سقم پیدا ہوا ہے۔ گویا شورسینی اپ بھرنش سے متعلق تمام زبانوں اور بولیوں میں موجودہ ہندی کی بولیاں یا اس کی علاقائی شکلیں ہیں، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ مغربی اور مشرقی ہندی میں جو زبانیں اور بولیاں شامل کی گئی ہیں وہ ہندی سے سیکڑوں برس پرانی اور اپنی زبردست ادبی روایت رکھتی ہیں، جیسے برج بھاشا، اودھی اور اردو وغیرہ، مزید برآں تحقیق کی رو سے ہندی، شورسینی اپ بھرنش کی کھڑی بولی سے ماخوذ ہے۔ سنیتی کمار چٹرجی نے گریرسن کی اندرونی اور بیرونی زبانوں کی تقسیم کو لسانی اعتبار سے مہمل قرار دیا ہے۔ بی مجمدار کا خیال ہے کہ گریرسن کے لسانیاتی فیصلے قولِ فیصل کا درجہ نہیں رکھتے کیوں کہ انھوں نے زبان کے کنڈے سمجھنے کے صرفی و نحوی ساختوں کے بجائے محض لغت اور صوتی ساختوں پر غیر معمولی زور دیا ہے۔

گریرسن کھڑی بولی کو ہندوستانی کا جدید نام دیتا ہے جو مغربی روہیل کھنڈ، دوآبہ کے شمالی حصے اور پنجاب کے ضلع انبالہ میں بولی جاتی ہے۔ نام کے اس تصرف پر بھی اختلاف پایا جاتا ہے یہ اور ان جیسی کوتاہیاں، کمزوریاں اور خامیاں دور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ "لسانی جائزہ ہند" میں متعلقہ باتوں پر از سر نو نظر ڈالی جائے اور ترمیم و اضافے کے ساتھ تجزیے اور نتائج سامنے لائے جائیں۔

بہر کیف ہندوستان کی لسانی صورت حال کی ان تفصیلات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان میں ہند آریائی، دراوڑ، منڈا اور تبتی برمی خاندان کی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ یعنی ان لسانی خاندان میں سے ہر خاندان میں کئی بولیاں اور زبانیں شامل ہیں جیسے ہندی، اردو، پنجابی، سندھی، گجراتی، مراٹھی، بنگالی وغیرہ ہند آریائی خاندان کی زبانیں ہیں جب کہ ملیالم، کنڑ، تلگو اور تمل دراوڑ خاندان کی زبانیں ہیں۔ اسی طرح سنتھالی، منڈاری، ہو وغیرہ منڈا خاندان کی زبانیں ہیں۔ تبتی برمی زبانوں کے خاندان میں بوڈو، منی پوری اور کھاسی قابل ذکر بولیاں ہیں۔ ان تفصیلات سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ان تمام لسانی خاندانوں میں دراوڑ اور ہند آریائی خاندانوں کو امتیازی حیثیت حاصل ہے کیوں کہ ہندوستان کے آئین میں شامل 22 زبانوں میں سے زیادہ تر زبانوں کا تعلق ان دو لسانی خاندانوں سے ہے۔ ہندوستان کے آئین میں شامل 22 زبانوں میں سے "سنتھالی" "بوڈو" اور "منی پوری" ایسی زبانیں ہیں جن کا تعلق منڈا اور تبتی برمی خاندان سے ہے۔

باب کا خلاصہ:

☆ ہندوستان آبادی کے لحاظ سے چین کے بعد دوسرا، اور کثیر لسانی حیثیت سے دنیا میں پہلا مقام رکھتا ہے۔

☆ 2001 کی مردم شماری کے مطابق ہندوستان کی آبادی ایک ارب دو کروڑ ستر لاکھ پندرہ ہزار دو سو سینتالیس (1,02,70,15,247) ہے۔ یہاں چار لسانی خاندانوں کی زبانیں بولی جاتی ہیں۔

☆ آٹھویں شیڈول کی 22 زبانوں کو ہندوستان کی 87.13 فی صد آبادی بولتی ہے جن میں ایک تہائی زبانیں ہند آریائی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔

☆ ہندوستان میں کوہ ہمالہ کے اطراف کی کئی زبانیں ایسی ہیں جن کی ابھی درجہ بندی نہیں ہوئی ہے۔

☆ census کے اعداد و شمار کے مطابق ہندوستان میں 325 زبانیں اہم ہیں۔

☆ گریرسن کا لسانی جائزہ ہند Linguistic Survey of India یک بڑا علمی کارنامہ ہے یہ تحقیق 1897 میں چھپ کر منظر عام پر آئی۔

☆ گریرسن نے اپنے سروے میں ہندوستان کی 179 زبانوں اور 544 بولیوں کی نشان دہی کی ہے۔ جسے بعد میں ضمیمہ دے کر 822 کردیا گیا۔

نواں باب

ہندوستان کی لسانی تہذیبیں

ہندوستان میں ہند آریائی، دراوڑ، منڈا اور تبتی برمی خاندان کی زبانیں بولی جاتی ہیں ۔ یعنی ان لسانی خاندان میں سے ہر خاندان میں کئی کئی بولیاں اور زبانیں شامل ہیں ، جیسے ہندی، اردو، پنجابی، سندھی، گجراتی، مراٹھی، بنگالی وغیرہ ہندآریائی خاندان کی زبانیں ہیں جب کہ ملیالم، کنڑ، تلگو اور تمل دراوڑ خاندان کی زبانیں ہیں ۔ اسی طرح سنتھالی، منڈاری، ہو وغیرہ منڈا خاندان کی زبانیں ہیں ۔ تبتی برمی زبانوں کے خاندان میں بوڈو، منی پوری ، قابل ذکر بولیاں ہیں۔

قدیم دراویدی تہذیب :

دراویدی تہذیب کی ابتدا موہن جوداڑو ،سندھ اور پنجاب کی قبل آریائی تہذیب اور قدیم تمل ادب سے ہوتی ہے ۔ موہن جوداڑو اور ہڑپا رسم الخط ،مغربی اور ہندوستانی براہمی سے اس کی مشابہت،دراویدی تہذیب کی عظمت کا احساس دلاتی ہیں ۔ سندھ اور جنوبی پنجاب کی تہذیب اور دراویدی بولنے والوں سے اس کا امکانی تعلق اس بات کا ثبوت ہے کہ دراویدی تہذیب ایک قدیم تہذیب ہے ۔یہ ایک حقیقت ہے کہ آریائی اور دراویدی طورطریقوں میں تخالف کا پہلو نمایاں ہے ۔ لسانی سطح پر بھی آریائی اور دراویدی زبانوں میں نمایاں فرق ہے کیونکہ دراویدی زبانوں کا تعلق دراویدی لسانی خاندان سے ہے ۔ جب کہ ہندوستان کی آریائی زبانوں کا تعلق ہند آریائی خاندان سے ہے ۔ یہ فرق آریائوں اور دراوڑوں کے تصادم کا سبب بھی بنتا رہا۔ ان سب کے باوجود ہند آریائی زبانوں نے

دراویدی زبانوں کے لسانی اثرات کو قبول کیا اور دراویدی زبانوں کے زیر اثر اس میں کئ ایسی لسانی خصوصیات پیدا ہوگئیں جو دراویدی تھیں ۔ مثلاً آریائی زبانوں میں معکوسی آوازوں کا استعمال غالباً دراویدی اثرات کا ہی نتیجہ ہے ۔ ہندوستان میں آریاؤں کی آمد سے پہلے آریائی زبانوں میں معکوسی آوازوں کا استعمال نہیں ملتا۔ مثال کے طور پر فارسی میں معکوسی آوازیں مستعمل نہیں ہیں ۔ آریاؤں کی مقدس کتاب " رگ وید " میں بھی معکوسی آوازوں کا استعمال برائے نام ملتا ہے ۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہند آریائی زبانوں میں معکوسی آوازوں کا استعمال دراویدی زبانوں کے زیر اثر شروع ہوا۔

آسٹرک تہذیب (منڈا لسانی خاندان :)

آریاؤں کی آمد کے وقت منڈا لوگ سادہ زندگی بسر کرتے تھے ۔ چھوٹی چھوٹی بستیوں میں رہتے اور معمولی کاشت کاری کرتے تھے ان کے یہاں خیروشر کے الگ الگ دیوتا تھے ، پتھر کے ٹکڑے یا بھونڈی شکلیں ان کا مظہر تھیں ۔ وہ قربانی کے جانوروں کا خون یا اس کے بدلے سیندور یا کوئی دوسرا سرخ رنگ ان پر چھڑکتے تھے ۔ سماج اپنی ابتدائی حالت میں تھا ۔ اشیا کی افراط تھی ۔ ان حالات میں ان لوگوں میں (جس کا اندازہ بعد کے ہندوستانی مزاج کی خصوصیات سے ہوتا ہے) ایک خاص انداز کی روا داری پیدا ہوگئی تھی اور " جیو اور جینے دو " کا فلسفہ عام طور پر تسلیم کیا جاتا تھا۔ اس نسل کے لوگ جنھیں عام طور سے " آدی واسی " کہا جاتا ہے ، آج بھی جھارکھنڈ اور چھتیس گڑھ کے علاقے میں رہتے ہیں اور منڈا لسانی خاندان کی زبانیں بولتے ہیں ۔

تبتّی برمی تہذیب :

دراویدی بولنے والے داس دسیو (Dasa- Dasyu) اور منڈا لسانی

خاندان کی زبانیں بولنے والے نشاد (nisada) لوگوں کے علاوہ آریائوں کو کوہ ہمالہ کے خطے میں اور شاید ہندوستان کے مشرقی علاقوں میں منگول، تبتی، چینی بولنے والوں کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ ویدی عہد سے ہی آریا ان کو کرات (Kiratas) کہتے تھے ۔ ایک عام خیال یہ ہے کہ کرات یا منگول یعنی ہندوستان کے منگول لوگ آریائوں سے پہلے ہی ہندوستان آئے تھے ۔ مشرقی اور شمال مشرقی ہندستان کی ہندو تاریخ اور تہذیب کے ارتقا میں ان کا بڑا ہاتھ ہے ۔ لیکن چونکہ یہ اس علاقہ تک محدود رہے ، لہٰذا ان کے نام اور اثرات ہندوستان گیر نہ ہوسکے ۔ آج بھی اس لسانی خاندان کی زبانیں ہندوستان کے شمال مشرقی علاقوں میں بولی جاتی ہیں ۔

ہند آریائی تہذیب:

ہندوستان میں ہند آریائی تہذیب کی تاریخ بہت پرانی ہے ۔اس تہذیب کی ابتدا 1500 ق ۔ م اس وقت شروع ہوئی جب آریائی نسل کے لوگ پہلی بار وسطی ایشیا کے علاقے سے ہندوستان میں داخل ہوئے اور اپنے ساتھ ایک ایسی زبان لائے جسے سنسکرت کا نام دیا گیا۔ گویا آج سے تقریباً تین ہزار سال قبل ہندوستان میں سنسکرت زبان بولی جاتی تھی۔ جس نے دھیرے دھیرے پراکرت کا روپ اختیار کیا۔ یہی پراکرت، اپ بھرنس کی شکل میں نمودار ہوئی۔ اپ بھرنس کے دور کے بعد جدید ہند آرائی زبانوں کا ارتقا شروع ہوتا ہے ۔

آریاؤں کی آمد :

ہندوستان میں آریائوں کی آمد کا سلسلہ، تاریخ کا بہت پرانا واقعہ ہے ۔ لہٰذا اس سلسلے میں کوئی حتمی رائے دینا خطرے سے خالی نہیں ۔ لیکن یہ بات بعید ازامکان معلوم ہوتی ہے کہ اس واقعہ کو دو ہزار قبل مسیح کے زمانے سے منسوب کیا جائے ۔بعض ماہرین کا خیال تو یہ ہے کہ یہ بات اور

بھی بعد کی ہوسکتی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان میں آریاؤں کی آمد کے متعلق کوئی حتمی رائے قائم کرنا دشوار ہے۔ کسی بھی غلط فہمی سے بچنے اور ہندوستان میں آریاؤں کی آمد کی تاریخ کو بہ خوبی سمجھنے کے لیے ہندوستان کی تاریخ کو عالمی تاریخ کا ایک حصّہ ماننا پڑے گا، جو بالخصوص مشرق قریب کے ساتھ گہرا تعلق رکھتی ہے۔ ہمیں یہ معلوم ہے کہ عہد قدیم کی مہذب قوموں سے آریائوں کا سابقہ 2000 قبل مسیح سے پہلے نہیں ہوا تو ہندوستان میں آریائوں کی آمد کو اس سے بھی زیادہ قدیم بتانا بالکل غیر تاریخی بات ہوگی۔ بہر کیف مذہبی جذباتیت کی بنا پر ہندوستان میں آریائوں کی آمد کی متعین تاریخ بتانا ناممکن محسوس ہوتا ہے۔ لیکن پھر بھی اندازہ یہ ہے کہ آریائوں کے پہلے گروہوں کی پنجاب میں آمد کا زمانہ 1500 ق۔م کے قریب رہا ہوگا۔ جب آریا ہندوستان آئے تو یہ ملک آباد تھا اس میں بعض ایسی نسلیں یا قومیں (دراوڑ، منڈا، تبتی برمی) آباد تھیں جو تمدن کی بلندیوں تک پہنچ چکی تھیں۔ جب پہلی بار یہ نظریہ پیش کیا گیا کہ قبل تاریخ مسیح میں آریائی نسل کے لوگ ہندوستان پر حملہ آور ہوئے تھے تو ہندوستان کے تعلیم یافتہ طبقے نے اسے بہ خوشی اور بہ آسانی قبول کرلیا۔ کیوں کہ آریائوں کے حملے کے نظریے سے ان کی خود پسندی کو ٹھیس نہیں لگتی تھی اور وہ خود کو وسطی ایشیا سے آنے والے ان سفید فام مہذب آریائی فاتحوں کا وارث سمجھتے تھے جو غیر آریائی سیاہ فام لوگوں کی سرزمین پر تمدن کی روشنی لے کر آئے تھے۔ نیز وہ یہ بھی محسوس کرتے تھے کہ آریائی یعنی ہند یورپی زبانیں بولنے والی اقوام کے ساتھ ان کا رشتہ ہے۔ انگریز مورخین اور ماہرین لسانیات اور ہندوستان میں دوسرے لوگوں نے بھی اس نظریے کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور ”ہمارے آریائی بھائی“ کہہ کر ہندوستانیوں کی سرپرستی کی۔ ہندوستان کے

تعلیم یافتہ طبقے نے اس نظریے کو اتنی آسانی سے ایک تو اس لیے قبول کرلیا کہ ان کے ذہن جامد اصولوں سے آزادی حاصل کرنے اور کسی بھی معقول معلوم ہونے والے نظریے کو ماننے کے لیے تیار تھے ۔ دوسرے ان نچلے درجے کے لوگوں پر فوقیت وبرتری کا احساس بھی اس کا سبب تھا جو ذات پات کے فرق اور تہذیب کی اس رنگا رنگی سے پیدا ہوئے تھے جس نے آبادی کے اجزائے ترکیبی کو ایک متحد جماعت نہیں بننے دیا تھا۔ کچھ وہ احساس کمتری بھی اس کا سبب بنا جو یورپی اقوام کے ہاتھوں بعض بڑے معاملات میں شکست کی وجہ سے پیدا ہوا تھا۔ بہرکیف اندازہ یہ ہے کہ آریائی نسل کے لوگ ہندوستان میں آمد کے وقت اپنی آریائی زبان بولتے تھے اور دیوتاؤں کے اور اپنے سورماؤں کی تعریف کے گیت اسی زبان میں گاتے تھے ۔ یہی ہند آریائی زبان وادب کی تاریخ کا نقطہ آغاز تھا۔

لیکن اس کا یہ مفہوم نہیں کہ ہندوستانی تمدن کی تشکیل میں غیر آریاؤں کا کوئی حصّہ نہ تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس دور میں ہندوستان کی ترقّی میں غیر آریائی لوگوں کا بھی حصّہ تھا بلکہ بڑا حصّہ تھا ۔ شہروں میں بسنے والے غیر آریائی لوگوں کے سامنے آریہ محض خانہ بدوش وحشی تھے اور ملک کے بعض حصوں میں غیر آریہ، آریائوں سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ اور مادی تمدن کے حامل تھے ۔ یہ بات اب واضح ہوتی جارہی ہے کہ ہندوستانی تمدّن کے تانے بانے میں غیر آریائوں کا حصّہ کہیں زیادہ ہے اور ہندوستان کی مذہبی و تہذیبی روایات نیز قدیم تاریخ اور داستانوں کا بڑا حصہ غیر آریائی ہے جسے آریائی زبان میں منتقل کردیا گیا اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ایک عرصہ سے آریائی زبان سنسکرت کو فوقیت حاصل ہے ۔ اگرچہ غیر ہند آریائی عناصر بھی اس میں گھل مل گئے ۔ مثال کے طورپر ہند وپوجا کی رسم ، اور ہند ومذہب و فکر کی اور بہت سی چیزیں غیر آریائی نظر آئیں

گی۔ پرانوں اور رزمیہ داستانوں کا ایک بڑا حصہ اور نیم تاریخی واقعات قبل آریائی ہیں ۔ ہماری مادی تہذیب اور معمولات کا ایک بڑا حصّہ مثلاً ہمارے بعض اہم پودوں (جیسے چاول) سبزیوں اور پھلوں جیسے املی اور ناریل وغیرہ کی کاشت،ہندو زندگی اور ہندو رسوم میں پان یا ناریل کا استعمال، اور عوامی مذہب کا بیشتر حصہ غیر آریاؤں کی دین ہے ۔ عوامی دست کاری کے طریقے بھی غیر آریائی ہیں ۔

ہند آریائی بولیاں :

آریائوں کی ہندوستان میں آمد تک " آریائی " یا " ہندایرانی " بولیاں ، ابتدائی ہند یورپی زبان یعنی Proto Indo Iranian زبان سے دو منازل آگے بڑھ چکی تھیں ۔" ہند ایرانی " لسانی خاندان درحقیقت غیر منقسم " ہندیورپی " لسانی خاندان کی ایک ذیلی شاخ ہے ،اس کی متعین صوتی ا ور لفظی خصوصیات ہندوستان میں آریاؤں کی آمد کے بعد " ہند آریائی " بولی میں محفو ظ رہ گئیں۔ ایک عام خیال یہ ہے کہ ہندا یرانی منزل تقریباً 2000 ق۔م میں شروع ہوگئی تھی۔ اپنی تاریخ کی اس دوسری منزل میں ہند یورپی ہمیں 1400 ق۔م تک میسوپوٹامیا کی متنی (Mitanni (اور دوسری قوموں میں نظر آتی ہے یہ آریائی زبان تھی جو اس منزل میں ایران پہنچی ۔ یہ کہنا ذرا مشکل ہے کہ اس زبان میں آریائی نغموں کی ترقی یافتہ شکل کب قابلِ اعتنا ہوگئی۔ لیکن قدیم متن میں آریائی دیوتاؤں مترا، ورونا، اندرا، ناستیا کے نام اور بابل کے آریائی فاتحین قصبوں Kassites ( ) میں سوریہ کا نام اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ ان دیوتائوں اور دوسرے آریائی دیوتائوں کے بھجن میسوپوٹامیا میں ٹھہرنے والے آریائی قبیلوں کے علم میں تھے ۔ یہ بات بہر طورطے ہے کہ ' گائتری ' اور بعض دوسری بحروں کا ارتقا ایران میں ہوا یاشاید اس سے بھی پہلے میسوپوٹامیا

میں اس کی ابتدا ہوچکی تھی۔ ہند یوروپی کی مختلف زبانوں کے بعض کتبے اور فقرے جو بہ ظاہر موزوں معلوم ہوتے ہیں اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ ہند یورپی لوگ کسی نہ کسی زمانے میں شاعری سے ضرور واقف تھے۔ بعض ماہرین لسانیات نے ویدی کلام کا یونانی ڈرامے سے مقابلہ کرکے ان کی شعر گوئی کی نوعیت معلوم کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کوشش میں وہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ شعر گوئی یونانی اختراع معلوم ہوتی ہے۔ مشہور ماہر لسانیات ایس۔ کے۔ چٹرجی کا خیال ہے کہ سنسکرت (ویدی)، اوستائی، قدیم نورس (Old Norse) قدیم آئرستانی (Old Irish) اور ابتدائی لتھوانی شاعری سے معلوم ہوتا ہے کہ ہند یورپی نظم گوئی ہومر کے مسلسل مسدسی انداز پر نہیں تھی بلکہ اس پر ہند آریائی اثرات نظر آتے ہیں۔ ویدوں کی زبان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدائی ہند یورپی روایت کے تسلسل کے نتیجے میں آریائی نظم بھی بندوں میں ہی لکھی جاتی تھی۔ اس کی وضاحت کے لیے وہ مزید کہتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آریائوں نے اسوربابلی تہذیب کے بعض عناصر اختیار کرلیے مثلاً نشانات شاہی میں چھتر کا استعمال، بعض تعمیری اور آرائشی تفصیلات جو بہار کے ترہت علاقے اور مدھیہ پردیش کے سانچی کے فن میں نظر آتی ہیں، جس میں قدیم ہندوستانی لکڑی کے فن کو مغربی ایشیائی خصوصیات کے ساتھ پتھر میں منتقل کردیا گیا ہے۔ بعض اسوربابلی الفاظ جو آریائوں نے اختیار کرلیے تھے ویدی زبان میں ملتے ہیں مثلاً لفظ منا ' (mana) ایک پیمانہ ' جو سامی منہ (minah) سے لیا گیا ہے بال گنگا دھر تلک نے دکھایا تھا کہ کس طرح بابلی روایتوں میں مذکور سانپوں کے نام ذرا سی تبدیلی کے ساتھ اتھر وید میں راہ پاگئے ہیں۔ آریائوں کی اصل جماعت کچھ دن ایران میں رہی پھر ان کے قبائل دو گروہوں میں تقسیم ہوگئے۔ آج یہ بتانا دشوار ہے کہ اس تقسیم

کی بنیاد کس حد تک قبائلی اختلافات پر تھی اور کس حد تک مذہبی اختلافات پر، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ آریا نسل کے لوگ دو گروہوں میں تقسیم ہوگئے۔ ایک دیو کے پجاری تھے اور دوسرے 'اسور' یا 'اہور (Asura/ Ahura) کے۔ بہر صورت دیو کے پجاری آریائوں نے ہندوستان میں ترقّی شروع کی۔ آریاؤں کو اس سفر میں شاید مشرقی ایران کے داس دسیو (Dasa-Dasyu) کے لوگوں سے پنجاب کے علاقے میں جنگ کرکے اپنا راستہ بنانا پڑا۔ جب آریا مشرقی ایران کے داس دسیو سے جنگ کرتے ہوئے افغانستان کی سطح مرتفع اور ہندافغانی دروں سے گزر کر پنجاب کے میدانوں میں داخل ہوئے توملک کے اصلی باشندوں سے ان کا پہلا سابقہ جنگ کی صورت میں پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ پنجاب، ہندوستان میں آریائوں کا مرکز بن گیا۔اور اس طرح وہ غیر آریاؤں سے اپنا رشتہ استوار کرنے لگے۔ غیر آریائی لوگوں سے ربط اور ارتقا کے فطری تقاضوں سے آریائی زبان میں بھی تبدیلیاں آئیں۔ دھیرے دھیرے یہ آریائی ہند ایرانی شکل سے ہند آریائی میں تبدیل ہوگئی جس کی ابتدائی شکل کی نمائندگی رگ وید میں ہوتی ہے۔

رگ وید:

رگ ویدایک ایسی مقدّس کتاب ہے جس کی تشریح کی کوششیں ہزاروں سال سے ہوتی چلی آرہی ہیں لیکن آج تک اس کی مکمل اور صحیح تشریح نہیں ہو پائی ہے۔ رگ وید کی تشریح کے سلسلے میں شارح "یاسک" (تقریباً 500 ق م) کا نام سر فہرست آتا ہے جس نے رگ وید کے چند اشعار کی شرح لکھنے کی کوشش کی۔ یہ صحیح ہے کہ یاسک ہی رگ وید کا پہلاشارح نہیں ہے اس لیے کہ اس کی شرح سے چند دوسرے شارحین کے نام بھی ہم تک پہنچے ہیں جو اس سے پیشتر گزر چکے ہیں۔ لیکن ان کی

تشریحات محفوظ نہیں رہ سکیں البتہ ان کے متعلق تھوڑی بہت معلومات ہم کو یاسک کی شرح ہی سے حاصل ہوتی ہیں۔ان میں سے 'کوتس' نامی ایک شارح نے تو رگ وید کو بالکل ہی مہمل قرار دے دیا ہے اور مہملات رگ وید کی مثال میں چند الفاظ بھی لکھے ہیں جیسے امیک، یاد وگمن، جاریائی کانسکا، وغیرہ یاسک نے اپنی شرح میں رگ وید کے اہمال سے تو انکار کیا ہے البتہ ایک ایک لفظ کے اشتقاق میں کتنی ہی متبادل تجویزیں پیش کرنے کے بعد اسے بھی کچھ الفاظ کا مطلب سمجھنے میں اپنی نارسائی کا اعتراف کرنا پڑا اور 'کوتس' کے مہملات کی فہرست میں چند اور الفاظ مثلاً دروی ہومی، ورتتی، دمونا، جاٹیہ، آٹنار، جاگروک وغیرہ کا اضافہ کرنا پڑا۔ نارسائی اور کم فہمی کا یہ سلسلہ اس وقت سے آج تک برابر جاری ہے جو دیسی اور بدیسی شارحین کے یہاں دیکھا جا سکتا ہے۔

تشریح 'رگ وید' میں ان دقتوں اور دشواریوں کے دو خاص اسباب ہیں۔ اول یہ کہ اس ایک کتاب میں دوسو سے زیادہ شاعروں کے بھجن شامل ہیں اور یہ شعرا ہندوستان کے مختلف علاقوں کے رہنے بسنے والے تھے بلکہ ان میں سے کچھ تو ایک ہی خاندان کی تین تین پشتوں سے تعلق رکھتے تھے۔ مکان و زمان کے اس تفاوت کے ساتھ انہوں نے اپنے بھجنوں میں ایرانی زبان کے علاوہ اپنے علاقوں کی رائج الوقت زبانیں بھی استعمال کی ہیں اور یوں رگ وید میں اتنی زبانوں کے نمونے جمع ہو گئے ہیں کہ اس کا مکمل طور پر سمجھ لینا کسی ایک شخص کے بس کی بات نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے شارحین جگہ جگہ رکتے اور قدم قدم پر لڑکھڑاتے ہیں اور آخر میں اپنی ناکامی کا اعلان کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں

۔

دیسی شارحین ویدک زبان کو 'دیووانی' سمجھنے کے باعث کبھی یہ تصور

بھلا نہیں سکے کہ اس پاک اور مقدس زبان میں آریوں کی آبائی زبان قدیم کے ساتھ ساتھ غیر آریائی زبانوں کا پٹ بھی شامل ہو سکتا ہے اور بعض ماہرین لسانیات بھی مفروضہ قدیم ہند یورپی زبان سے اپنے فطری تعلق خاطر کی بنا پر رگ وید کے دیسی جزو پر اچھی طرح دھیان نہیں دے سکے ۔ غرض رگ وید کی تشریح میں اس کی لسانی رنگا رنگی ہمیشہ سے سد راہ رہی ہے جس سے بعض مقامات پر یہ اُلجھن بھی پیدا ہو جاتی ہے کہ دو زبانوں کے ہم آواز لفظوں کو دیکھ کر ان کے اشتقاق اور معنوی اختلاف کے باوجود بعض محققین ایک زبان کو دوسری سے مشتق سمجھنے لگے ہیں ۔ مثال کے طور پر بعض لوگ " ہم (" پراکرت اسھ) کو سنسکرت "اَہم (" معنیٰ میں) سے یہ کہہ کر نکالتے ہیں کہ سنسکرت لفظ کا الف گر گیا ہے ، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ سنسکرت لفظ " اہم " کا تلفظ اوستا میں " ازم " اور فارسی قدیم میں " اوم " ہوتا ہے ،اور پھر وہ ضرورت اور وہ وجہ بھی نہیں بتاتے جو اس کے سقوط کا تلفظ بالکل اسی سہولت کے ساتھ کرتے چلے آرہے ہیں جس آسانی سے درمیانی یا آخری الف کو بولتے رہتے ہیں ۔ یعنی وہ لوگ ابتدائی الف کے تلفظ پر پوری طرح قادر ہیں ۔ اس کے علاوہ یہ مسلمہ امر ہے کہ زبانوں سے آوازیں اس طرح کبھی نہیں اُترتیں جس طرح کاغذ سے حرف مٹائے ، اُڑائے ، کاٹے یا بگاڑے جاتے ہیں ۔ رگ وید کی تشریحی دشواری کا دوسرا سبب اس کی کتابت کا وہ اصول ہے جسے لسانیات میں تبادل حروف کا نام دیا گیا ہے اور یہ سبب پہلے سے بھی زیادہ اہم ہے ۔ بعض اوقات رگ وید میں دو مختلف التلفظ اور مختلف المعنی الفاظ ایک ہی مکتوبی شکل میں نظر آتے ہیں ۔ مثلاً اس میں ایک لفظ " دکش " ملتا ہے جس کا ایک مقام پر ایرانی تلفظ " دش (" عبادت کرنا) ہے اور دوسرے مقام پر ہندوستانی تلفظ لاکھ (سو ہزار) ہے ۔ اب یہ بات کہ کسی

مقام پر ویدک " مرگ " جسے کلاسیکی سنسکرت میں عام طور پر ہرن کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے فارسی لفظ " مرغ " کی مکتوبی شکل ہے لیکن دوسرے مقام پر فارسی لفظ " مرگ (" موت) کی۔ اب یہ شارحین کی بے بسی ہے کہ موت کے مفہوم میں جہاں اس کے خوف کا بیان ہوا ہے وہ لوگ " مرگ " کے معنی " شیر " لکھ کر تشریح کی خانہ پری کر دیتے ہیں۔

باب کا خلاصہ :

☆ ہندوستان میں ہند آریائی، دراوڑ، منڈا اور تبتی برمی خاندان کی زبانیں بولی جاتی ہیں۔

☆ دراویدی تہذیب کی ابتدا موہن جودارو، سندھ اور پنجاب کی قبل آریائی تہذیب سے ہوتی ہے موہن جوداڑو اور ہڑپا رسم الخط، مغربی اور ہندوستانی براہمی سے اس کی مشابہت، دراویدی تہذیب کی عظمت کا احساس دلاتی ہیں۔ دراویدی تہذیب ایک قدیم تہذیب ہے۔

☆ ہند آریائی زبانوں نے دراویدی زبانوں کے لسانی اثرات کو قبول کیا اور دراویدی زبانوں کے زیر اثر اس میں کئی ایسی لسانی خصوصیات پیدا ہوگئیں جو دراویدی تھیں۔

☆ منڈا لوگ سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی بستیوں میں رہتے ہیں اور معمولی کاشت کاری کرتے ہیں۔ اس نسل کے لوگ جنھیں عام طور سے " آدی واسی " کہا جاتا ہے، آج بھی جھارکھنڈ اور چھتیس گڑھ کے علاقے میں رہتے ہیں اور منڈا لسانی خاندان کی زبانیں بولتے ہیں۔

☆ ایک عام خیال یہ ہے کہ کرات یا منگول یعنی ہندوستان کے منگول لوگ آریائوں سے پہلے ہی ہندوستان آئے تھے۔ آج بھی اس لسانی خاندان کی زبانیں ہندوستان کی شمال مشرقی علاقوں میں بولی جاتی ہیں۔

☆ ہندوستان میں ہند آریائی تہذیب کی تاریخ بہت پرانی ہے ۔اس تاریخ کی ابتدا 1500 ق ـــ۔ م اس وقت شروع ہوئی جب آریائی نسل کے لوگ پہلی بار وسطی ایشیا کے علاقے سے ہندوستان میں داخل ہوئے اور اپنے ساتھ ایک ایسی زبان لائے جسے سنسکرت کا نام دیا گیا۔

دسواں باب

ہند آریائی زبان کی لسانی خصوصیات

وقت کے ساتھ ساتھ ہند آریائی زبان میں لسانی امتیازات پیدا ہونے لگے اور جس کے سبب ہند آریائی زبان ہندایرانی سے مختلف نظر آنے لگی ۔ اور ان قواعد ی اختراعات سے ہند یوروپی اور ہندآریائی کے درمیان اختلاف گہرا ہوگیا ۔ ان قواعدی اختراعات نے ہندآریائی زبان کو ایک نیا لسانی مزاج عطا کیا۔ یعنی ہند آریائی کی صوتیات ، قواعد اور لفظیات میں نئی تبدیلیاں ہوئیں ۔ ہندآریائی کی صوتیات میں معکوسی آوازوں کا شامل ہونا ہند آریائی صوتیات میں بڑی اہم تبدیلی تھی ۔ یہ آریائی زبان میں خود بہ خود ہی پیدا ہوئیں یا پھر یہ کہ یہ صوتی خصوصیات غیر آریائی کے گہرے اثرات کا نتیجہ ہیں یہ تحقیق کا موضوع ہے۔وقت کے ساتھ آریائی آوازیں ز ژ ژھ) z, z' z (ہند آریائی زبان سے سرے سے غائب ہوگئیں یا کچھ بدلتی گئیں ۔ قواعدی شکلوں میں بھی جدتیں پیدا ہوئیں ۔ ہندآریائی کی ایک قدیم ترین تبدیلی یہ ہے کہ متکلم اختتامیہ ۔ می) mi- (پہلے صرف ad, rudh, hu گروہ والے افعال کے ساتھ استعمال ہونے لگا ۔ یہ لسانی خصوصیت سرزمین ایران پر اوستااور قدیم فارسی میں بھی پیدا ہوگئی تھی ۔ ان لسانی تبدیلیوں کی مزید وضاحت کے لیے مندرجہ ذیل ٹیبل میں ان صوتی تبدیلیوں کی نشان دہی کی گئ ہے جو " ویدی سنسکرت " اور " کلاسکل سنسکرت " کے درمیان نظر آتی ہیں ۔ان تفصیلات سے قدیم ہند آریائی دور میں ویدی سنسکرت اور کلاسکل سنسکرت کے درمیان لسانی فرق کا بہ خوبی اندازہ ہو جاتا ہے ۔ ویدی سنسکرت کی اصطلاح دراصل اس سنسکرت کے

لیے استعمال ہوتی ہے جس میں مقدس وید قلم بند ہوئیں ۔یہ سنسکرت کی وہ شکل تھی جو فطری طور پر نشونما پا رہی تھی۔ اس کے بر عکس "کلاسکل سنسکرت" قواعد کے اصولوں میں ڈھلی ہوئی تھی۔ بہر کیف سنسکرت کی ان دونوں شکلوں میں نمایاں لسانی فرق نظر آتا ہے ۔

ویدی سنسکرت کی صوتی خصوصیات

کلاسیکل سنسکرت کی صوتی خصوصیات

اپ دھامنیہ (دولبی صفیری)

نہیں ملتی

پ اور پھ سے پہلے

جیوھ ملیہ (حلقی صفیری)

نہیں ملتی

ک اور کھ سے پہلے

معکوسی "ل"

نہیں ملتی

معکوسی "لھ"

نہیں ملتی

ری

ر

لری

ل

' اے ' اور ' او ' کا تلفظ دوہرے مصوتے کے طور پر ہوتا تھا

' اے ' اور ' او ' کا تلفظ مصوتے کے طور پر ہوتا تھا

دنتی آوازوں کا تلفظ دانت کے جڑ '

دنتی آوازوں کا تلفظ دانت کے

ویدک الفاظ میں " ری " ایرانی " ر " کی قائم مقام ہے مثلاً

ویدک مرگ = ایرانی مرغ (ہرن) ۔

ویدک سرکم = ایرانی چرخم (گھیرا ۔ دائرہ =) لاطینی Circum

ویدک نرتی = فارسی نرد (سیڑھی) وغیرہ

قدیم ہند آریائی دور :

مندرجہ بالا صوتی تفصیلات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان میں آریائی نسل کے لوگوں کی آمد کے بعد آریائی قبیلوں کی زبان میں بولیوں کے فرق موجود تھے ۔ شروع میں یہ اختلاف معمولی تھے ان میں ایک شستہ اور پاکیزہ زبان بھی بن گئی تھی جسے وہ اپنی منا جاتوں اور حمدیہ نغموں میں استعمال کرتے تھے ۔ یہی ان کا کل سرمایہ تھا جو آج ہمیں رگ وید اور اتھر وید جیسی مختلف ویدوں میں ملتا ہے ۔ ان ویدوں کی زبان کے تجزیے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آریہ جس زمانے میں پنجاب میں آباد ہوئے تو مغربی فارس سے پنجاب تک ایک لسانیاتی تسلسل موجود تھا ۔ ہند آریائی کی سرحدی بولیاں (یعنی ہند آریائی کی مغربی بولیاں) بعض لسانی خصوصیات میں ایرانی سے ملتی تھیں ۔ ویدی متن پہلی بار ضبط تحریر میں آنے کے بعد گزشتہ تین ہزار سال سے بے حد محتاط انداز میں محفوظ رکھا گیا ہے ۔ قدیم ترین ویدی مسودہ ایک ہزار سال سے زیادہ پرانا نہیں ۔ لیکن ہندوستان میں ویدی روایت نے بڑی حد تک متن کو اسی طرح برقرار رکھا ہے جیسا وہ اب سے تین ہزار سال پہلے تھا ۔ جیسا کہ اوپر ذکر آ چکا ہے آریہ بھجنوں پر مشتمل کچھ ادب اپنے ہندیورپی آبا واجداد سے وراثت میں لے کر آئے تھے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آریائی حملہ آوروں اور مہاجروں نے اس ورثے کو بغیر کسی شعوری کوشش کے غیر معمولی طور پر محفوظ رکھا۔

ہندوستان میں پہلے پہل زبان خود بہ خود نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتی رہی اس کی بنیادی خصوصیتیں برقرار رہیں ۔ سنسکرت کی یہ شکل بالعموم " ویدک سنسکرت " کہلاتی ہے لیکن جب بول چال کی زبان ویدی معیار سے ہٹ گئی اور دوسرے لوگوں نے آریائی زبان اختیار کرنا شروع کردیا تو یہ مطالعے کے ذریعے حاصل کرنے کی چیز بن گئی۔ نتیجتاً عالمانہ کوشش درآئی اور صحیح طور پر محفوظ رکھنے کے خیال سے متن کی تحریری شکل میں کبھی کبھی ترمیم کی گئی اور اس کی وجہ وہ نئے لسانی تصورات تھے جنھوں نے روایتی تسلسل کی جگہ لے لی تھی ۔ قواعدی اصولوں میں منضبط سنسکرت کی اس قسم کو لسانی ماہرین نے " کلاسکل سنسکرت " کا نام دیا۔ اپنی تاریخ کے بالکل ابتدائی اختلاف کو ماہرین لسانیات نے منضبط کردیا ہے مثلاً ویدی چھندوں کا مطالعہ کیا گیا ہے ڈاکٹر کرشن گوش کی عمدہ کتاب Introduction to Sanskrit Linguistics میں ایسا ہی مطالعہ پیش کیا گیا ہے ۔ 1ے

ویدی ادبی زبان اور عوامی بولی :

ویدی دور میں ویدی ادبی زبان کے علاوہ ہند آریائی کی بول چال کی بولیوں کی بھی اپنے طور پر نشوونما شروع ہوئی ۔ قدیم ہند آریائی دور میں آریائی زبان سنسکرت مشرق کی طرف بڑھی

1ے ڈاکٹر سہیل بخاری لسانی مقالات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد

اور اس طرح شمال سے مدھیہ دیش اور مشرقی علاقے تک پھیل گئ۔ مہاتما بدھ کے شمالی بہار کے بالائی علاقے نیپال کی ترائی میں پیدا ہونے اور آج کے مشرقی اترپردیش اور بہار کے علاقوں میں زندگی گزارنے اور تبلیغ کرنے کے وقت تک یہ زبان ' دویہا ' یا ' دویگھا ' یا شمالی بہار اور مگدھ یا جنوبی بہار تک پھیل چکی تھی۔ اس دوران اس میں بڑی تبدیلیاں ظہور پذیر ہورہی تھیں ۔ خاص طور پر مشرق میں 1000 سے 600 ق ۔م کے درمیانی

زمانے کے ادب میں جو قدیم ترین برہمنی تصانیف کا زمانہ بھی ہے ، ہمیں ہندوستان کی بدلتی لسانی صورت حال کی طرف اشارے ملتے ہیں ۔ اس زمانے میں شمالی ہندوستان میں افغان سرحدوں سے لے کر بنگال تک آریائی زبانیں بولنے والی ریاستیں تھیں ۔ ایسا نظر آتا ہے کہ قدیم ہند آریائی دور میں آریائی بول چال کی زبان تین گروہوں میں تقسیم ہوگئی تھی :

(1) ادیچہ یا شمالی علاقہ (یا شمالی مغربی)

(2) مدھیہ دیش یا وسطی علاقہ اور

(3) پراچیہ یا مشرقی علاقہ

ان زبانوں کا تفصیلی جائزہ مندرجہ ذیل ذیلی ابواب میں پیش کیا جا رہا ہے ۔

ادیچیہ علاقے کی زبان :

قدیم ہند آریائی دور میں ادیچہ علاقے کی (جو آج شمال مغربی سرحدی صوبہ اور شمالی پنجاب کے مطابق ہے) آریائی زبان کی بڑی اہمیت تھی ۔ کیونکہ ادیچہ علاقے کی آریائی زبان سنسکرت نے اپنا قدامت پسندانہ رجحان برقرار رکھا اور یہ قدیم ہند آیارئی معیار سے قریب ترین رہی ۔ برہمنی متن (کوشی تکی براہمنہ) میں کہا گیا ہے کہ " ادیچہ علاقے میں بہت شستہ و رواں زبان بولی جاتی ہے ۔ زبان سیکھنے کے لیے لوگ ادیچہ کے باشندوں کے پاس جاتے تھے اور وہاں سے واپس آنے والوں کی زبان سننے کے لیے لوگ مشتاق رہتے تھے ۔ " یہ لوگ ادیچہ " شمالی ممالک " کے نام سے خالص آریائی زبان اور خالص آریائی خون پر فخر کرنے لگے ۔ ادیچہ اور قدیم ہندوستانی ادب کے ادیچہ برہمن ہمیشہ اپنی اصل نسل پر فخر کرتے رہے ہیں ۔ تیسری صدی ق۔م اور زمانہ مابعد کے اشوک کے کتبات بھی پنجاب کے علاقے کی آریائی زبان کے خالص ہونے کی شہادت دیتے ہیں ۔

آریائی باشندوں کی بڑی تعداد ' ویش ' کہلانے لگی ۔ پھر ان کا جنگجو طبقہ ' چھتری ' کہلایا۔ اور ان کے دانشور " برہمن " کہلائے ۔ مفتوح غیر آریائی یا تو غلام بنالیے گئے یا " شودر " بن کے زندگی کے حقیر پیشوں کے لیے رہ گئے ۔ابتدا میں ہی آریائی زبان اختیار کرلینے کے باعث کاشت کار طبقہ اور غیر آریائی کا اعلیٰ طبقہ بھی آریائوں میں شامل کرلیا گیا اور ان میں جن مذہبی پیشوائوں نے آریائی دیوتائوں اور ہوم کی آتش پرستش کی رسم کو قبول کیا انھیں برہمنوں کا درجہ دیا گیا ۔ اسی ادیچیہ علاقے میں ویدی تہذیب کے مولد تھے اور وہیں کے اعلیٰ طبقات آریائیت کا اصل نمونہ پیش کرتے تھے اور وہیں فصیح ترین سنسکرت سنی جاسکتی تھی ان کی اور ان کی محبوب زبان کی خوش قسمتی تھی کہ شمال مغرب میں ایک عظیم قواعد نویس " پانینی " پیدا ہوا ۔ شمال مغرب کے علاقے کی بول چال کی زبان ، صوتیات اور قواعد کے اعتبار سے چھاندس اور برہمنہ کے اتنی قریب تھی کہ یہ ان سے مختلف معلوم نہ ہوتی تھی اور یہ " لوکا " یعنی عوامی رائج الوقت زبان خیال کی جاتی تھی۔ اپنی قواعد " اشٹ ادھیائے " میں پانینی نے کلاسیکی سنسکرت کے دائمی اور حتمی قاعدے مقرر کردیے ۔ رگ وید اور برہمنہ کی زبان کے بعد یہ ویدی عالمانہ زبان کی تیسری کڑی تھی۔ یہ ادیچہ کی بول چال کی زبان پر مبنی تھی ۔ اسے وسطی علاقے ، مشرق اور جنوب کی پوری برہمنی دنیا نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ قبول کرلیا۔ ہندوستان میں تین ہزار سال سے رائج آریائی زبان کی اہم ترین اور عظیم ترین شکل کی حیثیت و شائستگی اور مہذب افکار کا ذریعہ بنااس کا مقدر ہوگیا اور عالمی سطح کی چند بنیادی تہذیبوں میں سے ایک خارجی ذریعہ اظہار بھی یہی زبان قرار پائی ۔ آغاز سے ہی یہ فاتحانہ شان سے چلی اور اس نے ہندوستان اور عظیم ہندوستان کی " دگ وجے (" یا فاتحانہ سفر) شروع کی اور حقیقی دیو بھاشا

کی حیثیت سے اپنے گہرے اثرات دور دراز کی سرزمینوں پر قائم کردیے۔

پراچیہ علاقے کی زبان:

"پراچیہ" کی بولی اس علاقے میں رائج تھی جسے آج اودھ یا مشرقی اترپردیش کہا جاتا ہے اور غالباً بہار میں بھی یہ بولی وراتیوں (Vratyas) میں رائج تھی۔ یہ لوگ آریائی بولنے والے خانہ بدوش قبائل تھے اور ویدی آتش پرستی اور برہمنی سماجی اور مذہبی نظام سے کوئی سروکار نہ رکھتے تھے۔ پراچیہ یا مشرقی لوگ راکھشس یا وحشی اور لڑاکو کہلاتے تھے۔ ویدی آریہ ان کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔ براہمنہ میں کہا گیا ہے کہ "وراتیہ جملہ ادائیگی کو مشکل بتلاتے ہیں جب کہ اس میں کوئی مشکل نہیں" اس کا بجا طورپر یہ مطلب نکل سکتا ہے کہ آریائی زبان کے مخصوص مرکب، مصمتے اور صوتیاتی امتیازات ان لوگوں کے لیے ادا کرنا مشکل تھا۔ اس کے برخلاف وسطی اور شمالی علاقے کے لوگ جو ویدی مذہب اور تہذیب کی تشکیل کررہے تھے ان کو مشکل نہ سمجھتے تھے۔ دوسرے الفاظ میں یوں فرض کیا جاسکتا ہے کہ ان لوگوں کی پراکرتوں کی عادتیں شروع ہوگئی تھیں جس میں متصل مصمتے مماثل بن گئے تھے پراچیہ زبان میں معکوسیت کے عمل کو قبل ہند آریائی کی صوتی عادت کا تسلسل کہا جاسکتا ہے ۔ براہمنہ کی کہانی (دوسری صدی ق ۔م) رشی اور قواعد نویس پاتنجلی نے اپنی تصنیف "مہا بھاشیہ" میں دہرائی ہے کہ آسوری (غالباً مشرق کے باشندے) سنسکرت لفظ "آریہ" کا غلط تلفظ کرکے "الیو" یا "الود" بولتے ہیں اس سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ ادیچیہ علاقے کے لوگوں نے مشرقی تلفظ میں "ر" کو "ل" سے بدل دینے کی عادت کو محسوس کر لیا تھا۔ ادیچیہ کے معیار سے پراچیہ بولی اتنی دور ہوگئی تھی کہ ادیچہ سے آنے والا شخص پراچیہ بولی کو سمجھنے میں دقت محسوس کرتا تھا۔

مدھیہ دیشہ کی زبان:

وسطی علاقے یا مدھیہ دیشہ کی زبان کے بارے میں کوئی واضح بات نہیں کہی گئی ہے۔ لیکن یقینا اس نے درمیانی راستہ اختیار کیا۔ جس میں ایک طرف شمال مغرب کی انتہائی قدامت پسند زبان تھی تو دوسری طرف پراچیہ یا مشرق کا فطری تلفظ تھا جسے سنسکرت قواعد نویس بے اصول اور غلط سمجھتے تھے۔

بعض ماہرین کا خیال ہے کہ رگ وید کی ادبی زبان کی بنیاد آریائی بولنے والے علاقوں کی مغربی بولی (ادیچیہ) پر ہے۔ جیسا کے ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ ویدی زبان کی بنیادی بولی میں صرف "ر" کی آواز تھی۔ ہند یورپی "ر" اور "ل" دونوں ہی اس میں "ر" ہوجاتے تھے جیسے خود ایرانی (قدیم فارسی اور اوستا) میں بھی ہوتا تھا۔ اس میں اکثربین مصوتی یا درمیانی بھ، دھ، گھ، (ہکاری) ملائم ہوکر صرف 'ہ' رہ جاتے تھے مثلاً ہندایرانی یا آریائی yazama –dhai اس بولی میں yajamahe اور اس کے برخلاف اوستا میں yazamaide ہوجاتا ہے "ر"اور "ل" کا فرق پرانی ہند آریائی زبان میں بولیوں کی کثرت کا ایک اہم نکتہ بن گیا۔ مغرب کی ایک بولی تھی جس میں صرف "ر" تھی، "ل" بالکل نہ تھا ایک اور بولی تھی جو کلاسیکی سنسکرت اور پالی میں نظر آتی ہے جس میں "ر" اور "ل" دونوں ہی تھے۔ ہند آریائی کی ایک تیسری بولی بھی تھی جس نے 'ر' کو بالکل خارج کردیا اور "ل" کو برقرار رکھا، شاید یہ بولی انتہائی مشرق میں تھی۔ آریائوں کے پھیلائو اور آریائی زبان کے ارتقا کی دوسری منزل سے پہلے ہی یہ مزید اندرون ملک، آج کے مشرقی اترپردیش اور بہار تک دھکیل دی گئی اور اشوک کے عہد کی پراکرت (جس کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ جینیوں کی اردھ ماگدھی پراکرت سے قدیم تر ہے) اور بعد کی

ماگدھی پراکرت کہلائی ان دونوں میں ہی صرف "ل" تھا، "ر" بالکل نہ تھی ۔ اس طرح ہند یوروپی لفظ کریلا (Krei-la) آریائی میں سلیلا (Sli-la) ہوگیا۔ قدیم ہند آریائی میں اس کی تین شکلیں ہیں سریرا (Sri-ra) Sri-ra سریلا (Sri-la) اور سلیلا (Sli-la) ۔

قدیم ہند آریائی زبان کی تاریخ کو بہ خوبی سمجھنے کے لیے اس سوال کا جواب بہت اہم ہوجاتا ہے کہ وید کب مدون ہوئے ؟ یہ تدوین تحریر کی مدد کے بغیر ممکن نہیں تھی ۔ آریائی زبان کا ضبط تحریر میں آنا اور وید کی چاروں کتابوں میں لکھے جانے والے بھجنوں کے سرمایے کی تدوین کا عمل ساتھ ساتھ ہوا۔ روایت کے مطابق وید وں کے مشہور مدون ویاس جی (بہ معنی مصنف) تھے ۔ مہا بھارت اور پرانوں کی روایت کے مطابق وہ کورواور پانڈو کے بزرگ ہم عصر تھے ۔ یہ معلوم نہیں کہ مہا بھارت کی جنگ کہاں تک تاریخی واقعہ ہے ۔ بہر کیف اس واقعے کی متعدد تاریخیں بتائی جاتی ہیں (جو آدی کال کے روایتی آغاز سے لے کر بعد تک ہیں) لیکن بالعموم پندرھویں صدی ق۔م کو ترجیح دی جاتی رہی ہے ۔ ہمارے موجودہ مقصد کے لیے یہ بات خارج ازبحث ہے لیکن ایک عام خیال یہ ہے کہ دسویں صدی ق۔م ایسا زمانہ ہے جب مہابھارت کی بعض تاریخی شخصیتیں مثلاً کرشن اور پرکشت (Parikshit) موجود تھیں ۔

ہندوستان کی تاریخ و تہذیب کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندستان میں قبل مسیح دور میں آریائی زبانوں کے لیے غیر آریائی رسم خط اختیار کیا گیا ہے ۔ ایک عام خیال یہ ہے کہ چوتھی اور تیسری صدی ق۔م کے موریہ براہمی رسم خط تک پہنچنے میں (جیسا کہ تمام نئی ابجدوں کی ابتدائی منازل میں ہوتا ہے) کوئی چھ سات سو سال لگ گئے ہوں گے ۔ تب بھی براہمی خط کا کوئی مکمل نظام نہیں تھا۔ سنسکرت کے لیے مکمل

براہمی خط اختیار کیا گیا اس کی نشوونمامیں کئی ہزار سال لگے ہوں گے ۔

وسطی ہند آریائی دور :

ہند آریائی کی دوسری منزل " پراکرت " یا وسطی ہند آریائی کی منزل سمجھی جاتی ہے ۔ اس دور میں سنسکرت کے بعد وہ زبانیں آئیں جنھیں علمی انداز سے دور جائے بغیر سنسکرت کی نئی شکلیں کہا جاسکتا ہے یعنی " قدیم پراکرتیں "، " اپبھرنش " اور " جدیدہند آریائی " زبانیں ۔یہ ایک ہی سلسلے کی کڑیاں تھیں اسی لیے بولیوں کے اختلاف کے باوجود ہندوستانی زبان کو قدیم زمانے میں اکثر پردیسیوں نے ایک ہی خیال کیا ہے ۔ سنسکرت ان کا مرکزرہی ہے مذکورہ بالا چینی فرہنگوں میں پراکرت بولیوں کے لفظوں کو سنسکرت کہا گیا ہے جب کہ یہ ہندوستانی الفاظ تھے اور سنسکرت سے کسی نہ کسی طرح متعلق تھے لیکن تھے بعد کی ارتقائی صورت ۔ اس طورپر یہ سنسکرت کے سلسلے میں آسکتے تھے۔ ماہرین کا بھی یہی خیال ہے کہ سنسکرت اور پراکرت ایک دوسرے سے جدا نہیں کی جاسکتی تھیں ۔ وسطی ہند آریائی دور میں شمالی ہند میں آریائی زبانوں کی لسانی صورت حال حسب ذیل تھی :

) 1 (تین آریائی بولیاں جو (الف) ادیچہ (ب) مدھیہ دیش (ج) پراچیہ میں بولی جاتی تھیں ۔ ادیچہ ابھی تک ویدی سے قریب تر تھی اور پراچیہ اس سے بہت دور ہوگئی تھی ۔ پراچیہ میں غیر آریائی اثرات بھی شامل تھے ۔

) 2 (چھاند یا قدیم طرز کی ویدی نظم کی بولی ۔ قدیم ترین ہند آریائی کی ادبی شکل کی حیثیت سے اسے پاٹھ شالائوں میں سیکھااور سکھا یا جاتاتھا ۔

) 3 (ادیچہ کی وہ قدیم شکل جس میں مدھیہ دیش اور پراچیہ کے عناصر شامل ہوگئے تھے برہمنوں کی تدریس و گفتگو کی شستہ زبان تھی ، یہ

لوگ ویدی متن کی تفسیریں اور اپنے مذہبی اور فلسفیانہ خیالات اسی زبان میں قلم بند کررہے تھے یہی زبان ہمیں براہمنہ میں ملتی ہے۔

ان کے علاوہ دراویدی، آسٹری اور چینی تبتی بولیاں بھی تھیں جو باہری دور دراز علاقوں میں مستعمل تھیں۔ یہی بولیاں دیہات کے پس ماندہ لوگوں میں بھی بولی جاتی تھیں اور رفتہ رفتہ آریائی زبانوں کے لیے جگہ خالی کرتی جارہی تھیں۔

وسطی ہند آریائی دور میں مہاتمابدھ کے دو شاگردوں نے یہ تجویز پیش کی کہ وہ مہاتما بدھ کی تعلیمات کو جو مشرق (پراچیہ) کی پالی زبان میں تھیں، عالموں کی قدیم زبان یعنی چھاندس میں منتقل کردیں۔ مہاتمابدھ نے انکار کردیا اور کہا کہ "انسان کو سب کچھ ہی اپنی مادری زبان میں سیکھنا چاہیے، بول چال کی زبان کے ادبی استعمال کے لیے یہ بڑا محرک ثابت ہوا۔ درحقیقت یہ روحانی آزادی کی ایک انقلابی تحریک تھی جس کے منشاو مراد کو اس وقت پورے طور پر نہیں سمجھا گیا نہ ہی ان سے پورا فائدہ اٹھایا گیا۔ بدھ اور جین اثرات کے تحت کچھ ہی عرصے میں مختلف بولیوں میں ادب پیدا ہوگیا۔ اس تحریک میں شاید یہ احساس بھی موجود تھا کہ ان علاقائی بولیوں کو چھاندس اور برہمنہ کے مقابلے میں لا کھڑا کردیا جائے کیوں کہ برہمنہ اور چھاندس ایک تو ویدی رسوم پر مبنی برہمنی کٹرپن کی زبانیں تھیں، دوسرے اتنی پیچیدہ ہوگئی تھیں کہ عام آدمی کو ان میں کوئی دلچسپی نہ رہ گئی تھی اور رفتہ رفتہ ان کی پہلی سی اہمیت ختم ہوتی جارہی تھی۔ زبان کے اس تنازعہ کے گرد تصورات و عقائد کا تنازعہ بھی کھڑا ہوگیا۔

برہمن اپنشدوں کا فلسفہ تیار کررہے تھے۔ اور جیسا کہ نام سے بھی ظاہر ہے، یہ اعلیٰ طبقات کے لیے تھا۔ اور عالمانہ تمکنت آمیز تصور کے باعث وہ عوام کو نظر انداز کرکے اپنے سامعین میں اپنے ہی طبقے کے مہذب اور

اعلیٰ درجے کے لوگوں کو شامل کرنا پسند کرتے تھے اور عالمانہ زبان کے استعمال کو ترجیح دیتے تھے لیکن برہمنی پاٹھ شالاؤں میں بھی زبان تبدیلی کے اثرات سے نہیں بچ سکتی تھی۔ لہٰذا اس دور میں قدیم ہند آریائی دور کی زبان سنسکرت میں بھی تبدیلیاں رونما ہونے لگیں ۔ اور سنسکرت کی جگہ پراکرتیں آہستہ آہستہ مقبول ہوتی گئیں ۔

وسطی ہند آریائی زبانوں کی لسانی خصوصیات :

وسطی ہند آریائی زبان کے لسانی تجزیے سے محسوس ہوتا ہے کہ وسطی ہند آریائی دور کی مشرقی بولیوں نے نہ صرف مصمتوں کے ادغام اور " ر " کو تمام صورتوں میں " ل " سے بدل کر خود کو مغربی بولی سے الگ کرلیا تھا بلکہ ماقبل 'ر' دندانی آوازوں کو معکوسی میں بدل دیا تھا اس طرح ہند آریائی کرت ، اردھ ، ارتھ (ardha,artha) (Krta (پراچیہ بولی میں کٹ، اڈھ اور ادھ (addha,atna) (Kaca (ہوگئے تھے ۔ وسطی علاقے میں یہ الفاظ معکوسیت کے بغیر کت (کت) اڈھ اور اتھ Kata/ ddha (attha ( ) ہوگئے تھے ۔ ادیچہ میں یہ ایک عرصے تک کرت، اردھ اور ارتھ ہی رہے اور بالآخر جب ادیچہ میں بھی 'ر' کا کام ہوگیا تو بھی دندانی آوازیں معکوسی نہیں ہوئیں ۔ جیسا کے چٹرجی نے اپنی کتاب Origin and Development of Bengali Language میں ذکر کیا ہے معکوسیت کا عمل 'ر' کو 'ل' سے بدلنے پر ہندیوروپی اور ہند آریائی کا ر + ت) r +t (ہند آریائی میں رت) rt (رہا ، لیکن ہند یوروپی کا ل + ت) l +t (ہند آریائی میں ٹ) t (ہوگیا ۔ اس طرح ہند یوروپی کے مرتو بھر تیر (mrto- bherther (ہندآریائی (یعنی سنسکرت)میں kutha rah natkam ہوگئے ۔ جب ہند آریائی 'ر' مشرقی بھرتا بھی بدل کر ملت ، بھلتا ، mlta-bhalta ہوگیا اور ل ت) lt (سے ٹ) t (کی تبدیلی کے

پرانے صوتی قانون کے عمل سے یہ ہند آریائی کی مشرقی بولی میں مٹ۔ بٹھّا (mota, bharta) ہوگئے ۔ شمالی ہندوستان میں جہاں مسطح میدان ہیں اور جہاں مغرب سے مشرق کو بالعموم اور گاہے بہ گاہے مشرق سے مغرب کو آبادی کی نقل و حرکت میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے ایک بولی کے الفاظ دوسری میں منتقل ہوسکتے تھے ۔ اسی لیے ابتدا سے ہی بولیوں کا بلاروک ٹوک باہمی اختلاط جاری رہا۔ کسی بھی آریائی بولی کی تاریخ کا مطالعہ کرنے میں یہ بات خاص طورپر توجہ کی مستحق ہے ۔ جب ویدی بھجن تصنیف ہورہے تھے تو ل اور ٹ (ڈ) والے مشرقی الفاظ بھی ان بھجنوں کے متن میں راہ پاگئے ۔ مثلاً nikrta, nikata, vikrta, vikata, ksudra, ksudla, ksulla وغیرہ۔

لسانی تجزیے سے محسوس ہوتا ہے کہ وسطی ہندآریائی کی ان بولیوں کی صوتیات ، مارفیمیات ، نحواور فرہنگ میں کافی تبدیلیاں ہوگئی تھیں اور ان میں مقامی آریائی (ایرانی) اور غیر آریائی اثرات نظر آنے لگے تھے ۔ لنکا کی قدیم ترین روایت کے مطابق بھی چھٹی صدی ق۔م کے وسط میں ایک اور پراکرت گجرات (کاٹھیاواڑ) سے لنکاتک پھیل گئی تھی۔ اور یہ سیہاپور کے راجکمار وجے کی حوصلہ مند مہم کے نتیجے میں ہوا۔ (راج کمار وجے لنکا میں پہلا آریائی آباد کار ہے جو اصل سرزمین ہند سے گیا تھا) ہندوستانی برہمنی آباد کار برما بھی گئے ۔ بعض برمی روایت (جو وسطی عہد کے بدھ عالموں کی دین معلوم ہوتی ہیں) جن میں چھتری راجکمار وں کی شمالی اور جنوبی برما کی آباد کاری کا ذکر ہے جتنی قدیم بتائی جاتی ہیں ان پر یقین کرنا مشکل ہے چونکہ برما میں پانچویں چھٹی صدی عیسوی تک کے بعض پالی اور آریائی کتبات ملتے ہیں اور چونکہ ق۔م دور کی ادبی شہادتوں میں مگدھ اور برما کے درمیان بحری راستے کے ذریعے تعلق کا ذکر ہے ۔ یہ سوچا جاسکتا

تھا کہ وہ ایک دوسرے سے آزاد وجود رکھتی ہے ان میں باہمی گہرا تعلق تھا ۔ وسطی ہند آریائی کے دور سے ہند آریائی کے ارتقا کے مطالعے میں اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ وسطی ہند آریائی کی شمالی مغربی بولی کو جو وسط ایشیا میں رائج تھی آسانی کے لیے گندھاری (Gandhari) کہا جاتا تھا۔ اس کے نمونوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری بولیوں سے پہلے اس میں بعض نحومارفیمیاتی اختراعات ہوچکی تھیں ۔ مثلاً زمانی صیغہ کے لیے مرکب کا استعمال جن میں زمانہ ماضی کے طور معروف کو ظاہر کرنے کے لیے مجہول حالیہ کے ساتھ تا (اور اس کے بعد فعل ناقص لگایا جاتا تھا۔) (مثلاً کرتا استی) krta asti (دکرلیا ہے کیا) صوتیات کے علاوہ وسطی ہند آریائی نے ہند آریائی کی تمام شکلوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا۔ صوتیات سے متعلق بعض معاملات میں یہ قدامت پسندی مغربی بولیوں کی خصوصیت رہی ہے ۔ مثلاً انتہائی شمال مغرب میں ہند افغان سرحد پر داردی Dardie (بولیاں ، جن کا ارتقا ہند آریائی سے الگ رہ کر پنجاب کی بولیوں کے طور پر ہوا۔ شمال مغرب کے اس صوتی تحفظ کے مقابلہ میں صوتی انحطاط (صوتی ارتقا) مشرق میں بہت تیزی سے ہوا مشرقی بولیوں کے بارے میں یہ بات آج بھی درست ہے مثلاً شمال مغرب کی ہند کی (لہندا اور پنجابی نے وسطی ہند آریائی کی صوتیات کو برقرار رکھا ہے) یعنی ان میں وسطی ہند آریائی کے دہرے مصمتے باقی ہیں اور مختصر مصوتے کے بعد دو مصمتوں (یعنی مشدّد مصمتوں کو ایک طویل مصوتہ اور ایک مصمتہ میں تبدیل کرنے سے اجتناب کیا جاتا ہے ۔) جب کہ انتہائی مشرقی بولی کی حیثیت سے چٹا گانگ کی بنگالی مغربی بنگالی سے اس بات میں ایک قدم آگے معلوم ہوتی ہے کہ بین مصوتی بندشیوں کو حذف کردیا جاتا ہے خواہ وہ وسطی ہند آریائی کے دہرے بندشیوں سے ہی ماخوذ ہوں اور بین مصوتی ” م

(m-) " کو انفیا لیا جاتا ہے خواہ وہ وسطی ہند آریائی کے ۔م م۔ -mm (
) سے ماخوذ ہوں) ۔

صدیوں کی شکست وریخت میں لفظ مردہ ہو جائیں سو الگ بات ہے ورنہ ہر تشکیلی عنصر کا اپنا مفہوم اور اپنی قیمت ہوتی ہے جب ایسی ترکیبی زبان کا سوال ہو جس میں مادے اور اختتامیے استعمال ہوتے ہیں اور بولنے اور سوچنے میں سستی اور بے دلی، عادت یا ایسی ہی دوسری باتوں کا عمل دخل نہ ہو تو عام طور پر اہل زبان واضح طور پر جانتا ہے کہ کون سا عنصر مادہ ہے اور کون سا تعلیقیہ ۔ آریائی زبان بولنے والے شخص سے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ ضرور جانتا ہوگا کہ لفظ دھرم میں " دھر " مادہ ہے اور " م " تعلیقیہ اور اس لیے اس کے ذہن میں اس لفظ کا تجزیہ دھرم ہوگا ۔ اسی طرح دوسرے الفاظ میں مسموع اور غیر مسموع مصمتوں کی وجہ سے بعض صوتی تبدیلیاں لازمی ہوں گی یہاں یہ تبدیلی بہت زیادہ اہم اس لیے نہیں کہ ان کا باہمی رشتہ یا تجزیہ اوجھل نہیں ہے ۔

سنیتی کمار چٹرجی کا خیال ہے کہ اگر کوئی تحریری نظام کسی مخصوص زبان کے لیے بنایا جائے یا صرف اسی کے لیے ڈھالا جائے تو اس زبان کے تلفظ کا اشارہ ہوتا ہے لیکن آج ہمیں یہ نہیں معلوم کہ قدیم براہمی رسم خط جس میں آریائی زبان پہلے پہل لکھی گئی کس انداز کا تھا۔ہوسکتا ہے کہ یہ جنوبی براہمی کے انداز پر ہو جس کے مصمتی حرف میں (a-) لازماً شامل نہیں ہوتا ۔ لیکن یہ بھی سوچا جاسکتا ہے کہ یہ عام شمالی براہمی کی مانند رکنی ہو جسے جڑواں مصوتوں کے بیچ میں داخل کیے بغیر مصمتے ایک دوسرے کے ساتھ جوڑدیے جاتے ہیں جس سے جڑواں مصمتے یا Conjunct consonents بنتے ہیں یہ اصول جدید ناگری اور قریبی تعلق رکھنے والے خطوں میں برتا جاتا ہے۔ اشوک کے براہمی خط میں دھرے

مصتمے نظر نہیں آتے ۔ اشوک کے کتبات کی زبان وسطی ہند آریائی ہے
اس تحریر میں بہت سے جڑواں مصتمے نہیں آتے ۔ اشوک عہد کی
دستاویزات میں جڑواں حروف بھی نہیں نظر آتے ہیں ۔ ناگری اور دیگر
ہندوستانی ابجدی جھے بلاشبہ براہمی روایت پر مبنی ہیں ۔ اس روایت کو اس
وقت فروغ دیا گیاجب قدیم ہند آریائی نے خود کو وسطی ہند آریائی میں
ڈھالنا شروع کردیا تھا ۔ یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ قدیم ترین قدیم ہند
آریائی میں bhak-ta اور lip-ta جیسے الفاظ کے تلفظ میں مرکب یا جڑواں
بندشی جوڑوں (k-t, p-t (کا پہلا مصمتہ پورا پورا کیا جاتا ہے خاص طورپر
جب کہ بولنے والا شخص اسے ادبی مقاصد کے لیے استعمال کر رہا ہو اور پھر
یہ دکن یعنی مہاراشٹر سے شاعری کے عمدہ وسیلہ کی شکل میں شمالی ہند واپس
آئی۔ شمال کے لوگ اپنی قدیم طرز کی شورسینی میں ہی پھنسے رہ گئے جب
کہ اس کی نسبتاً بعد کی شکل آسانی سے ادب کا ذریعہ بن گئی کیونکہ جنوب
میں کسی قدیم ادبی روایت نے اس کے راستے میں رکاوٹ نہیں ڈالی اس
طرح اس کی خوبیاں جلد ہی ابھر کر سامنے آگئیں اور سب نے ان کو
تسلیم بھی کیا اور ادبی پراکرتوں کے گروہ میں اس بولی کو ایک باعزت مقام
حاصل ہوگیا ۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے شمال کی ہندوستانی اپنی دکنی شکل
میں پہلے پہل دکن میں ادبی مقاصد کے لیے استعمال ہوئی جہاں اس کا پودا
شمال سے لے جاکر لگا یا گیا تھا۔ اس نقطہ نظر سے مہاراشٹری پراکرت،
شورسینی پراکرت (جس میں بین مصوتی مسموع بندشیے باقی ہیں اور شورسینی
اپ بھرنش کے درمیان کی منزل ہے) ۔ وسطی ہند آریائی (نیز جدید ہند
آریائی) کے اعداد کی مدد سے آریائی زبان کے علاقے میں بولیوں کے
اختلاط کا کچھ اندازہ ہوتا ہے ۔ ستر میں پراکرت کی مشّددت -tt- اور قدیم
ہند آریائی ر ۔ت (-r-t- (saptati, sattari دونوں ہی ہندی میں بے

قاعدہ ہیں اور اکہتر ikhattar پراکرت میں a- کے بجائے -h- بھی اسی
طرح ہندی میں معمول کے مطابق نہیں ہے h- والے الفاظ نے ہندی کی
بعض صورتوں میں یلغار کی ہے اور بعض فعلوں میں یہ تبدیلی نظر آتی ہے
۔ عددی الفاظ کا آسانی سے منتقل ہوجانے والا حصہ ہیں اور کثیر جہتی داخلی
تجارت اس طرح کی شکلوں کے گڈمڈ ہونے کی ذمے دار معلوم ہوتی ہے ۔
اس سلسلے میں ایک سوال اٹھایا جاسکتا ہے کہ یہ کیا بات ہے کہ گجراتی میں
دور کنی شا -dasa جیسے -catturdasa کے آخری رکن کے ساتھ ماقبل آخر
رکن گرگئے ہیں جب کہ ہندی تیرہ ،چودہ ،اٹھارہ میں صرف آخری رکن
گرتا ہے ۔ یہ بات کسی دوسری جدید ہند آریائی میں نہیں پائی جاتی ۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وسطی ہند آریائی کے فعل کی تصریف زیادہ
الجھاتی ہے ۔ مزید یہ کہ اس زمانے تک قدیم ہند آریائی کے متعدد طوراور
زبانی صیغے رفتہ رفتہ ختم ہوگئے اور گم ہوکر بالآخر وسطی ہند آریائی کے حال
معروف اور حال مجہول مستقبل (بیانیہ طور میں) حالیہ تمنائی اور امری
طور،کچھ تصریف شدہ ماضی کی شکلیں باقی رہ گئیں ۔ صیغہ ماضی بالعموم
مجہول حالیہ تا ta یا اِتا ita دکھائی دیاجاتا تھا جس سے فعل لازم کی صورت
میں فاعل اور فعل متعدی کی صورت میں مفعول ظاہر ہوتا تھا اس شکل میں
متعدی فعل کا ماضی طور مجہول میں ہوتا تھا اس لیے ماضی بننے کی صورت
میں فعل کیفیت کے لحاظ سے صفت محسوس ہوتا ہے ۔ بہت سے ماضی کے
صیغے قدیم ہند آریائی کی خصوصیات لیے ہوئے تھے ۔ مثلاً gam جانا سے
ناتمام۔ مضارع اور تمام jagama, agamat, agacchat ہوتے تھے ۔
انھوں نے فعل کی حیثیت سے فعل کی کیفیت برقرار رکھی تھی لیکن وسطی
ہند آریائی میں عام طور پر صیغیہ ماضی کو مجہول حالیہ -gata سے ظاہر کیا
جاتا تھا اور یہی مجہول حالیہ شکل جدید ہندآریائی میں بھی باقی رہ گئی بعد میں

سنسکرت پر بھی علاقائی بولیوں کا کچھ رنگ چڑھا اور اس میں صیغہ ماضی ظاہر کرنے کے لیے مجہول حالیہ کو ترجیح دی جانے لگی۔

پہلی وسطی ہند آریائی عبوری وسطی ہند آریائی ثانوی یا وسطی ہند آریائی اور بعد کی وسطی ہند آریائی یا اپ بھرنش کی مختلف منازل پر وسطی ہند آریائی کی صوتیات اور مارفیمیات کا عمومی نقشہ کم و بیش طے ہے۔ پھر بھی اس معاملہ پر مزید بحث کرنے کی ضرورت ہے۔ وہ مرکبات جو آج خاصے عام ہیں وسطی ہند آریائی اور قدیم ہند آریائی (سنسکرت) میں صرف درجن بھر ملتے ہیں۔ مثلاً karsa, pana سکہ فارسی karsa اور سنسکرت (آسٹری کا اصل papa) عدد چار حساب میں استعمال ہوتا ہے sali hotra گھوڑا (آسٹری) sali sata جیسا کہ سنسکرت میں بھی ہے sadin گھوڑسوار دیکھیے salivahana sata-vanana اور کول sad-om گھوڑا اور hotra, ghotra, ghutra سنسکرت کی قدیم تر شکل gnota گھوڑا اور اسی کی دراویدی شکلیں جیسے تامل میں kutirai gutirai کنڑ kudura, guture تلگو gutram, gurra-mu وغیرہ اور اس کے بعد کچھ اور بھی الفاظ ملتے ہیں اس طرح کے مرکبات کا ملنا اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ جدید ہندوستان کی مانند ہی قدیم ہندوستان میں بھی ساتھ ساتھ مختلف زبانیں بولی، پڑھی یا کسی دوسری طرح استعمال کی جاتی تھیں اور اسی سے یہ مرکبات بن گئے۔ یہاں یہ مسئلہ قابل غور ضرور ہے کہ وہ پراکرت بولیاں جن کو قدیم ہندوستانی قواعد نویسوں نے علاقائی ناموں سے موسوم کیا، کہاں تک مختلف علاقوں کی بول چال کی نمائندگی کرتی تھیں۔ یعنی ابتدائی، درمیانی اور آخری وسطی ہند آریائی کی مختلف بولیوں کے علاقائی رشتے کیا تھے۔ یہ ایک بہت اہم مسئلہ ہے اور دقتوں سے پُر ہے۔ اشوکی بولیوں کے اپنے مسائل ہیں وسطی علاقے کی زبان کسی بھی اشوکی کتبہ میں نظر نہیں آتی اور

اشوک کے دربار کی زبان جو مشرقی بولی تھی یقینا سرکاری زبان تھی اور اس نے دوسری بولیوں کو متاثر کیا تھا ۔ شاید وسطی علاقہ کے لوگوں کو مشرقی بولی سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہوتی تھی اور پھر ڈرامے میں استعمال ہونے والی بولیوں ، شورسینی، ماگدھی، مہاراشٹری، پشاچی مہاراشٹری وغیرہ کا ذکر پہلے ہی ہوچکا ہے دوسری بولیوں کو نقل کی بولیاں imitation dialect کہا جاسکتا ہے ان سے قواعد نویسوں (اور ان کے اتباع) میں بعد کے پراکرت مصنفوں کے اس تصوّر کی نمائندگی ہوجاتی ہے کہ علاقائی بولیوں کی حیثیت سے شورسینی ، ماگدھی، مہاراشٹری یا پشاچی کیسی بولیاں رہی ہوں گی۔ قواعد میں ان سے متعلق مختصر اشاروں سے قواعد نویسوں کی بیان کردہ کسی مخصوص بولی کی خصوصیات کا کم علم ہوپاتاہے ۔ دور حاضر کے ہندی ڈرامے میں اسٹیج کی بنگالی سے ان کا موازنہ کیا جاسکتا ہے فرق صرف یہ ہے کہ قدیم شکلوں کے مقابلے میں بولیوں کی جدید شکلیں اس معیار سے قریب تر ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جدید ریاستی زبانوں اور بولیوں کے گہرے مطالعے اور پراکراتوں سے دستیاب ہونےوالی معلومات کی مدد سے ہی وسطی ہند آریائی دور کا لسانی خط فاصل کھینچا جاسکتا ہے ۔

وسطی ہند آریائی کی فرہنگ بھی بعض دلچسپ مسائل پیش کرتی ہیں ۔ پالی سے لے کر بعد کے دور تک وسطی ہند آریائی کے " نیم تت سم " عناصر کی طرف مناسب توجہ نہیں دی گئی ۔ قدیم padma daduma, سے بننے والے raana, rayana یا pauma یا pauma جیسے الفاظ جو قدیم ra-ana ratana , ratna ra-ana سے ماخوذ ہیں قدیم ہند آریائی کے اصلی لفظ مانے جانے کے بجائے سنسکرت سے مستعار عناصر تصور کیے جانے چاہئیں ۔ تدبھو اور نیم تت سم کے درمیان مناسب امتیاز وسطی ہند آریائی کے لیے بھی ہوناچاہیے ۔مثلاً darasika, adarsaika aarasia جدید ہند آریائی

sarsu ہندی rsi sarisapa- sarsapa سرسوں وغیرہ۔ جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے وسطی ہند آریائی میں دیسی عنصر بھی دلچسپ اور کبھی کبھی چکر ا دینے والا موضوع ہے ۔ وسطی ہند آریائی میں بہت سے الفاظ تو وہ ہیں جو آریائی سے آئے ہیں ۔ پرانے قواعد نویس اپنے تساہل کی وجہ سے ان کو تدبھو کی حیثیت میں نہیں پہچان سکے ۔ دیشی نام جیسی کتاب میں ایسے بہت سے الفاظ ہیں جن میں بعض تقلید صوتی انداز میں بنے ہیں ۔

بعد کے دور کی ہند آریائی میں بہت سے دراویدی، آسٹری اصل الفاظ ملتے ہیں اس سلسلے میں ویدی اور سنسکرت میں غیر آریائی عناصر کو بھی خیال میں رکھنا ہوگا ۔ سنسکرت قواعد نویسوں نے اس امکان کی طرف توجہ بھی نہیں دی کہ دیوتاؤں کی زبان (دیوبھاشا) منڈا، نشادوں ، پلندوں ، کولوں اور بھیلوں اور دوسرے قدیم لوگوں کی زبانوں سے الفاظ مستعار لے سکتی تھی۔ اس نظریے کے تحت سنسکرت اور ویدی میں دیسی لفظ شامل ہی نہیں ہوئے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ دیگر زبانوں کی طرح سنسکرت پر مقامی زبانوں کے اثرات صاف طور پر نظر آتے ہیں ۔ کاڈویل (Caldwell) ایمینیو (Emeaneu) اور بعض دوسرے ماہرین لسانیات نے ہند آریائی پر آسٹری کے اثرات کے بارے میں تحقیق کی ایک نئی راہ کھول دی ہے ، تحقیق کا یہ کام برابر آگے بڑھ رہا ہے اور ہند آریائی صوتیات و نحو پر غیر آریائی زبانوں کے گہرے اور نازک اثرات کے لسانی مطالعے کا سلسلہ جاری ہے ۔

جدید ہند آریائی :

جدید ہند آریائی کے دور کا آغاز تقریباً 1000 میں شمالی ہند میں ترکی ایرانی غلبے کے ساتھ ہوتا ہے ۔ شمالی ہندوستان میں 1000 تک ہند آریائی زبان اپنی تاریخ کے نئے دور " جدید ہند آریائی دور " میں داخل ہوچکی تھی

۔ یہ وہ زمانہ ہے جب ہندوستانی تاریخ میں عظیم واقعات رونما ہوچکے تھے اور بیرونی عہد آفریں اثرات کے باوجود ہندوستانی تہذیب کا امتزاجی عمل بلاروک ٹوک جاری تھا۔ ہندوستانی طرز معاشرت اور ہندستانی فکر کا دائرہ برابر وسیع ہورہاتھا۔ ہندوستانیوں کے دل اور دماغ اور ہاتھوں کو محسوس کرنے ، غوروفکر کرنے اور تخلیق کرنے کی جو آزادی حاصل تھی اس کے نتیجے میں انسانیت کے لیے مستقل اقدار کی حامل چیزیں وجود میں آرہی تھیں ۔ 1000 تک ہندوستانی تہذیب کے اکتسابات میں متعدد بر گزیدہ ہستیاں ، زندہ جاوید افکار، بہت سے علمی اور سائنسی تصورات اور ایسی متعدد فنی تخلیقات شامل ہوچکی تھیں جنھیں بالآخر آج انسانی عظیم اکتسابات میں شامل کیا جارہا ہے۔ آریائی زبان اور دراویدی زبانوں نے بھی ہندوستان کی اس تمدنی پیش رفت کا ساتھ دیا تھا ۔اول الذکرنے ویدی سنسکرت ، پالی اور پراکرت کی شکل میں موخرالذکرنے تامل ، کنڑاور تلگو(اس کے نمونے 1000 سے بھی ما قبل دور کے ملتے ہیں)کی شکل میں خالص ادب، فلسفہ اور اس دور کے مطابق سائنس کی عظیم المرتبت تخلیقات کی ہیں ۔ 1000 عیسوی کے بعد ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ مذہب اسلام کے ماننے والوں اور دیگر غیر ملکیوں کی شمالی ہند اور شمالی ہند کے مسلمانوں کی دکن پر فتح اس کا سبب بنی ۔ اس کے ساتھ ہی ہندوستانی زبانوں کو ہند وستانی تہذیب کی نئ شکل کے اظہار کا کام انجام دنیا پڑا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب پراکرتوں کا دور ختم ہوچکا تھااور علاقائی اپ بھرنشوں سے گزر کر پراکرتیں جدید ہند آریائی میں تبدیل ہوچکی تھیں ۔ ادیب اور شاعرسنجیدہ تصانیف کے لیے اسی زبان کا ستعمال کرتے تھے ۔

یہ اپ بھرنش (اور کسی حد تک پراکرت) روایت کے جدید ہند آریائی کے عروج تک جاری رہنے کی ایک اہم مثال ہے ۔ پروفیسر ایس

کے چٹر جی کا خیال ہے کہ اگر ہندوستانی زندگی اپنے پرانے ڈھرے پر چلتی رہتی اور باہر سے اس پر شدید حملے نہ ہوئے ہوتے تو ممکن ہے کہ جدید آریائی زبان و ادب کے آغاز و ارتقا میں ایک دو صدیوں کی اور تاخیر ہوتی۔
1025 کے قریب البیرونی نے ہندوستان کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا کہ (شمالی ہند میں ") ہندوستانی یعنی ہند آریائی زبان دو حصوں میں بٹی ہوئی ہے ۔ ایک گری پڑی بولی جسے صرف عوام استعمال کرتے ہیں اور ایک کلاسیکی زبان جسے اعلیٰ اور تعلیم یافتہ طبقے کے لوگ استعمال کرتے ہیں ۔ یہ بہت ترقی یافتہ ہے اس میں تصریف و اشتقاق کے قواعدی اصول ہیں اور عروض و قواعد کی نزاکتوں کی پابندی کی جاتی ہے ۔ اس کے باوجود ہندوستانی زبان کو ایک ہی سمجھا جاتا ہے ۔ مہذب طبقات یعنی برہمن نے بھی ان کی استعانت کی ہے لیکن وہ خود اور ان کی کم تر درجہ کی رعایا ' اپ بھرنش ' اور ' اپ بھرنش ' اور ' جدید ہند آریائی ' کی ملی جلی زبان استعمال کرتی ہے ۔ کیونکہ تفریح طبع کے لیے رزمیہ اور غنائی شاعری اور عوام کی مذہبی اور بھکتی شاعری برہمنوں کے عام ادبی رجحانات و مشاغل سے باہر کی چیزیں ہیں لہٰذا ان کے لیے بالعموم اپ بھرنش اور جدید ہند آریائی کی ملی جلی زبان استعمال ہوتی ہے ۔"

البیرونی کی ان تفصیلات سے ظاہر ہوتاہے کہ علاقائی جدید ہند آریائی ادب کے لیے ضرورت اور موضوعاتی مواد دونوں تیار تھے ۔ نتیجتاً ہندوستانی ادب کا تسلسل باقی رہا۔ اس دور میں ادب کا رخ زیادہ قوت کے ساتھ ہندو پرانوں اور ہندو مذہبی موضوعات کے بیان کی طرف مڑ گیا۔

ہند آریائی کا شعری ادب :

بارھویں صدی تک پہنچتے پہنچتے ہندو اوتاروں اور دیوتائوں کی شان میں چھوٹے چھوٹے گیت اپ بھرنش اور نموپذیر علاقائی زبانوں کی مسلمہ

خصوصیت ہوگئی تھی۔ اس کی کچھ مثالیں یہ ہیں :

(1) 1129 میں مہاراشٹر کے چالوکیہ خاندان کے راجاسومیشورسوم بھولوکمل کی سرپرستی میں لکھی عظیم سنسکرت قاموس

(2) ابھلاشی ناتھ چنتامنی یا مانس الاس میں موجود کچھ نظمیں یا متفرق ٹکڑے

(3) پراکرت نپل کی بھی کچھ نظمیں

(4) جے دیو کی "گیت گووند"

چٹر جی کا خیال ہے کہ اس 24 بند کے اس گیت کو اُپ بھرنش میں بنگال میں نئ نئ پیدا شدہ جدید ہند آریائی کی بولی میں لکھے گئے ہوں گے 1100 تک ان کی بھرپور زندگی کا آغاز ہوگیا تھا۔ 1600 تک پہنچتے پہنچتے جدید ہند آریائی بولیوں میں متعدد مہتم بالشان تصانیف وجود میں آچکی تھیں ۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں ۔

(5) مرہٹی کی "گیانیشوری" اور "ایکناتھی رامائن"

(6) بنگالی میں چنڈی داس کی " شری کرشن وجے "کرتی داس کی " رامائن " اور مکندرام کی " چنڈی کا ویہ "کرشن داس کوی راج کی " چتنیہ چرتامرت " شنکر دیواور ان کے ہم عصروں کی آسامی تصانیف

(7) میتھلی میں " ودیاپتی کے گیت " ،

(8) اڑیا میں " جگن ناتھ داس کی بھاگوت پران "

(9) اودھی میں تلسی داس کی " رام چرترمانس " اور دوسری تصانیف

،

(10) ہندی اردو میں کبیر کی شاعری

(11) پنجابی میں قدیم ترین ساکھیاں

(12) اپ بھرنش اور قدیم مغربی ہندی کی ملی جلی زبان میں پرتھوی

راج راسو

) 13 (برج بھاشا میں میرابائی کے بھجن ،(برج بھاشا کی غنائی شاعری میں رام بھگتی کے عقیدے کا فقدان ہے اور اس تخصیص میں کچھ ایسی شدت نظر آتی ہے کہ میواڑ کی راج کماری میرابائی نے بھی جب کرشن بھگتی پر شاعری کی تو راجستھانی (ڈنگل) کو چھوڑ کر برج بھاشا(پنگل) کو اپنے خیالات کے اظہار کا وسیلہ بنایا)

) 14 (قدیم گجراتی میں نرسنگھ مہتا کی تصانیف نیز پدم نابھ 1456 ( ) کی کانھڑدے پر بندھ۔

ہند آریائی کا نثری ادب :

ان تفصیلات سے اندازہ ہوتا ہے کہ جدید ہند آریائی کو سنسکرت ، پراکرت اور اپ بھرنش سے جو روایت ورثے میں ملی تھی وہ منظوم ادب کی روایت تھی۔ سنسکرت منظوم ادب کے عظیم سرمایے کے مقابلے میں نثر بہت پچھڑی ہوئی تھی ۔مہابھارت کے نثری حصے براہمنہ کو تلیہ کی ارتھ شاستر ، واتساین کی کام سوتر اور پاتنجلی کی مہابھاشیہ بھی اگرچہ موجود تھی لیکن کادمبری داسودتا شنکر کی تفسیر ، پنچ تنتر بھوج پربندھ اور ایسی ہی بعد کی تصانیف کی روایت ایک دوسرے سے بہت مختلف تھیں اور آخرالذکر (بھوج پربندھ) کا اسلوب تو ابتدائی جدید ہند آریائی (مثلاً گجراتی) نثر سے بڑی مشابہت رکھتا ہے ۔ پالی کی جاتک اور مذہبی تحریریں نیز جینی انگ نثری انشا کی قبل مسیح ہندوستانی روایت سے تعلق رکھتی ہیں یہی روایت ہمیں برہمنوں ، مہابھارت کے نثری حصوں ، وشنوپران وغیرہ میں ملتی ہیں ۔ جدید ہند آریائی نثر کا استعمال صرف بیانیہ تحریروں کے لیے ہوا عملی یا فلسفیانہ یا سنجیدہ تحریروں کے لیے نہیں ہوا۔ قدیم گجراتی ، ابتدائی پنجابی، اتبدائی میتھلی، ابتدائی آسامی (آسامی کے برنجی یا تاریخی ادب)میں

دستیاب نثری نمونوں کا جائزہ لیا جائے تو اس بات کا بہ خوبی اندازہ ہوجاتا ہے اس کے لیے صرف سادہ اسلوب کافی تھا۔ نثر کو چوں کہ فکری دنیا کی پیچیدہ صورتوں سے عہدہ برآہونا نہیں ہوتا تھا۔

علاقائی بولیاں ذریعہ اظہار کی حیثیت سے مکمل نہیں تھیں اس کا ثبوت صرف یہی نہیں کہ ان میں سائنسی اور تکنیکی اصطلاحات نہیں تھیں بلکہ بہت سی جدید ہند آریائی بولیوں میں نثری نحو کا بھی تعین نہیں تھا۔ چٹرجی کا خیال ہے کہ جدید ہند آریائی سادہ اور موثر نثر کا ارتقا پہلے ہوا ہوتا تو یہ ہندوستانی ذہن کی بازآفرینی میں بیش بہا ہوتا۔

جدید ہندآریائی بولیوں کی لسانی خصوصیات :

جدید ہند آریائی زبانوں میں بعض ایسی لسانی خصوصیات ہیں جو صرف جدید ہند آریائی بولیوں میں پائی جاتی ہیں۔ ان لسانی خصوصیات کو لسانیات کی ہر سطح یعنی علم صوت، مارفیمیات اور نحو کی سطح پر ڈھونڈا جا سکتا ہے۔ گویا ان زبانوں میں بعض ایسی خوبیاں ہیں جو صرف جدید ہند آریائی بولیوں میں نظر آتی ہیں۔ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ آسانی کی خاطر داردی (dardia (بولیوں کی ہند آریائی سے الگ تقسیم ضروری ہے ۔کیوں کہ ان کی بعض لسانی خصوصیات جدید ہند آریائی بولیوں سے قطعی مختلف ہیں۔

جدید ہند آریائی بولیوں میں ہ) h (اور ہکاریوں کے تلفظ میں ترمیم ہوتی ہے۔ گجراتی بولنے والوں کو اس کا احساس ہے اور اسی لیے گجراتی رسم خط کا حلقی بندشیہ میں تبدیل ہونے یعنی ہکاریت سے حلقی بند تک کا عمل جس میں متصل مصمتوں کا تلفظ غیر نمایاں ہوجاتا ہے یہ صورت گجراتی میں بہت واضح ہے۔ بہر کیف ویدی زبان کی غیر ہکاریت جدید ہند آریائی میں ہکاریت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

(1) ویدی زبان میں غیر ہکاری [الپ پران] سے لکھے گئے الفاظ جدید ہند آریائی میں ہکاری آوازوں [مہاپران] سے لکھے جاتے ہیں ۔ مثلاً :

ویدک و = بھ

ورشنا

بھکنا

1 ۔ 16 ۔ 3

وَرِپس

بھاپ

1 ۔ 11 ۔ 7

ویدک م = مھ

سمارت

سنبھال

1 ۔ 10 ۔ 14 ، 1 ۔ 21 ۔ 6

ویدک پ = پھ

پاشا

پھانسا (پھندا)

1 ۔ 6 ۔ 1 ، 2 ۔ 27 ۔ 16

پر

پھر (دوبارہ)

1 ۔ 10 ۔ 6

پرانچم

پھانٹا (منقسم)

10 ۔ 135 ۔ 3

پپُرو

پھیپھڑا

1 ۔ 10 ۔ 1

پرشو

پھرسا

21 ۔ 104 ۔ 7

پوت

پھول

2 ۔ 20 ۔ ا ، 6 ۔ 4 ۔ 1 ، 3 ۔ 1 ۔ 1

ویدک ت = ٹھ ٹ

اتندرا

ٹھنڈا

8 ۔ 12 ۔ 1 ۔ 12 ۔ 1 ، 18 ۔ 28

ویدک ک = کھ

وکرت

(بکھ (بکھرنا)

15 ۔ 164 ۔ 1

کریڑا

کھیل

9 ۔ 4 ۔ 4

ڑھ = ویدک ر

چراد

چڑھاؤ

3 ۔ 88 ۔ 7

چرتی

چڑھ

8 ۔ 51 ۔ 4

ویدک پ = بھ

پرنب

(بھرنا)

4 ۔ 18 ۔ 1

اسی طرح رگ وید کی غیر ہکاری [الپ پران] ایرانی کے حروف خ، غ اور ف جنھیں مستشرقین قدیم ہند یورپی کے ہکاری [مہاپران] کہتے ہیں سے تحریر ہوئے ہیں ۔ مثلاً :

کردش

خردش

2 ۔ 66 ۔ 1 ، 606 ۔ 1

کاشٹھا

خاستہ (اٹھا ہوا)

2 ۔ 8 ۔ 1

کرامیم

خرامیم (ہم چلیں)

2 ۔ 105 ۔ 1

(دودھ) کرام

جل(خرام)

1 ۔ 101 ۔ 10

خود (عقل)

کرتو

1 ۔ 68 ۔ 9، 10

کرتومنت

خرد مند

1 ۔ 24 ۔ 4

ویدک س = خ

س وآیو

خواجہ

1 ۔ 12 ۔ 7

سو آدھیو

خواجہ

1 ۔ 4 ۔ 5

سو سار

خواہر

10 ۔ 127 ۔ 3

سوئید

خوئید (پسینہ)

1 ۔ 14 ۔ 3

سارم

خود(کانٹا)

10 ۔ 14 ۔ 11

10 ۔ 146 ۔ 1، 4، 11 ۔ 6

سودھا

خدا

1 ـ 147 ـ 2 ، 10 ـ 129 ـ 5

ویدک ش = خ

شسک

خشک

4 ـ 4 ـ 4 ، 2 ـ 13 ـ 6

ساکم واشی

ساخم واخی

1 ـ 8 ـ 2

(ہم آواز ہو کر)

ویدک گ =

بھگم

بغ (دیوتا)

1 ـ 89 ـ 3

اَرہ

آدوغ (ڈکار)

1 ـ 10 ـ 3

ویدک پ = ف

درپسا

دوفش (جھنڈا)

1 ـ 4 ـ 3

گویام

طوفان

1 ـ 1 ـ 8

چروتا

فرود

1 ـ 35 ـ 3

شاخوں والا درخت

پرشٹھا

فرشتہ

6 ـ 72 ـ 3

نیپسُتا

ہوا نیفتہ (نیچے گرایا)

10 ـ 34 ـ 5، 10 ـ 34 ـ 9

پشنگ

قشنگ (خوبصورت)

10 ـ 24 ـ 2، 1 ـ 14 ـ 4

کپونیت

فرزند

1 ـ 13 ـ 3

3) اردو کے ہکاری [مہاپرانوں] کو رِگ وید میں غیرہکاری [الپ پران] پر صفیریوں اور ی کے اضافے سے بھی لکھا گیا ہے ۔ مثلاً :

اردو

رگ وید

سوکت

س

ہم (قدیم امھ)

اسم اسمان

1 ۔ 4 ۔ 6

چاؤ (قیدرہمارا)

1 ۔ 3 ۔ 2، 1 ۔ 4 ۔ 6

سھا (قدیم نھا،

سناتو

1 ۔ 15 ۔ 11

نہانا

نہانے والا

نکھر (نکھرنا)

نشکرت

1 ۔ 1 ۔ 2، 1 ۔ 4 ۔ 3

بکھر (بکھرنا)

وشکرت

1 ۔ 7 ۔ 4، 1 ۔ 1 ۔ 2

ش

چھِسّن جماع کرنا

ششن

1 ۔ 105 ۔ 8

مرگون اشنو

موت کی نذر

9 ۔ 23 ۔ 1

ٹھنڈا

شچندر ۔ شچندا

1 ۔ 23 ۔ 1 ، 1 ۔ 22 ۔ 1 ، 1 ۔ 6 ۔ 4

اُٹّھا

درشچا

1 ۔ 10 ۔ 1

ساتھ (ستّھی)

ششچی

5 ۔ 16 ۔ 1

چھوڑ (چھوڑنا)

شچوت

3 ۔ 14 ۔ 1

اضافہ ی

مچّھ (مچھلی)

متسیہ

1 ۔ 3 ۔ 1

جھ (لڑائی)

یُسدھیہ

2 ۔ 3 ۔ 1

مچّھا

(رہن ماجا، مھیا، مھیم مجھ کو)

1 ۔ 6 ۔ 1

4) ویدک کی مفرد صفیریوں کو اردو کے صفیری یا ہکاری [مہاپرانوں] سے بھی لکھا گیا ہے ۔ مثلاً :

ویدک س = خ یا کھ

اَسُرچ

اخروٹ

1 ۔ 16 ۔ 3 ، 1 ۔ 16 ۔ 5

کھ = کش

سیکھ

سیکش

7 ۔ 60 ۔ 11

چھ = کش

چُھرا

کشرا

1 ۔ 23 ۔ 2

چھ = کش

اچھا

اکشا

8 ۔ 5 ۔ 13 ۔ 4

جھ = کش

ان جھاڑ ژبے خار)

انرکشر

1 ۔ 8 ۔ 6 ، 1 ۔ 41 ۔ 4 ، 1 ۔ 4 ۔ 5

جھڈنا

کشرن

1 ـ 17 ـ 1

کھ = مخنی ش

سکھانا

سور شاتا

1 ـ 14 ـ 7 ، 6 ـ 23 ـ 4

اردو

رگ وید

سوکت

چھ = جنی ش

چھریا (بکری)

شریا

1 ـ 18 ـ 2

چھڑیاں

شریام

1 ـ 21 ـ 9

باچھڈی (بچھڈی)

باشری

4 ـ 20 ـ 2

بچھڈا

باشرا

1 ـ 7 ـ 2

(5) اُردو کے ہکاری [مہاپرانوں] کو ویدک کی دیوناگری لپی میں غیر

ہکاری [الپ پرانوں] پر ہائے ہوز کے اضافے سے بھی ظاہر کیا گیا ہے ۔
مثلاً :

گھ = گ + ہ

گھر

گرہ

4 ۔ 11 ۔ 5

گھریا (کّھالی)

گرہیا

5 ۔ 18 ۔ 1

بھرت (نام ہے)

ورہت

مھ = م + ہ

میں (قیدم مھین
مھکنی اندر)

17 ۔ 21 ۔ 1

ہمیں (قیدیم انھیں)

اہمیم

2 ۔ 9 ۔ 1

دھ = د + ہ

اِدھر

اِہدر

2 ۔ 9 ۔ 1

) 6 (اُردو کے ہکاری [مہاپران] رگ وید میں دوسرے ہکاری [

مہاپرانوں] سے بھی لکھے گئے ہیں ۔ مثلاً :

تھ = دھ

ساتھ (ستتھی)

سدھری

1 ۔ 16 ۔ 3

اَن تھک

اَن دَھس

1 ۔ 3 ۔ 2 ، 1 ۔ 35 ۔ 6 ، 1 ۔ 10 ۔ 2

اردو

رگ وید

سوکت

مھ = م + بھ

چوم (قدیم) چھومھ

شُنبھ

1 ۔ 21 ۔ 1

سنبھلانا(قدیم

سمبھرا سمھلانا)

سنبھل (قدیم)

سنبھبرت سمھل)

1 ۔ 10 ۔ 2

تھم(قدیم تھمھ)

متمبھ

2 ۔ 12 ۔ 2

کھم (قدیم کھمھ)

سکمبھ

4 ۔ 160 ۔ 1

7 (اُردو کے ہکاری [مہاپرانوں] پر رگ وید میں جو کچھ بیتی ہے اس کا کچھ اندازہ مندرجہ بالا مثالوں سے ہوجاتا ہے لیکن ایرانی زبان میں خ، غ، ف کے علاوہ جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے دوسرے ہکاری [مہاپرانوں] کے فقدان کے باعث اس قسم کی مثالیں نہیں مل سکتیں ۔ البتہ رِگ وید میں اس کے برعکس تمام زبانوں کے غیر ہکاری [الپ پرانوں] کو بھی بعض مقامات پر ہکاری [مہاپرانوں] سے تحریر کیا گیا ہے ۔ اس کی مثالیں درج ذیل ہیں :

(الف)

د = دھ

داکھ

دھاسم (منقی)

1 ۔ 11 ۔ 5 ، 1 ۔ 21 ۔ 1

د = دھ

دِے

دھے ھِ

5303 ۔ 18 ، 1 ۔ 21 ۔ 1 ، 1 ۔ 53 ۔ 18

ل = دھ

مَل (مل دے)

مردہ

1 ۔ 20 ۔ 5

جانے والا

ل = شٹھ

بیل

وہشٹھا، وہشٹھان

1 ۔ 20 ۔ 1 ، 1 ۔ 18 ۔ 1

(ب)

ایرانی

رگ وید

سکوت

دیدہ (آنکھ)

دھیتیوں

1 ۔ 20 ۔ 2

داغ

دھکش (جلا دے)

4 ۔ 4 ۔ 4

واوار

دادھار

1 ۔ 67 ۔ 5 ۔ 2

ت = تھ

ستا (ستاون،

ستھ کھڑا ہونا)

ستور (بیل)

ستھورم

1 ـ 10 ـ 4

ت = ٹھ

ستا ژمتاون)

شٹھا

1 ـ 154 ـ 2

خاستہ

کاشٹھا

1 ـ 8 ـ 2

ب = بھ

آب (چمک)

آبھا

1 ـ 9 ـ 7

بغ

بھگ

10 ـ 43 ـ 3

ابر

ابھر

1 ـ 13 ـ 2

محنب (خُم)

کمُبھ

1 ـ 17 ـ 2، 1 ـ 16 ـ 10

براز (چمکتا)

بھراج

4 ـ 35 ـ 1

برگ

بھرگ

10 ـ 26 ـ 3

ببر

بھرو(بادامی)

4 ـ 33 ـ 2

ببر د (وہ لے جاتا

بھرتی ہے)

2 ـ 10 ـ 2 ـ 1

ان تفصیلات سے اس بات کا بہ خوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ جدیدہند آریائی زبان اپنے ان تفصیلات سے اس بات کا بہ خوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ جدیدہند آریائی زبان اپنے ارتقائی سفر میں مختلف لسانی تبدیلیوں سے دوچار ہوئی۔آریائوں کے ہندوستان کے مشرقی علاقے میں پھیلنے کی وجہ سے اس میں مقامی لسانی اثرات کا در آنا لازمی تھا۔ ہند آریائی زبانوں کے ارتقائی سفرکو بہ خوبی سمجھنے کے لیے ہند آریائی زبانوں کی تاریخ کو مندرجہ ذیل تین ادوار میں تقسیم کیا جاسکتاہے ۔

اندرونی اور بیرونی جدید ہند آریائی بولیاں :

جدید ہند آریائی زبانوں کی بعض لسانی خصوصیات کو بہ خوبی سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہندآریائی کی اندورنی اور بیرونی بولیوں کے اس نظریے کو سمجھا جائے جسے اے ۔۔ایف۔ آ ر۔ہان لے (A.F.R Hoenle) نے پیش کیا اور سرجارج گریرسن نے اس کی لسانی تشریح کی لیکن اس نظریے کو ہند آریائی کے بہت سے ماہرین لسانیات نے مسترد کردیا ہے ۔

اس نظریے کے مطابق موجودہ ہند آریائی زبانیں دو گروہوں میں تقسیم ہوتی ہیں ۔ اندرونی جدید ہند آریائی بولیاں ۔ جس میں مغربی ہندی کی بولیوں کا گروہ شامل ہے ۔برج بھاشا ،بندیلی، قنوجی ،علاقائی ہندوستانی اور بانگڑوا اور ہندی (ہندوستانی) اور اردو۔ اندرونی جدید ہند آریائی بولیوں کے چاروں طرف بیرونی جدید ہند آریائی بولیوں اور زبانوں کا حلقہ ہے ۔ بیرونی جدیدہند آریائی زبانوں میں مغربی پنجابی، سندھی، راجستھانی، گجراتی، اڑیا، بنگالی، آسامی ، بہاری بولیاں مثلا بھوج پوری، مگھی، میتھلی اور خطہ ہمالہ کی پہاڑی بولیاں شامل ہیں ۔

گریرسن کے مطابق اندرونی اور بیرونی گروہوں میں واضح مصمتی، مصوتی اور مارفیمیاتی اختلافات ہیں ۔ ان دو گروہوں کے علاوہ کچھ اور بولیوں کے گروہ بھی ہیں ۔جنھیں وسطی کہا جاتا ہے ۔ یہ بیرونی گروہ سے تعلق رکھتی ہیں لیکن اندرونی سے بے حد متاثر ہیں ۔ کوسلی (مشرقی ہندی) بولیوں کا ایسا ہی وسطی گروہ ہے ۔ مشرقی پنجابی ، راجستھانی اور گجراتی میں بھی اندرونی گروہ کے ایسے ہی آثار اور خلط ملط عناصر نظر آتے ہیں ۔ ہان لے اور گریرسن کے مطابق ان دونوں گروہوں میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ وہ دو ایسے الگ الگ گروہوں یا آبادکاروں میں بولیوں کے نمائندہ ہیں جو الگ الگ موقعوں پر آئے ۔ آریائوں کا بیرونی گروہ ہندوستان میں پہلے آیا اور وہ پہلے اس علاقے میں آباد ہوا جسے مدھیہ پردیش یا وسطی علاقہ کہا جاتاہے ۔ یعنی موجودہ مغربی اترپردیش اور مشرقی پنجاب ۔ اس بیرونی گروہ کا تعلق آریائوں کے داردی فرقہ سے تھا۔ آج کل یہ فرقہ کشمیر اور ہندو افغان سرحد پر شمال مغرب میں آباد ہے اور یہی لوگ ہمالہ کے نشیبی علاقوں میں بھی پھیل گئے تھے ۔ اندرونی گروہ بعد میں آیا اور بیرونی گروہ کواس کے اصلی وسطی علاقے سے باہر دھکیل دیا اور ان کو شمال اور مشرق،

جنوب اور مغرب میں منتشر ہونے پر مجبور کردیا جس سے آج کے بیرونی گروہ کے چاروں طرف ایک حلقہ سا بن گیا۔ گریرسن نے اپنے ان خیالات کا اظہار " لسانیاتی جائزہ ہند " میں پیش کیا جو ایک بڑا علمی کارنامہ ہے ۔ " لسانیاتی جائزہ ہند " ماہرین لسانیات کے لیے ایک ایسی تحقیق ہے جس سے زبانوں پر سوچنے اور ان پر کام کرنے کی تحریک ملتی ہے ۔ یہ اور بات ہے کہ ماہرین لسانیات جارج گریرسن کے بعض نظریے مثلاً اندرونی اور بیرونی نظریے کو نہیں مانتے ۔ اس نظریے کے بعض پہلوؤں کو رام پرشاد چندر نے بشریات سے جزوی طور پر سہارا دیا۔ ان کے مطابق آریا نسلی طور پر دو قوموں کی نمائندگی کرتے ہیں ۔ جو مشترک زبان اور تہذیب کے بندھنوں سے متحد ہیں ۔ ان میں سے ایک لمبوترے سر والے تھے اور دوسرے درمیانی درجہ کے سر والے ۔ اندرونی آریا لمبوترے سر والوں کی نمائندگی کرتے ہیں اور گجرات ، اڑیسہ ، بنگال اور بعض دوسرے علاقے کے لوگ درمیانی سر والوں کی بس مغرب اور مشرق کی دو بیرونی بولیوں کی حیثیت سے گجراتی اور بنگالی میں کوئی مخصوص تعلق (گروہ موجود ہے) آریائوں کے نسلی اختلاف کی وجہ سے اور گجرات و بنگال کے لوگوں میں نسلی وحدت کی وجہ سے ہوگا۔

لسانیاتی طور پر یہ نظریہ قابل قبول نہیں معلوم ہوتا خود رام پرشاد چندر کی بشریاتی توجیہات بھی حتمی نہیں ہیں کیونکہ بعض اہم امور میں یہ اندرونی اور بیرونی نظریے سے مختلف ہیں ۔ اس کے باوجود یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہکاریوں کے استعمال کے معاملے میں اندرونی زبان (مغربی ہندی) اور وسطی زبانوں میں سے ایک (مشرقی ہندی) کی خود اپنی ایک حیثیت ہے ۔ ان میں قدیم ہند آریائی کے ہکار یے باقی رہتے ہیں جب کہ ان دونوں کے گرد حلقہ بنانے والی بیرونی زبانیں ۔ پنجابی اور راجستھانی ، گجراتی ، مرہٹی ،

اڑیا، بنگالی اور آسامی اور بہاری بولیوں (جزوی طور پر) اور ذیلی ہمالیائی بولیاں مسموع ہکاریوں (اور کبھی غیر مسموع) اور (h) o کو مختلف نئے انداز میں استعمال کرتی ہیں۔ حلقی بندشیہ کا استعمال عام ہے، مشرقی بنگالی میں اس کے ساتھ کچھ مقامی عنصر شامل ہوجاتا ہے۔ پنجابی میں مقامی ترمیم نے ہائیہ اور مسموع ہکاری بندشیوں کی جگہ لے لی ہے اور بعض حالتوں میں سندھی کے غیر ہکاری مصتموں میں درکشیدہ تلفظ پیدا ہوگیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ مشرقی ہندی اور ہندی خاص کے علاقہ جدید ہند آریائی زبانوں میں اس معاملہ کے کہاں تک اثرات ملتے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ تلفظ کی یہ تبدیلی مختلف ہند آریائی علاقوں میں آزادانہ طور پر ہوئی۔ دوسری زبانوں میں مسموع ہکاریے عام نہیں ہیں۔ اور غیر آریائی ان کو واضح طور پر ادا کرنے پر قادر نہیں تھے۔ اس لیے ممکن ہے کہ اس کے نتیجے کے طور پر غیر آریائی کلامی عادتیں عود کر آئی ہوں۔ آسٹری (Austric) کی طرح انقطاعی مصتموں (Checked Consonants) کی موجودگی (جیسے سنتھالی وغیرہ میں) آریائی ہکاریوں کو پوری طرح قبول کرنے میں مانع رہی، مرہٹی گجراتی اور بنگالی کے علاوہ جدید ہند آریائی بولیوں کی بہت سی شکلوں میں جدید ہند آریائی زبانوں کا مطالعہ کرنے کے لیے 1500 سے پیشتر کا مواد مفقود ہے لہٰذا ایک غیر یقینی صورت حال نظر آتی ہے۔

بہرکیف ان تفصیلات سے اندازہ ہوتاہے کہ بیرونی اور اندرونی جدیدہند آریائی بولیوں کا نظریہ قابل قبول نہ سہی لیکن مغربی ہندی اور مشرقی ہندی کی بولیوں میں واضح لسانی فرق نظر آتا ہے۔

باب کا خلاصہ :

☆ گو وقت کے ساتھ ساتھ ہند آریائی زبان میں لسانی امتیازات پیدا

ہونے لگے اور جس کے سبب ہند آریائی زبان، ہند ایرانی سے مختلف نظر آنے لگی۔

☆ قواعد ی اختراعات سے ہند یوروپی اور ہندآریائی کے درمیان اختلاف گہرا ہوگیا اور ان قواعدی اختراعات نے ہندآریائی زبان کو ایک نیا لسانی مزاج عطا کیا۔

☆ ہند آریائی کی صوتیات میں معکوسی آوازوں کا شامل ہونا ہند آریائی صوتیات میں بڑی اہم تبدیلی تھی۔ وقت کے ساتھ آریائی آوازیں ز ژ ژھ (z, z' z) ہند آریائی زبان سے سرے سے غائب ہوگئیں یا کچھ بدلتی گئیں۔

☆ قواعدی شکلوں میں بھی جدتیں پیدا ہوئیں۔ ہندآریائی کی ایک قدیم ترین تبدیلی یہ ہے کہ متکلم اختتامیہ۔ می (mi-) پہلے صرف ad, rudh, hu گروہ والے افعال کے ساتھ استعمال ہونے لگا۔

☆ قدیم ہند آریائی دور میں ویدی سنسکرت اور کلاسکل سنسکرت کے درمیان لسانی فرق واضح ہوگیا۔

☆ ویدوں کی زبان کے تجزیے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آریہ جس زمانے میں پنجاب میں آباد ہوئے تو مغربی فارس سے پنجاب تک ایک لسانیاتی تسلسل موجود تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہند آریائی کی سرحدی بولیاں (یعنی ہند آریائی کی مغربی بولیاں) بعض لسانی خصوصیات میں ایرانی سے ملتی تھیں۔

☆ ہندوستان میں پہلے پہل زبان خود بہ خود نسلاً بعد نسلاً منتقل ہوتی رہی اس کی بنیادی خصوصیتیں برقرار رہیں۔ سنسکرت کی یہ شکل بالعموم " ویدک سنسکرت " کہلاتی ہے۔

☆ لیکن جب بول چال کی زبان ویدی معیار سے ہٹ گئی اور دوسرے

لوگوں نے آریائی زبان اختیار کرنا شروع کردیا تو یہ مطالعے کے ذریعے حاصل کرنے کی چیز بن گئی ۔ نیتجتاً عالمانہ کوشش در آئی اور صحیح طورپر محفوظ رکھنے کے خیال سے متن کی تحریری شکل میں کبھی کبھی ترمیم کی گئی اور اس کی وجہ وہ نئے لسانی تصورات تھے جنھوں نے روایتی تسلسل کی جگہ لے لی تھی ۔ قواعدی اصولوں میں منضبط سنسکرت کی اس قسم کو لسانی ماہرین نے ''کلاسکل سنسکرت'' کا نام دیا۔

☆ اس زمانے میں شمالی ہندوستان میں افغان سرحدوں سے لے کر بنگال تک آریائی زبانیں بولنے والی ریاستیں تھیں ۔ ایسا نظر آتا ہے کہ قدیم ہند آریائی دور میں آریائی بول چال کی زبان تین گروہوں میں تقسیم ہوگئی تھی :

(1) ادیچہ یا شمالی علاقہ (یا شمالی مغربی) (2) مدھیہ دیش یا وسطی علاقہ اور

(3) پراچیہ یا مشرقی علاقہ

☆ ادیچہ ابھی تک ویدی سے قریب تر تھی اور پراچیہ اس سے بہت دور ہوگئی تھی۔ پراچیہ میں غیر آریائی اثرات بھی شامل تھے ۔

☆ ہند آریائی کی دوسری منزل ''پراکرت'' یا وسطی ہند آریائی کی منزل سمجھی جاتی ہے ۔ اس دور میں سنسکرت کے بعد وہ زبانیں آئیں جنھیں علمی انداز سے دور جائے بغیر سنسکرت کی نئ شکلیں کہا جاسکتا ہے یعنی 'قدیم پرکراتیں'، 'اپ بھرنش' اور 'جدید ہند آریائی' زبانیں ۔

☆ جدید ہند آریائی کے دور کا آغاز تقریباً 1000 عیسوی میں شمالی ہند میں ترکی ایرانی غلبے کے ساتھ ہوتا ہے ۔ شمالی ہندوستان میں 1000 عیسوی تک ہند آریائی زبان اپنی تاریخ کے نئے دور ''جدید ہند آریائی دور'' میں داخل ہوچکی تھی ۔

☆ یہ وہ زمانہ تھا جب پراکرتوں کا دور ختم ہوچکا تھااور علاقائی اپ بھرنشوں سے گزر کر پراکرتیں جدید ہند آریائی میں تبدیل ہوچکی تھیں۔

☆ یہ اپ بھرنش (اور کسی حد تک پراکرت) روایت کے جدید ہند آریائی کے عروج تک جاری رہنے کی ایک اہم مثال ہے۔ پروفیسر ایس کے چٹر جی کا خیال ہے کہ اگر ہندوستانی زندگی اپنے پرانے ڈھرے پر چلتی رہتی اور باہر سے اس پر شدید حملے نہ ہوئے ہوتے تو ممکن ہے کہ جدید آریائی زبان و ادب کے آغاز و ارتقا میں ایک دو صدیوں کی اور تاخیر ہوتی۔

☆ جدید ہند آریائی زبانوں کی بعض لسانی خصوصیات کو بہ خوبی سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہند آریائی کی اندورنی اور بیرونی بولیوں کے اس نظریے کو سمجھا جائے جسے اے۔ایف۔ آر۔ہان لے A.F.R (Hoenle) نے پیش کیا اور جارج گریرسن نے اس کی لسانی تشریح کی۔

☆ اس نظریے کے مطابق موجودہ ہند آریائی زبانیں دو گروہوں میں تقسیم ہوتی ہیں۔ اندرونی جدید ہند آریائی بولیاں۔ جس میں مغربی ہندی کی بولیوں کا گروہ شامل ہے۔ برج بھاشا، بندیلی قنوجی، علاقائی، ہندوستانی اور بانگڑوااور ہندی (ہندوستانی) اور اردو۔ اندرونی جدید ہند آریائی بولیوں کے چاروں طرف بیرونی جدید ہند آریائی بولیوں اور زبانوں کا حلقہ ہے۔ بیرونی جدید ہند آریائی زبانوں میں (مغربی پنجابی) سندھی، راجستھانی، گجراتی، اڑیا، بنگالی، آسامی، بہاری بولیاں مثلا بھوج پوری، مگھی، میتھلی اور خطہ ہمالہ کی پہاڑی بولیاں شامل ہیں۔

گیارھواں باب

زبان اردو

تمہید :

اردو ہندوستانی آئین کے آٹھویں شیڈول کے مطابق بائیس قومی زبانوں میں شمار کی جاتی ہے ۔ 2001 کی مردم شماری کے مطابق اردو بولنے والوں کی تعداد (5,1536,111 پانچ کروڑ پندرہ لاکھ چھتیس ہزار ایک سو گیارہ) ہے ، جو سارے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں ۔ لیکن ان کا زیادہ تر اجتماع ہندی صوبوں مثلاً یو۔پی، دلّی، مدھیہ پردیش، بہار، راجستھان اور ہریانہ میں ہے ۔ ان کے علاوہ مہاراشٹر، آندھرا اور کرناٹک میں بھی اردو بولنے والے کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں ۔ اردو جمّوں اور کشمیر کی سرکاری زبان ہے اور ہماچل پردیش کے تعلیمی نصاب میں دوسری لازمی زبان کی حیثیت سے پڑھائی جاتی رہی ہے ۔ پڑوسی ملک پاکستان کی قومی زبان بھی اردو ہے ۔ برّصغیر او ر دیگر ممالک کی یونیورسٹیوں میں بھی اس کی تعلیم و تربیت کے علاوہ تحقیقی کاموں میں دن بہ دن اضافہ ہوتا جا رہا ہے ۔

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ
سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

عہد شاہ جہانی میں راجدھانی بن جانے کے بعد دہلی میں جو لسانی انقلاب آیا اور جس کے نتیجے میں قدیم زبان دہلوی کوترک کرکے جدید زبان دہلوی (اردو) کو اختیار کیا گیا اس کی جانب پہلا کھلا ہوا اشارہ شیخ سعد اللہ گلشن کے اس قول میں ملتا ہے کہ :

" زبان دکھنی راگذاشت ریختہ را موافق اردوئے معلی شاہجہان آباد

موزوں بکنید"

شیخ سعد اللہ گلشن کے اس قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت تک دہلی والوں کی زبان بدل چکی تھی اور انھوں نے امیر خسرو، شیخ بہاؤ الدین باجن اور ابو الفضل کی زبان دہلوی، (ہریانی) کو چھوڑ کر دہلی کی نئی زبان (اردو) کو اپنا لیا تھا جسے بادشاہ شاہ جہاں نے دہلی کی قدیم زبان سے فرق کرنے کے لیے "زبان اردوئے معلی" کا خطاب عطا کیا تھا اور جس کا معیار چند منتخبین روزگار کے محاورے پر قائم ہوا تھا۔ اس کے متعلق حکیم احمد یکتا "دستور الفصاحت" کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

"نام ہمیں محاورۂ خاص باردوئے معلی شہرت گرفت لیکن اپن زبان باشرڈ مذکورہ یافتہ نمی شود مگر در بعضے باشند ہائے شہاجہان آباد"

خود انشاء اللہ خاں کے قول کے مطابق دہلی میں اردو زبان کی سند قلعہ معلی یا فصحا کے گھرانوں سے لی جاتی تھی۔ میر حسین نے اپنے تذکرے میں حاتم کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس سے بھی دہلی کی قدیم و جدید دو زبانوں کا علم ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"دو دیوان ترتیب داده۔ یکے بہ زبان قدیم بہ طور ایہام و دوم بہ زبان حال ادائیہ"۔

اسی بیان کا اعادہ حکیم سید شمس اللہ قادری نے اپنی کتاب "اردوئے قدیم" میں کیاہے۔ "ان کے دو دیوان تھے۔ ایک قدیم اور دوسرا جدید زبان میں" ان تمام شواہد سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دہلی کی قدیم زبان اردو عہد شاہ جہاں کی اردو سے مختلف تھی۔

بہ قول پروفیسر مسعود حسین خاں اردو زبان کی ابتدا دلی میں مسلمانوں کی آمد کے بعد ہوتی ہے۔ البتہ اس کا نام "اردو" عہد شاہ جہانی میں رکھا گیا ہے۔ اس سے قبل اس زبان کا کیا نام تھا۔ اس کے متعلق یقین سے

کچھ کہنا دشوار ہے لیکن علمائے زبان برج بھاشا سے اسے فرق کرنے کے لیے کھڑی بولی کہتے ہیں ۔ ریختہ کی اصطلاح کا استعمال بالعموم اردو کی اس نظم کے لیے کیا گیا جس میں فارسی ، عربی کے ساتھ دیسی زبانوں کے الفاظ بھی شامل ہوتے تھے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اول اول ریختہ کا لفظ فن موسیقی کی ایک اصطلاح کے طور پر ایجاد ہوا۔ اس سے موسیقی کی وہ قسم مراد ہوتی تھی جو ہندوستانی اور ایرانی موسیقی کی ملاوٹ سے بنتی تھی۔ پھر یہ لفظ ان اشعار کے لیے بھی بولا جانے لگا جو اُن سُروں پر گائے جاتے تھے اور جن میں دیسی بولیوں کے ساتھ فارسی عربی الفاظ بھی ملے ہوتے تھے ۔ اس سلسلے کی اوّلین کوشش ہمیں امیر خسرو کے اشعار میں ملتی ہے ۔ اس حقیقت سے تو ہم سب واقف ہیں کہ خسرو سے پیشتر جنوبی اور شمالی ہند کی بولیاں وجود میں آ چکی تھیں اور اس دور کے تمام سنتوں اور بھکتوں کے کلام اس بات کے شاہد ہیں کہ ان کے کلام کے اسما میں سنسکرت ،پراکرت، اپ بھرنش، سبھی صورتیں موجود تھیں ۔ مقامی لب و لہجے کے ساتھ فارسی عربی کے الفاظ بھی شامل تھے ۔ اس زمانے کے سنتوں اور بھکتوں کے کلام کے افعال میں کافی تنوّع ملتا ہے ۔ اس زبان کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ یہ ایک ایسی شکل لے چکی تھی جو کسی قدر محدود اور بناوٹی ہونے کے باوجود شمالی ہند کے تمام صوبوں میں ہر طبقے میں سمجھی جاتی تھی اور جسے اپنی مقامی زبان کے ساتھ اپنانا ہر اہل قلم کا فرض تھا۔اس زبان میں شاعری تو موجود ہی تھی اس کی نثری صورت بھی نظموں سے جھلکتی تھی۔ اس مشترکہ زبان کا یوں تو کوئی نام نہ تھا لیکن شاید یہ زبان ہی اردو کی اوّلین شکل تھی۔ ان سنتوں اور بھکتوں کے نام جنھوں نے ایک ملی جلی زبان (ریختہ) کی بنیاد ڈال دی تھی مندرجہ ذیل ہیں ۔

گورکھ ناتھ دسویں صدی عیسوی

چرپٹ ناتھ دسویں صدی عیسوی

نورتی ناتھ بارھویں صدی عیسوی

نام دیو تیرھویں صدی عیسوی

رامانند چودھویں صدی عیسوی

روی داس چودھویں صدی عیسوی

سندر داس سولھویں صدی عیسوی

ان سنتوں اور بھگتوں کے ریختوں کو ہندو مسلمان دونوں انھیں معنوں میں استعمال کرتے تھے ۔ لہٰذا یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ صوفیائے کرام کے ساتھ ساتھ ہندو سنت اور بھگت بھی اس عوامی زبان کا استعمال کرتے تھے ۔یقینا اس زمانے کے مسلم صوفیوں نے اس زبان کو دہلی ، دکن،پنجاب اور گجرات میں یکساں استعمال کیا تھا۔مثلاً امیر خسرو، بابا فرید گنج شکر، کبیر،بجید (بایزید) اور شاہ میراں جی کے کلام میں وہی صوتی ،لسانی ، لفظیاتی خصوصیات نظر آتی ہیں جو ان کے ہم عصر ہندو سنتوں اور بھگتوں کے کلام میں نظر آتے ہیں ۔میر تقی میر نے بھی اپنے تذکرے میں ریختے کی کئی قسمیں گنائی ہیں ۔ یہ لفظ اردو ادب میں عہد غالب تک استعمال ہوتا رہا ہے لیکن اس کا اطلاق اردو نثر پر کبھی نہیں ہوا۔

دلّی مسلمانوں کی آمد سے قبل بھی مختلف دور میں راجدھانی رہی ہے ۔ چونکہ اردو دہلی یا نواح دہلی میں پیدا ہوئی اور وہاں کی بول چال کی زبان بنی لہٰذا دہلی میں اس زبان کے نمونے کا ملنا کسی حیرت اور استعجاب کی بات نہیں ۔ شہاب الدین محمد غوری نے پرتھوی راج کو 1192 میں ہرایا تھا۔ اس واقعے کی پوری تفصیل اس عہد کے ایک مشہور شاعر چند بردائی کی ایک نظم " پرتھی راج راسو " میں ملتی ہے ۔ اس نظم میں اس زمانے کی زبان استعمال ہوئی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں 'تتسم' اور 'تدبھو' کے

علاوہ کچھ فارسی، عربی کے الفاظ بھی پائے جاتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک دیسی زبانوں پر مسلمانوں کی زبان کے اثرات ظاہر ہونے لگے تھے۔ چنانچہ ایسے ہی کچھ الفاظ کی فہرست محمد حسین آزاد نے بھی "آب حیات" میں دی ہے اس نظم میں اردو کے آثار تو نہیں ملتے لیکن اس کا ابتدائی نمونہ ضرور ملتا ہے۔ ساتھ ہی دیسی زبانوں میں سے برج بھاشا، راجستھانی اور پنجابی کے اثرات بھی ملتے ہیں۔

"ڈھنک جُگنی پر سدت تٹ اون اوک سُٹائے تاں اکے تاپس تپ تپ تالی برہم لگائے تالی کُھلیا برہم دِکھ ّ اِک امر اوَ بھسُت رکّھ دے چکھ سیس مکِّھ کرنا جس جیت تن۔ رشی پچھّیا تاہی کسو کارن۔ ات انگم کسُون تھان تم نام کسُوَن دِل کریا سجنگم 1"۔

اس سے کچھ عرصہ قبل یعنی 1155 کے قریب ایک اور شاعر نرپت ناتھ "بیسل دیوار سو" نامی ایک نظم لکھی تھی۔ اس نظم میں بھی ابتدائی اردو، برج بھاشا اور راجستھانی کے اثرات ملتے ہیں:

1۔ ڈاکٹر سہیل بخاری۔ لسانی مقالات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد

"جب لگ سہیل آگے سور جب لگ گنگ بھے جل پور جب لگ پرتھمی نئ جگناتھ جانی راجا سر دید ہو ہاتھر اس پھوں تو راؤ کو باجے پڑے پکھاوج بھیر کر جورے نرپت کھے ابی چل راج کیجو اِجمیر"

چندر بردائی کا ہم عصر ایک اور شاعر "جگنایک" گزرا ہے جو مہوبا کے راجا پرمال کے یہاں رہتا تھا۔ اس نے "آلھا" نامی ایک طویل نظم لکھی تھی جو اَب ناپید ہے۔ یہ نظم "آلھا" آج بھی یو۔پی کے دیہات میں گائی جاتی ہے اور ممکن ہے کہ اس کے گانے کا طرز بھی قدیم ہو۔ لیکن اس میں 'جگنایک' کا ایک بھی چھند نہیں ملتا۔ کہتے ہیں کہ شارنگ دھر نامی شاعر نے بھی ایک نظم "ہمیر راسو" کے نام سے لکھی تھی۔ جو ہمیر سنگھ والی

رنتھمبور سے متعلق ہے ۔ ہمیر سنگھ 1300 کے قریب علاؤ الدین خلجی کے حملے کے وقت مارا گیا تھا اس نظم میں بھی اردو کے ابتدائی نقوش ملتے ہیں ۔

اردو کے ابتدائی شاعروں میں دلی کے شاعر حضرت امیر خسرو (متوفی 1325) کا نام بہت لیا جاتاہے اور کہا جاتا ہے کہ وہ اردو کے پہلے شاعر تھے ۔ چنانچہ ان سے بہت سی " پہیلیاں " اور " کہہ مکرنیاں " وغیرہ بھی منسوب کر دی گئی ہیں ۔ " خالق باری " بھی ان کے نام سے منسوب تھی لیکن بعض لسانی تحقیق نے ثابت کر دیا ہے کہ خالق باری عالمگیری عہد کے ایک شاعر " خسرو " کی تصنیف ہے ۔امیر خسرو کے کلام کی قدیم ترین سند صرف ایک دوہرہ ہے جو ملا وجہی نے اپنی کتاب " سب رس (" سن تصنیف) 1635 میں دیا ہے :

" پنکھ ہو کر میں اڑی ساق تیرا چاؤ
سجد جلتی جنم گیا تیسرے لیکھن باؤ "

اسے یقینی طور پر اردو کہا جا سکتاہے ۔ گو اس کا انداز قدیم دکنی کا سا ہے ۔ یہ ایک المیہ ہے کہ امیر خسرو کے بعد شمالی ہند میں اردو کے ابتدائی نمونوں کا فقدان ہے ۔جب کہ جنوبی ہند میں اسی زمانے میں قابل ذکر تصانیف منظر عام پر آئیں ۔

صوفیائے کرام کے ملفوظات :

شمالی ہند میں اردو کے ابتدائی نمونے صوفیائے کرام کے ملفوظات میں دیکھنے کو ضرور ملتے ہیں ۔ شیخ فریدالدین گنج شکر، شیخ شرف الدین بو علی شاہ قلندر، شیخ حمیدالدین ناگوری، شیخ بہاء الدین باجن، شیخ شرف الدین یحیٰی منیری،چند اہم وہ نام ہیں جن کے ملفوظات، اقوال،اردو کے ابتدائی نمونوں کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں ۔ مثال کے طور پر یہ چند نمونے ملاحظہ

ہوں۔

(1) وقت سحر وقت مناجات ہے
خیز در آں وقت کہ برکات ہے
شیخ فریدالدین گنج شکر

(2) سجن سکارے جائیں گے اور نین کریں گے روئے
بدھنا ایسی رین کو بھور کدبھی نہ ہوئے
شیخ بو علی قلندر

(3) شرف حرف مایل کہیں درد کچھ نہ بسائے
گرد چھوئیں دربار کی سو درد دور ہو جائے
شیخ شرف الدین یحییٰ منیری

شاہ جہانی عہد میں اردو:

شاہ جہاں کے عہد میں دہلی میں اردو ادب کی ابتدا باقاعدگی سے ہو جاتی ہے۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اردو زبان و ادب کی نشو نما میں دہلی کا نمایاں حصّہ ہے۔ اس لیے یہ کہنا کہ اردو دہلی میں پیدا ہوئی تاریخی اعتبار سے غلط نہیں ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ نواح دہلی اور خود شہر دہلی میں اردو آج بھی عوام کی زبان ہے اور بہ خوبی بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دہلی کی قدیم زبان ہریانی ہے اور اردو کے ابتدائی نقوش پر ہریانی کے اثرات ہیں۔ جس کاسلسلہ شمال مغربی یوپی تک چلا گیا ہے۔ پروفیسر مسعود حسین خان نے بھی اس کی تصدیق کی ہے اور کہا ہے کہ دہلی اور نواح دہلی کی عوامی زبان اردو تھی۔ اسی طرح خاص شہر دہلی کی عوامی زبان بھی اردو تھی۔ یہ اور بات ہے کہ دہلی کے بعض علاقوں کی گھریلو بولی تھوڑی مختلف ہوتی تھی۔ اس بیان سے بھی یہ واضح ہو جاتا ہے کہ دہلی اور نواح دہلی کی اصلی اور قدیمی زبان اردو ہے جو ممکن

ہے کہ ادبی اردو سے تھوڑی مختلف رہی ہو۔ چوں کہ اردو دہلی میں باہر سے درآمد کی ہوئی زبان نہیں تھی اس لیے آج بھی عوام میں اس کا چلن عام ہے ۔اس سلسلے میں بعض ماہرین کا یہ خیال کہ دہلی میں شاعری ولی اورنگ آبادی کی آمد کے بعد شروع ہوئی تاریخی اور لسانی اعتبار سے غلط معلوم ہوتا ہے ۔ کیوں کہ دہلی میں ولی سے قبل بھی شاعر موجود تھے جو قدیم زبان دہلوی میں شعر کہتے تھے ۔شمالی ہند کی قدیم ترین مربوط اردو نظم کا نمونہ محمد افضل کی تصنیف "بکٹ کہانی" ہے ۔اس کے بعد دوسری طویل نظم روشن علی کی تصنیف " عاشور نامہ " ہے جو 1688 عیسوی میں سپرد قلم کی گئی ۔اس مثنوی کا نام مصنف کا ہی تجویز کردہ ہے ۔

یہ عاشور نامہ بہ ہندی زبان
کہوں کربلا کی لڑائی عیاں

لیکن ولی اورنگ آبادی سنجیدہ و فہمیدہ شاعر تھے یہی وجہ ہے کہ جب وہ دہلی پہنچے تو لوگوں نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور ان کی وہ آؤ بھگت اور خاطر داری کی کہ وہ خود کہہ اٹھے :

دل ولی کا لے لیا دِلّی نے چھین
جا کہے کوئی محمد شاہ سود

یہ وہی زمانہ ہے جب دہلی میں سراج الدین علی خاں آرزو کی جگت استادی کا جو ڈنکا بج رہا تھا اس سے پورا شہر دہلی گونج رہا تھا۔ ان تفصیلات سے اندازہ ہوتا ہے کہ محمد افضل، روشن علی اور ولی اورنگ آبادی نے دلی میں اردو شاعری کا جو سلسلہ شروع کیا وہ میر و غالب تک جا پہنچا۔

قدیم اردو کی لسانی خصوصیات :

بعض ماہرین لسانیات کا خیال ہے کہ اردو زبان اپنی دوسری معاصر زبانوں کی طرح پراکرت سے مشتق ہوئی ہے ۔ بعض ماہرین اسے شور سینی

پراکرت سے ماخوذ بتاتے ہیں لیکن یہ بات قابل تحقیق ہے ۔ ہریانی، راجستھانی، پنجابی اور گجراتی گو کہ شور سینی سے مشتق ہیں لہٰذا اندازہ یہ ہے کہ اردو کا بھی اسی پراکرت سے لسانی تعلق ہوگا۔ گو کہ ڈاکٹر شوکت سبز واری نے اپنی کتاب ”اردو زبان کا ارتقا“ میں اس نظریے کی تردید کی ہے اور اردو کو پالی سے متفرع بتایا ہے ۔اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ قدیم اردو کی لسانی خصوصیات پر نظر ڈالی جائے تاکہ اردو کے لسانی رشتے کے متعلق کوئی حتمی رائے قائم کی جاسکے ۔

قدیم اردو سترھویں صدی عیسوی کے اواخر کی وہ زبان ہے جو موجودہ مغربی یو۔پی کے بالائی دو آب میں رائج تھی ۔اسی زبان میں عاشور نامہ تصنیف کی گئی۔ اس بات کا قطعی طور پر علم نہ ہوسکا کہ اس کا مصنف روشن علی کس مقام کا رہنے والا تھا داخلی شہادت صرف اس قدر مسلم ہے کہ وہ ”سیر دنیا“ کرنے کے بعد سہارن پور (سہارنگ پور) میں مقیم ہوگیا تھا اس لیے صرف اس قدر کہا جاسکتا ہے کہ اس نے بالائی دو آب کی قصباتی زبان میں عاشور نامے کی تصنیف کی ہے ۔ مسعود حسین خاں کا خیال ہے کہ ’روشن علی نہ تو شاعر ہے اور نہ عالم زیادہ سے زیادہ ایک حجرہ نشین ملائے مکتب معلوم ہوتا ہے عاشور نامہ کی تصنیف ایک مذہبی فریضہ کے طور پر عوام کے اصرار پر کررہا ہے ۔ اس کی علمیت اور فارسی دانی کا یہ حال ہے کہ نہ تو وہ بقول خود- فارسی جنگ ناموں میں کرداروں کے نام ٹھیک سے پڑھ سکتا ہے اور نہ ان کا اندراج اپنی تصنیف میں صحیح طور پر کرسکا ہے ۔ ایک لحاظ سے اس کی حیثیت ایک عوامی شاعر کی ہے جو فارسی کے جنگ ناموں کو بہ زبان ۔ ”ہندی“ منتقل کرنے کی کوشش کرتا ہے تقریباً یہی صورت چالیس سال بعد کربل کتھا کے مصنف فضلی کو پیش آئی تھی جس نے نسارو ”عورت“ کو ”رونے کے ثواب سے بے نصیب“ نہ رہنے دینے

کی غرض سے روضتہ الشہدا کا ترجمہ ہندی قریب الفہم عامہ مومنین و مومنات میں کیا تھا۔ لیکن فضلی علم و فضل میں روشن علی سے دو چند تھا اور فضلی کا لسانی ماحول قصباتی ہونے کے بجائے دہلی کے اردوئے معلّیٰ کا تھا۔

مسعود صاحب فرماتے ہیں کہ ' عاشور نامہ ادبی لحاظ سے جس قدر ساقط الاعتبار ہے لسانی لحاظ سے اسی قدر اہم دستاویز ہے۔ شمالی ہند میں اس سے قبل اردو کے جو نمونے ملتے ہیں، وہ انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں خسرو کی تہذیبی شاعری ،مستند مخطوطاتی بنیاد نہ ہونے کی وجہ سے تمام تر مشتبہ ہے۔ خسرو کے بعد صوفیا کے ملفوظات میں چند اردو فقروں اور بیاضوں میں درج اشعار سے قطع نظر پہلا کارنامہ افضل کی بکٹ کہانی ہے جو سترھویں صدی عیسوی کے آغاز میں تصنیف ہوئی تھی۔ بکٹ کہانی سے عاشور نامہ تقریباً 75 سال کا فاصلہ ہے۔اس عہد کی کوئی مستند تصنیف تا حال دستیاب نہیں ہوسکی ہے۔ لسانی اعتبار سے عاشور نامہ بکٹ کہانی پر یہ فوقیت حاصل ہے کہ بکٹ کہانی برج بھاشا اور ریختہ کی روایت شعر میں جکڑی ہوئی ہے اس لیے اکثر مقامات پر عام بول چال سے بعید ہوگئی ہے اس کے برعکس عاشور نامہ ایک ایسے شخص کی تصنیف ہے جو نہ صرف کم علم ہے بلکہ فن شعر کے اسالیب سے خاصا ناواقف بھی۔ اس کے پیش نظر اس کے قصباتی قارئین اور سامعین ہیں اور اس کے زیر قلم ایک قصباتی لہجہ اور محاورہ۔

عاشور نامے کی زبان کو روشن علی بار بار ہندی نظم، ہندی زبان یا زبان ہندی کے نام سے یاد کرتا ہے آخر میں ایک جگہ زبان ہندوستانی بھی کہا ہے :

کہ شہزادے دیں کے نبی کے آل

انھوں سیتی ہے دین قایم بحال

بہ غربت اونہوں کے ظلم ظالماں

کہوں جنگ نامہ بہ ہندی زبان

وہ اس عہد کے دیگر مرثیہ نگاروں کی طرح اپنی زبان کو ریختہ یا زبان ریختہ نہیں لکھتا۔

صوتی خصوصیات :

صوتی نقطۂ نظر سے عاشور نامہ کی سب سے نمایاں خصوصیت اضافہ صوت ہے جسے روایتی قواعد کی اصطلاح میں ساکن کو متحرک کردینا کہتے ہیں۔ مثال کے چند نمونے مندرجہ ذیل ہیں :

شکل۔ الٰہی تری ذات ہے لم یزل

جہاں سب میں معمور تو ہر شکل

رحم ۔ توئی ذوالجلال اور توئی واللکرم

ہوا ایک پل میں سو تیرا رحم

اسی طرح نظم، علم، اصل (قافیہ دل) طفل، عقل ، ذکر اور شناخت وغیرہ میں بھی اضافہ صوت کے نمونے ملتے ہیں اس کے برعکس کبھی کبھی کھڑی بولی اور پنجابی لہجہ کے مطابق تخفیف صوت کا رجحان بھی ملتا ہے جسے متحرک کو ساکن کردینا کہا جاتا ہے ۔ مثلاً صفت، طرف، عرب، تسم، بھتران تلفظات کا التزام ضروری نہیں اس لیے کہ دوسری جگہ صحیح تلفظ " صفت " اور " مصر " بھی ملتاہے۔

ایک اور اہم صوتی خصوصیات مصوتوں کا انفی کردینا ہے جو قدیم اردو میں عام طور پر پائی جاتی ہے اور جسے اکثر مرتب املا کی غلطی تصور کرتے ہیں قدیم اردو میں یہ خصوصیات اپ بھرنش سے آئی ہے (مراثی ریختہ میں بھی عام طور پر پائی جاتی ہے) مثال کے طور پر ان نمونوں کو دیکھیے :

" فاطماں (قافیہ عیاں) فاطماں (قافیہ دہاں) سناں (قافیہ بیاں) سنا

، کہنا ں (قافیہ عثماں) کہنا کونچ در کونچ ناں (نا ، نہ) (قافیہ عثماں ( ) قافیہ کھانا داناں) دیاں (دیا)۔ "

اس کے برعکس انفی کو غیر انفی بنا دینے کا بھی رجحان ملتا ہے جس کا ماخذ " اپ بھرنش " اور جسے عام مرتب غلط سمجھ کر تصحیح کردیتے ہیں مثالیں ۔ کُوا (کنواں) کوئے (کوئیں) ما(ماں) ۔

مشدد کو تخفیف صوت کے ساتھ غیر مشدد بنادینے کا رجحان بھی لسانی ہے اور اسے ہمیشہ شعری کہہ کر نہیں ٹالا جاسکتا۔ مٹی (مٹّی) اچھا (اچھّا) سچی (سچّی () قافیہ کہی) مکے (مکّے) سچا (قافیہ اچھا) عزت (قافیہ معذرت) لیکن دوسرا رجحان یعنی مشدد بنا دینے کا زیادہ ملتا ہے سہارن پور کی مغربی کھڑی بولی کے عین مطابق ہے ۔ کلّ، زیّاد ، حرّ ، جگّہ (دوسرے مقام پر جاگہ بھی آیا ہے) ۔

قدیم اردو کی ایک عام خصوصیت یہ ہے کہ درمیانی ر ہ ر گرادی جاتی ہے اور ہکاری آوازیں بھی اپنی ر ھ ر کھودیتی ہیں عاشور نامہ میں یہ دونوں باتیں پائی جاتی ہیں ۔ مثلاً :

" توئی (توہی) نئیں (نہیں) دو (قافیہ دو) کاں (کہاں) کہاں سیتی آئے گا کاں ہویگا سات (ساتھ) ہات (ہاتھ)۔ "

صرفی خصوصیات :

اسما کے سلسلے میں سب سے قابل ذکر بات صیغہ جمع سے تعلق رکھتی ہے ۔ عاشور نامہ میں ' اں ' سے مرتب جمع کے صیغے دکنی اردو کے برعکس صرف عربی فارسی الفاظ کے ملتے ہیں ۔ مثلاً :

" مرسلاں ، شہیداں ، کافراں ، کوفیاں ، ظالماں ، مومناں ، قدرتاں ، موذیاں ، ملکان (ملائک) "

لیکن یہ سب الفاظ مفرد آئے ہیں صرف ایک ہندی لفظ ہے جس کی

جمع ' اں ' سے بنائی جاتی ہے (پکھالاں س) باقی تمام جگہ ہندی الفاظ کی جمع ' وں ' کے اضافے سے بنائی گئی ہے ان کے علاوہ فارسی عربی الفاظ کی جمع بھی اسی قاعدے کے مطابق ملتی ہے ۔ مثلاً شہیدوں ، گناہوں ، کوفیوں ، وغیرہ ' اں ' کی جمع جو دکنی اردو کی عام خصوصیت ہے اور جس کا استعمال شمالی ہند کی اردو میں کم و بیش سترھویں صدی عیسوی کے اوائل تک ملتا ہے اس صدی کے اختتام تک تقریباً زائل ہوجاتی ہے اور اردو میں ' اں ' کی جمع راسخ ہوجاتی ہے ۔ تذکیر و تانیث کے سلسلے میں عاشور نامہ کی زبان موجودہ اردو سے اکثر مقامات پر مختلف ہے مثلاً عربی کے تائے تانیث پر ختم ہونے والے ایسے الفاظ مذکر استعمال ہوئے ہیں ۔

" خلافت، مصلحت، سکونت، شہادت، زیارت، قیادت، بشارت، رفعت "

ان کے علاوہ ذیل کے الفاظ بھی مذکر استعمال ہوئے ہیں :

خلق ، تصدیق ، خبر ، فکر ، فجر ، ندا، جفا، جزا ،وغیرہ

عاشور نامہ کے بیشتر اسمائے ضمائر موجودہ اردو کے مطابق پائے جاتے ہیں ۔ البتہ چند ایسے ہیں جو قدیم ارود کی باقیات کے طورپر نہ صرف اس عہد میں بلکہ اس کے بعد اٹھارھویں صدی عیسوی کے مصنفین تک کے یہاں پائے جاتے ہیں ۔ مثال کے طور پر :

" ہمنا (ہمارے) ہمن (ھم) تمہن(تم)تمری (تمھاری) تیں (تو) تمن(تم) ھم (ھمارے مثلا ! ھم پاس)"

عاشور نامہ کے مخصوص افعال وہی ہیں جو متقدمین شعرائے اردو تک رائج رہے ہیں اور آج بھی کم و بیش عوام میں مستعمل ہیں ۔

لیوے ،ہووے ، سووتے ، دیوئو، لییئو، مت دوسرے ، ہیگا، کروں ہوں ، رودیں ، آوتا

فصل کی ایک قدیم شکل جو اٹھارھویں صدی میں متروک ہوگئی تھی۔

اتھا (تھا) اور تھی (تھی) ہے جو عاشور نامہ میں شاذ ملتی ہے ۔ عام طور پر تھا اور تھی ہی آئے ہیں پروفیسر مسعود حسن خاں کے مطابق یہ مراثی ریختہ میں بالکل نہیں ملتے ۔ بعض اوقات روشن علی افعال کی مستند شکلوں کے علاوہ بولیوں کے صیغے بھی استعمال کرتا ہے حضرت محمد جبرئیل سے پوچھتے ہیں ۔

ابو بکر اور عمر عثماں ہوئیں
فرشتے نے بولا کوئی ناں ہوئیں

حرفی خصوصیات :

قدیم اردو میں حروف کی خاص شکلیں حسب ذیل ہیں ۔

آگا (آگے) بھت (قافیہ) کدھی (کبھی) لگ (تک) اتا (اتنا) کیتے (کتنے) تے (سے) منے (میں) سوں (سے) موں (میں) سیتی (سے) ستی (سے) انی یا انی (اتنی) کوں (کو) اِتے (اتنے) بھوت کو (کون)۔

ان میں سے منے ، تے ، بھوت، مراثی ریختہ میں نہیں ملتے ۔ اضافت اور وائو عطف ہندی اور فارسی الفاظ کے درمیان لائے گئے ہیں لیکن بہت کم ۔

لغوی خصوصیات :

عاشور نامہ کی زبان اس لحاظ سے قطعی جدید ہے کہ متروک ہندی الفاظ کی کثرت جو دکنی اردو کے معاصر ادیبوں کے یہاں ملتی ہے اس کا یہاں فقدان ہے ۔ ہر چند الفاظ عوامی لہجے اور معنوں کے مطابق ہیں لیکن مروّج ہیں ۔ اردو کے نقطہ نظر سے حسب ذیل متروک الفاظ قابلِ توجہ ہیں ۔

”گپت، پرگھٹ، ادھک، سرساں (پریشان) جیو، اچرج، نرنکار، ٹھور،

بچپن، کھیت (میدان جنگ) بہو(عورت) ،اگن ، نار (عورت) منس، مرگ(ہرن) گیان ، ایکلا (اکیلا) نیر (پانی) مرم (بھید) جناوار (جانور)۔
"

عربی فارسی کے ذیل کے الفاظ بھی اپنے تلفظ یا معنی کے اعتبار سے قابل ذکر ہیں ۔

" قبیلہ (گھر والی) اہل بیتی (اہل بیت) واہ ویلا (واویلا) دار خلافات (خلافت ( ) قافیہ بات)بیان وار (ففصیل وار) (یہ لفظ بار بار آیا ہے) عجوب (عجیب)۔ "

دو ایک جگہ اردو اصوات میں عوامی تلفظ کے پیش نظر ناقابل قبول تبدیلیاں بھی کی ہیں مثلاً بغل کے بجائے بگال نومیں (نویں) ہرکارے کے بجائے ہلکارے ۔ شمار کے بجائے شمال (قافیہ سال کے ساتھ)

بعضے قصوں میں یوں لڑے چند سال

بعضے دو مہینے کیے ہیں شمال

محاورات :

قدیم اردو اور بالخصوص عاشور نامہ میں حسب ذیل محاورات قابل ذکر ہیں ۔

" فہم دوڑنا، غم دھرنا،چپ دھرنا، (دل دھرنا) مطالعہ کرنا، (طلوع ہونا) منگل گانا (خوشی کے گیت گانا) کان کرنا، بال بانکا کرنا ، (بیکا ہونا) مصلحت دینا(صلاح دینا) ٹھوکر کرنا، (ٹھکانے لگانا)۔ "

محاورات میں عام فارسی سے ترجمہ کرنے کا رجحان بہت کم ملتا ہے ۔

نحوی خصوصیات :

نحوی اعتبار سے عاشور نامہ کی زبان پر فارسی اس قدر اثر انداز نہیں جس قدر مراثی ریختہ اور کربل کتھا میں پائی جاتی ہے ۔

"نے" فاعلی کا استعمال بے ترتیب طور پر ملتا ہے کبھی محذوف ہے۔

میں محنت سے پلا تھا دل خواہ کو

بعضے مردیاں یو کہا آئے کر

بہت سے دلاسا خلفیہ نے کی

سنا زید نے بہت غم سے بھرا

علامت مفعولی "کو" کو کبھی کبھی حذف کر دیا جاتا ہے۔

مجھ، مجھ کو

ادبی خصوصیات :

روشن علی نہ تو شاعر ہے اور نہ فن شعر سے بہ خوبی واقف۔ اسے اس بات کا خود اعتراف ہے۔

ولے عقل اتنی کہاں ہے مجھے

نہ اتنا فہم نکتہ داں مجھے

سخن فہمی اور نکتہ دانی کی کمی کی وجہ سے اس کی تقریباً ساڑھے تین ہزار اشعار پر مشتمل یہ مثنوی ایک مایوس کن تصنیف ہے۔ اس کا مصنف صنائع بدائع تو کجا اوزان و بحور اور قافیہ و ردیف کے رموز تک سے ناواقف ہے۔ ایک طرف اس میں ریختہ کی وہ رنگینی مفقود ہے جو بکٹ کہانی میں پائی جاتی ہے دوسری طرف وہ ان محاسن شعری سے بھی عاری ہے جو معاصر مرثیہ نگار یا اسمٰعیل امروہوی کی مثنویات میں ملتے ہیں۔ میں بڑی تلاش کے بعد ذیل کے چند اشعار عاشور نامہ سے منتخب کر سکا ہوں۔ لیکن یہ بھی مصنف کو رسوا کرنے کے لیے کافی ہیں شہادت امام حسن کا بیان :

"گلستاں میں ساری خزاں آبھری

درختوں میں سلگے تھی آتش پڑی

نبوت کے گھر کا بوجھا یہ چراغ

محمد کے دل پر ہوا بھاری داغ"

مینا بازار اور اُردو :

ایک اندازہ یہ ہے کہ شاہجہانی عہد سے بہت پہلے جب اکبر بادشاہ تخت پر بیٹھا توجہاں دوسری ہندوستانی زبانوں کے ادیب و شاعر راجدھانی میں جمع ہوئے وہاں اردو کے شعرا اور مصنفین بھی آگرے پہنچے ہوں گے ۔ یوں اردو زبان وادب کے قدم شمالی ہندوستان میں جمنے لگے ہوں گے ۔ اور جب اکبر نے قلعے میں مینا بازار قائم کیاہو گا تو یہ زبان محل شاہی میں بھی پہنچ گئ ہوگی ۔مینا بازار اکبر کی زندگی میں قائم رہا اور اکبر کے مرنے پر جب جہانگیرتخت نشین ہوا تو اس نے بھی تازیست اکبر کی اس رسم کو جاری رکھا۔ یہ روایت اردو زبان کے فروغ میں مددگار ثابت ہوئی۔ تزک جہانگیری میں اس نے خود اس کی تفصیل پیش کی ہے ۔ حرم شاہی میں اردو زبان کی پرورش اور فروغ کے لیے مینا بازار کی اہمیت بہت زیادہ ہے ۔ اس کا صحیح اندازہ ہمیں اس وقت ہوتا ہے جب ہم شاہ جہاں کو عوام سے اردو بولتے ہوئے سنتے ہیں ۔ اس بات سے اندازا لگایا جا سکتا ہے کہ جس وقت شاہ جہاں نے 1657 میں آگرے سے راجدھانی دہلی کو منتقل کی ہے اس وقت تک اردو زبان شاہی محل میں داخل ہو چکی تھی نیتجتاً محل کے باہر عوام میں یہ بات ظاہر ہوچکی تھی چنانچہ دہلی پہنچنے پر جب وہاں بھی اردو کا چرچا ہوا تو اس کی سند کے لیے لوگ قلعہ معلی کی طرف رجوع کرتے تھے یا ان منتخب روزگار فصحا کے گھرانوں کی طرف دیکھتے تھے جو راجدھانی بدل جانے پر آگرے سے نقل وطن کرکے نئ دہلی یا شاہ جہاں آباد وارد ہو ئے یا اردوئے معلی میں اقامت گذیں ہو گئے ۔ ہر شخص جا نتا ہے کہ عورتوں کی زبان مردوں کے مقابلے میں زیادہ کھری اور ٹکسالی ہوتی ہے ۔ چنانچہ اس مغل شہنشاہ کی بیگمات بھی جو زبان اپنے ساتھ آگرے سے لائی

تھیں وہ ٹکسالی اور معیاری اردو تھی جو اکبر اعظم کے مینا بازار کے ذریعے آگرے ہی میں حرم شاہی میں داخل ہوچکی تھی۔ اس طرح دو آبے میں اردو زبان کی پرورش اور فروغ کے سلسلے میں دو مغل بادشاہوں اکبر اور شاہ جہاں کا نام آتا ہے اور انھیں دونوں کا ذکر میر امن نے " باغ و بہار " کے مقدمے میں کیا ہے۔

"حقیقت اردو کی زبان کی بزرگوں کے منہ سے یوں سنی ہے "با" ندان زبان اردو کی منجتے منجتے ایسی منجی کہ کسو شہر کی بولی اس سے ٹکر نہیں کھاتی"۔

اردو یا زبان اردو :

یہاں " اردو زبان" سے مراد وہی زبان ہے جسے ہم آج اردو یا اردو زبان کہتے ہیں۔ لفظ اردو دراصل زبان اردو کا مخفف ہے۔ زبان اردو فارسی کا مرکب اضافی ہے جس کا ترجمہ ہماری بول چال کے مطابق اردو کی زبان ہی ہو سکتا ہے۔ خود میر امن دہلوی نے اپنی کتاب " باغ و بہار" کے دیباچے میں کئی جگہ یہی ترجمہ کیا ہے۔ مثلاً" اردو یا اردوئے معلی" کے متعلق اب تک تاریخ کے حوالوں سے بہت کچھ کہا جاچکا ہے کیوں کہ یہ لفظ کئی معنوں میں مستعمل ہے۔ بعض جگہوں پر اس لفظ سے شاہی چھاؤنی مراد ہوتی ہے جیسا کہ میر امن " باغ و بہار" کے دیباچے میں لکھتے ہیں :

"آخر امیر تیمور نے (جن کے گھرانے میں اب تک نام نہاد سلطنت کا چلا جاتا ہے) ہندوستان کو لیا۔ ان کے آنے اور رہنے سے لشکر کا بازار شہر میں داخل ہوا اس واسطے شہر کا بازار اردو کہلایا۔"

اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ عہد شاہ جہانی میں اردو یا اردوے معلی دہلی کے ایک مخصوص علاقے کو کہتے تھے۔ چنانچہ آگے چل کر میر امن لکھتے ہیں :

"تب بادشاہ نے خوش ہو کر جشن فرمایا اور شہر کو اپنا دارالخلافہ بنایا تب سے شاہ جہان آباد مشہور ہوا (اگر چہ دلی جدا ہے ۔ وہ پرانا شہر اور یہ نیا شہر کہلاتا ہے) اور وہاں کے بازار کو اردوئے معلی خطاب دیا۔"

سراج الدین علی خان آرزو دہلی کے اسی علاقے میں بود و باش رکھتے تھے جیسا کہ وہ خود نوادر الالفاظ (مرتبہ ڈاکٹر سید عبداللہ شائع کردہ انجمن ترقی اردو) 1951 کے صفحہ 214 پر رقم طراز ہیں :

"لیکن چھنیل معلوم نیست کہ لغت کجاست ما مردم کہ از اہل ہندیم و در اردوئے معلا سی باشیم نشنیدہ ایم۔"

اس لحاظ سے ہماری زبان وہ ہے جو دہلی کے ایک مخصوص علاقے میں بولی جاتی تھی جس میں آرزو جیسے ماہر لسانیات اور دوسرے ادیب و شاعر بستے تھے ۔

حکیم احمد علی یکتا نے اپنی کتاب ' دستور الفصاحت ' اور ' انشائے دریائے لطافت ' میں صاف لکھ دیا ہے کہ یہ زبان دہلی میں عام طور پر رائج نہیں تھی۔ بلکہ مخصوص محلوں اور گھرانوں میں بولی جاتی تھی چنانچہ ان شواہد سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ عہد شاہ جہانی میں دہلی کا ایک خاص علاقہ اردو یا اردوئے معلی کہلاتا تھا جس میں فرق کرنے کے لیے زبان اردو یا زبان اردوئے معلی کہنے لگے ۔

سراج الدین علی خاں آرزو (متوفی 1146 ھ) لفظ گاڈر کے سلسلے میں لکھتے ہیں ۔

"آنچہ زبان زو مردم گوالیار و اکبرآباد کہ افصح السنہ ہندوستان است کا ہے باشد۔"

ڈاکٹر سید عبداللہ بھی ' نوادرالالفاظ ' کے مقدمے میں تحریر فرماتے ہیں :

" خان آرزو کے زمانے کی فصیح زبان اور بعد کی ٹکسالی زبان کا فرق اگر دیکھنا منظور ہو تو نوادرالالفاظ کے ان الفاظ کی فہرست بنا لیجے جو فرہنگ آصفیہ اور نوراللغات میں نہیں ملتے ۔ آرزو کے زمانے میں اور ان کے بعد زبان کی اصلاح اور حذف و ترک کا جو سلسلہ شروع ہوا اور کم و بیش آج تک جاری ہے ۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ نوادر کے بیسیوں الفاظ جنھیں آرزو نے فصیح قرار دیا تھا زبان کے ذخیرے سے نکل گئے ہیں ۔ "

معیاری زبان میں اس انقلاب کے آنے کی وجہ یہ تھی کہ سیاست کا مرکز آگرے سے دہلی اور بعد ازاں لکھنؤ کو منتقل ہو گیا تھا چنانچہ آگے چل کر دہلی و لکھنؤ کی سیاسی اہمیت کے پیش نظر زبان کی سند بھی وہیں سے لی جانے لگی اور یہ بات لوگ بھول گئے کہ ٹکسالی اُردو کا ایک مرکز اکبر آباد بھی تھا۔ جس کے اُجڑنے کے بعد ہی دہلی کا اردوئے معلی آباد ہوا تھا ۔ منشی سید احمد دہلوی مؤلف فرہنگ آصفیہ نے اپنے ایک مضمون " زبان کی تمیز اور اس کا فرق " میں اسی رجحان کی ترجمانی کی ہے کہ :

" جو شہر کسی بادشاہ کا مدت تک دارالحکومت رہا ہو گا اس کی زبان اور شہروں کی نسبت عمدہ اور زیادہ شائستہ خیال کی جائے گی اور ہر ایک مصنف یا شاعر یا فصیح اس شہر کی زبان کو قابل سند اور تقلید سمجھ کر وہاں کے باشندوں کی پیروی کریگا اور جو وہ شہر کسی نواب یا وزیر یا رئیس یا جاگیردار کی گدی ہوگی اس کا چنداں اعتبار نہیں کیا جائے گا گو وہ شہر کتنی ہی ترقی کیوں نہ کرے ۔ "

چنانچہ ایسے ہی خیالات نے تاریخ زبان اردو کے متعلق لوگوں کی توجہ آگرے سے ہٹا کر اول دہلی اور پھر لکھنؤ کی طرف مرکوز کرا دی۔ آج اکبر آباد اور دہلی و لکھنؤ کی زبان میں جو فرق پایا جاتا ہے اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ دہلوی اردو میں رفتہ رفتہ ہریانی اور لکھنؤ اردو میں آہستہ آہستہ

اودھی کے اثرات نفوذ پاتے چلے گئے لیکن اکبر آبادی اردو میں کوئی فرق نہیں آیا اور وہ اپنی جگہ بالکل اسی طرح بولی جاتی رہی جس طرح آرزو کے زمانے میں بولی جاتی تھی چنانچہ 'نوادرالالفاظ' کے کثیر تعداد الفاظ جو زبان کے ذخیرے سے نکل گئے اور فرہنگ آصفیہ میں نہیں ملتے اکبر آبادی اردومیں بے تکان بولے سمجھے جاتے تھے۔

اس سلسلے میں یہ بات ذہن نشیں کر لینا ضروری ہے کہ شاہ جہاں 1647 میں آگرہ چھوڑ کر دہلی پہنچا ہے اس لیے اردو یا اردوئے معلی کا سنگ بنیاد اسی سن میں رکھا گیا ہوگا۔ چنانچہ سترھویں صدی عیسوی کے اواخر اور اٹھارھویں صدی عیسوی کے اوائل میں اردو کے ادیبوں اور شاعروں کی خاصی تعداد نظر آنے لگتی ہے پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی تو عہد شاہ جہانی ہی کے چندربھان برہمن کی غزل " خدا نے کس شہر اندر ہمن کولائے ڈالا ہے 'کو اردو کی پہلی غزل کہتے ہیں۔ گویا عہد شاہ جہاں جس کی ابتدا شاہ جہاں کے آگرے میں قیام کے دوران ہوگئ تھی تاریخ زبان اردو میں ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے میر امن نے بھی اس موضوع پر اظہار خیال کیا ہے۔

یہاں اردوزبان کے عہد بہ عہد نمونے پیش کرنے کی گنجائش نہیں ہے پھر بھی چند نمونے دیکھیے۔ لسانی تحقیق کے مطابق کھڑی بولی (اردو) کا پہلا شاعر "گیا نیشور (" ولادت) 1275 ہے اس سے پہلے کے کسی اور شاعر کا کلام دستیاب نہیں ہو سکا ہے۔یہ حضرت امیر خسرو (متوفی 1325) کے ہم عصر ہیں ان کے کلام کا نمونہ دیکھیے:

" شاستروں میں تو نہیں رہا کچھ پران گاین مایابھید بدھی کا مارگ چلتا تن کا لکڑا کاباکنڈلنی کو کھوب (خوب) چڑھا دے برہم رندھر کو جووے چلتا ہے پانی کے اوپر بولت سوہی ہووے۔"

حکم نورتی کا گیا نیشور کوں اوپر جانا

سد گرو کی جہاں کرپا بھئی تھاں آپ ہی آپ پچھاتا

کھڑی بولی کا پہلا نثر نگار عہد اکبری کا ایک مصنف "گنگ برہم بھٹ " ہے ۔ اس نے 1570 میں سولہ صفحے کی ایک کتاب " چند چھندو رنن کی مہما" کے نام سے لکھی تھی۔ اس کی نثر کا نمونہ یہ ہے ۔

--" سدھ شری 108 شری سری پات ساہ ھی شری دل پت جی اکبر شاہ جی آم کاش (عام و خواص) میں تکھت (تخت)اوپر و راجمان ہو رہے اور آم کاش بھر نے لگا ہے جیں (جس)میں تمام امر ائو آئے آئے کرنش (کورنس)بجائے جو ہار کرکے اپنی اپنی بیٹھک پر بیٹھ جا یا کریں اپنی اپنی مسل سے ۔ جن کی بیٹھک نھیں سو ریسم کے رسے میں ریسم کی لوں میں پکڑ پکڑ کے کھڑے تاجیم (تعظیم) میں رہے ۔"

ان لسانی نمونوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اردو کی ابتدائی شکل ہندوستان میں کم از کم برسوں پہلے سے رائج چلی آرہی تھی گو اسے اردو کا نام نہیں دیا گیا تھا۔ کہیں یہ ریختہ کہلاتی تھی تو کہیں کھڑی بولی کیونکہ اس کا لہجہ برج بھاشا کے مقابلے میں کھڑا کھڑا سا تھا ہم سب اس حقیقت سے واقف ہیں کہ اردو کے بیشتر اسماو صفات و افعال کا خاتمہ "آ" اور برج بھاشا میں " او" پر ہوتا ہے جیسے اردو گھوڑا، بھلا، جانا، وغیرہ اور برج بھاشا میں گھوڑو، بھلو، جانو۔ اردو کا سا لہجہ، پنجابی مرہٹی اور دوسری زبانوں کا بھی ہے لیکن پنجابی اور سندھی بولیوں کے ناموں میں یائے نسبتی لگی ہوئی ہے جب کہ کھڑی بولی میں یائے تانیث کا اضافہ کیا گیا ہے ، یعنی وہ بولی جس کا لہجہ کھڑا ہے ۔

دہلی اور لکھنؤ دونوں مقامات پر اردو زبان کو یہ شاہی سرپرستی 1857 تک حاصل رہی۔ ان سلطنتوں کے خاتمے سے قبل اگرچہ انگریزوں نے

اردو کو سرکاری و دفتری زبان قرار دے دیا تھا لیکن حقیقت میں ان کا یہ اقدام منافقت پر مبنی تھا۔ وہ اس پردے میں انگریزی کو عوام پر مسلط کرنا چاہتے تھے ۔ آخر وہ اپنے اس منصوبے میں کامیاب ہو گئے اور اردو کے بہانے انگریزی راج دربار میں سنگھاسن پر کچھ اس طرح ڈٹ کر بیٹھ گئی کہ آج آزادی کے ایک عرصے بعد بھی اس کی جڑیں مضبوط ہو رہی ہیں ۔ ان سب کے باوجود آج اردو ملک کے طول و عرض میں اس درجہ پھیل چکی ہے کہ اب اسے مزید کسی شاہی سرپرستی کی ضرورت نہیں ۔

باب کا خلاصہ :

☆ اُردو ہندوستانی آئین کے آٹھویں شیڈول کے مطابق 22 قومی زبانوں میں شمار کی جاتی ہے ۔ 2001 کی مردم شماری کے مطابق اردو بولنے والوں کی تعداد (51,536,111 پانچ کروڑ پندرہ لاکھ چھتیس ہزار ایک سو گیارہ) ہے ۔

☆ بہ قول پروفیسر مسعود حسین خان اردو زبان کی ابتدا دلی میں مسلمانوں کی آمد کے بعد ہوتی ہے ۔ البتہ اس کا نام " اردو " عہد شاہ جہانی میں رکھا گیا ہے ۔ اس سے قبل اس زبان کا کیا نام تھا، اس کے متعلق یقین سے کچھ کہنا دشوار ہے ۔ لیکن علمائے زبان برج بھاشا سے اسے فرق کرنے کے لیے کھڑی بولی کہتے ہیں ۔ ریختہ کی اصطلاح بالعموم اردو کی اس نظم کے لیے استعمال کیا گیا جس میں فارسی ، عربی کے ساتھ دیسی زبانوں کے الفاظ بھی شامل ہوتے تھے ۔

☆ شمالی ہند میں اردو کے ابتدائی نمونے صوفیائے کرام کے ملفوظات میں دیکھنے کو ضرور ملتے ہیں ۔ شیخ فریدالدین گنج شکر، شیخ بو علی قلندر، شیخ حمیدالدین ناگوری، شیخ بہاء الدین باجن، شیخ عبدالقدوس گنگوہی، شیخ شرف الدین یحیٰ منیری، چند اہم وہ نام ہیں جن کے ملفوظات، اقوال، اردو کے

ابتدائی نمونوں کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں۔

☆ اردو کے ابتدائی شاعروں میں دلی کے شاعر حضرت امیر خسرو (متوفی 1325) کا نام بہت لیا جاتاہے اور کہا جاتاہے کہ وہ اردو کے پہلے شاعر تھے۔ چنانچہ ان سے بہت سی "پہیلیاں" اور "کہہ مکرنیاں" وغیرہ بھی منسوب کر دی گئی ہیں۔ "خالق باری" بھی ان کے نام سے منسوب تھی لیکن بعض لسانی تحقیق نے ثابت کر دیا ہے کہ خالق باری عالمگیری عہد کے ایک شاعر "خسرو" کی تصنیف ہے۔

☆ قدیم اردو سترھویں صدی عیسوی کے اواخر کی وہ زبان ہے جو موجودہ مغربی یو۔پی کے بالائی دو آب میں رائج تھی۔اسی زبان میں عاشور نامہ تصنیف کی گئی۔

☆ خسرو کے بعد صوفیا کے ملفوظات میں چند اردو فقروں اور بیاضوں میں درج اشعار سے قطع نظر پہلا کار نامہ افضل کی بکٹ کہانی ہے جو سترھویں صدی عیسوی کے آغاز میں تصنیف ہوئی تھی بکٹ کہانی سے عاشور نامہ تقریباً 75 سال کا فاصلہ ہے۔

☆ لسانی اعتبار سے عاشور نامہ کو بکٹ کہانی پر یہ فوقیت حاصل ہے کہ بکٹ کہانی برج بھاشا اور ریختہ کی روایت شعر میں جکڑی ہوئی ہے اس لیے اکثر مقامات پر عام بول چال سے بعید ہوگئی ہے اس کے برعکس عاشور نامہ ایک ایسے شخص کی تصنیف ہے جو نہ صرف کم علم ہے بلکہ فن شعر کے اسالیب سے خاصا ناواقف بھی۔ اس کے پیش نظر اس کے قصباتی قارئین اور سامعین ہیں اور اس کے زیر قلم ایک قصباتی لہجہ اور محاورہ۔

☆ عاشور نامے کی زبان کو روشن علی بار بار ہندی نظم، ہندی زبان یا زبان ہندی کے نام سے یاد کرتا ہے آخر میں ایک جگہ زبان ہندوستانی بھی کہا ہے:

کہ شہزادے دیں کے نبی کے آل اونہوں سیتی ہے دین قایم بحال
بہ غربت اونہوں کے ظلم ظالماں کہوں جنگ نامہ بہ ہندی زبان

☆ وہ اس عہد کے دیگر مرثیہ نگاروں کی طرح اپنی زبان کو ریختہ یا زبان ریختہ نہیں لکھتا۔

☆ صوتی نقطہ نظر سے عاشور نامہ کی سب سے نمایاں خصوصیت اضافہ صوت ہے جسے روایتی قواعد کی اصطلاح میں ساکن کو متحرک کردینا کہتے ہیں۔

☆ ایک اور اہم صوتی خصوصیت مصوتوں کا انفی کردینا ہے جو قدیم اردو میں عام طور پر پائی جاتی ہے اور جسے اکثر مرتب املا کی غلطی تصور کرتے ہیں۔ قدیم اردو میں یہ خصوصیت اپ بھرنش سے آئی ہے (مراثی ریختہ میں بھی عام طور پر پائی جاتی ہے)

☆ مشدد کو تخفیف صوت کے ساتھ غیر مشدد بنادینے کا رجحان بھی لسانی ہے اور اسے ہمیشہ شعری کہہ کر نہیں ٹالا جاسکتا۔ مٹی (مٹّی) اچھا (اچھّا) سچی (سچّی) () قافیہ کہی) مکے (مکے) سچا (قافیہ اچھا) عزت (قافیہ معذرت) لیکن دوسرا رجحان یعنی مشدد بنا دینے کا زیادہ ملتا ہے۔ سہارن پور کی مغربی کھڑی بولی کے عین مطابق ہے۔ کلّ، زیّاد، حرّ، جگّہ (دوسرے مقام پر جاگہ بھی آیا ہے)۔

☆ اسما کے سلسلے میں سب سے قابل ذکر بات صیغہ جمع سے تعلق رکھتی ہے۔ عاشور نامہ میں 'اں' سے مرتب جمع کے صیغے دکنی اردو کے برعکس صرف عربی فارسی الفاظ کے ملتے ہیں مثلاً" : مرسلاں، شہیداں، کافراں۔"

☆ عاشور نامہ کے بیشتر اسمائے ضمائر موجودہ اردو کے مطابق پائے جاتے ہیں۔ البتہ چند ایسے ہیں جو قدیم ارود کی باقیات کے طور پر نہ صرف

اس عہد میں بلکہ اس کے بعد اٹھارھویں صدی عیسوی کے مصنفین تک کے یہاں پائے جاتے ہیں ۔ مثال کے طور پر " ہمنا (ہمارے) ہمن (ھم) تمہن(تم)تمری (تمھاری) تیں (تو) تمن(تم) ھم (ھمارے مثلا ! ھم پاس)۔"

☆ عاشور نامہ کے مخصوص افعال وہی ہیں جو متقدمین شعرائے اردو تک رائج رہے ہیں اور آج بھی کم و بیش عوام میں مستعمل ہیں ۔

لیوے ،ہووے ، سووتے ، دیوئو، لیئو، مت دوسرے ، ہیگا، کردں ہوں ، رودیں ، آوتا

☆ قدیم اردو میں حروف کی خاص شکلیں حسب ذیل ہیں ۔

آگا (آگے) بھت(قافیہ) کدھی (کبھی) لک (تک) اتا (اتنا) کیتے (کتنے) تے (سے) منے (میں) سوں (سے) موں (میں) سیتی (سے) ستی (سے) انی یا انی (اتنی) کوں (کو) اِتے (اتنے) بھوت کو (کون)۔

☆ عاشور نامہ کی زبان اس لحاظ سے قطعی جدید ہے کہ متروک ہندی الفاظ کی کثرت جو دکنی اردو کے معاصر ادیبوں کے یہاں ملتی ہے اس کا یہاں نقدان ہے ۔ ہر چند الفاظ عوامی لہجہ اور معنوں کے مطابق ہیں ۔ لیکن مرّدج ہیں اردو کے نقطہ نظر سے حسب ذیل متروک الفاظ قابل توجہ ہیں ۔

"گیت، پرگھٹ، ادھک، سرساں (پریشان) جیو، اچرج،

☆ نحوی اعتبار سے عاشور نامہ کی زبان پر فارسی اس قدر اثر انداز نہیں جس قدر مراثی ریختہ اور کربل کتھا میں پائی جاتی ہے ۔

"نے،، فاعلی کا استعمال بے ترتیب طور پر ملتا ہے کبھی محذوف ہے

میں محنت سے پلا تھا دل خواہ کو

بعضے مردیاں یو کہا آئے کر

بہت سے دلاسا خلفیہ نے کی

سنا زید نے بہت غم سے بھرا

☆ علامت مفعولی ”کو“ کو کبھی کبھی حذف کردیا جاتا ہے۔ مجھ، مجھ کو

☆ ایک اندازہ یہ ہے کہ شاہجہانی عہد سے بہت پہلے جب اکبر بادشاہ تخت پر بیٹھا توجہاں دوسری ہندوستانی زبانوں کے ادیب و شاعر راجدھانی میں جمع ہوئے وہاں اردو کے شعرا اور مصنفین بھی آگرے پہنچے ہوں گے ۔ یوں اردو زبان وادب کے قدم شمالی ہندوستان میں جمنے لگے ہوں گے ۔ اور جب اکبر نے قلعے میں مینا بازار قائم کیاہوگا تو یہ زبان محل شاہی میں بھی پہنچ گئی ہوگی ۔

☆ ان لسانی نمونوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اردو کی ابتدائی شکل ہندوستان میں کم از کم برسوں پیشتر سے رائج چلی آ رہی تھی گو اسے اردو کا نام نہیں دیا گیا تھا۔کہیں یہ ریختہ کہلاتی تھی توکہیں کھڑی بولی کیوں کہ اس کا لہجہ برج بھاشا کے مقابلے میں کھڑا کھڑا سا تھا۔ہم سب اس حقیقت سے واقف ہیں کہ اردو کے بیشتر اسماو صفات و افعال کا خاتمہ ”آ“ اور برج بھاشا میں ”او“ پر ہوتا ہے جیسے اردو گھوڑا، بھلا، جانا، وغیرہ اور برج بھاشا میں گھوڑو، بھلو، جانو۔ اردو کا سا لہجہ، پنجابی مرہٹی اور دوسری زبانوں کا بھی ہے ۔ لیکن پنجابی اور سندھی بولیوں کے ناموں میں یائے نسبتی لگی ہوئی ہے جب کہ کھڑی بولی میں یائے تانیث کا اضافہ کیا گیا ہے یعنی وہ بولی جس کا لہجہ کھڑا ہے ۔

☆ دہلی اور لکھنؤ دونوں مقامات پر اردو زبان کویہ شاہی سرپرستی 1857 تک حاصل رہی۔ ان سلطنتوں کے خاتمے سے قبل اگرچہ انگریزوں

نے اردو کو سرکاری و دفتری زبان قرار دے دیا تھا لیکن حقیقت میں ان کا یہ اقدام منافقت پر مبنی تھا۔ وہ اس پردے میں انگریزی کو عوام پر مسلط کرنا چاہتے تھے ۔ آخر وہ اپنے اس منصوبے میں کامیاب ہوگئے اور اردو کے بہانے انگریزی، راج دربار میں سنگھاسن پر کچھ اس طرح ڈٹ کر بیٹھ گئی کہ آج آزادی کے ایک عرصے بعد بھی اس کی جڑیں مضبوط ہو رہی ہیں ۔ ان سب کے باوجود آج اردو ملک کے طول و عرض میں اس درجہ پھیل چکی ہے کہ اب اسے مزید کسی شاہی سرپرستی کی ضرورت نہیں ۔

اردو کے آغاز و ارتقا کے نظریے

:

ایک تنقیدی جائزہ

اردو زبان کی ابتدا اور ارتقا کا مسئلہ ایک خالص لسانیاتی مسئلہ ہے لہٰذا جو لوگ لسانیات سے واقفیت نہیں رکھتے ہیں وہ محض قیاس آرائی سے کام لیتے ہیں اور بالعموم وہ غلط فہمیوں کا شکار ہوجاتے ہیں ۔ پہلی غلط فہمی کے نتیجے میں وہ اردو کو ایک مخلوط زبان قرار دیتے ہیں یعنی ایک ایسی زبان جو مختلف زبانوں کے الفاظ کے اختلاط و آمیزش کے نتیجے میں وجود میں آئی ہے ۔ان ماہرین کا خیال ہے کہ جب دوزبانیں آپس میں ملتی ہیں یا ان کا ٹکرائو ہوتا ہے تو ایک تیسری زبان معرض وجود میں آتی ہے ۔ ان کے نزدیک اردو زبان کی تشکیل بھی اسی عمل کا نتیجہ ہے کیونکہ اس میں مسلمانوں کے لائے ہوئے عربی الفاظ اور ہندی الفاظ کی آمیزش پائی جاتی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اردو زبان کے آغاز و ارتقا کے متعلق کئ غلط فہمیاں ہیں اور اس کے سبب اُردو زبان کی ابتدا کے متعلق کئ نظریات سامنے آے ٔہیں ۔ اُردو زبان کی ابتدا کے متعلق آج تک جتنے نظریے ملکی اور غیر ملکی محققین نے پیش کیے ہیں ان سب کا لب لباب یہ ہے کہ اردو زبان ان غیر ملکیوں کی بدولت وجود میں آئی جنھوں نے تاریخ کے کسی عہد میں سرزمین ہند کو اپنی آمد سے نوازا۔ یعنی ان کی آمد پر جب ان کا

سابقہ مقامی باشندوں سے پڑا تو ان کی آبائی زبان کے یہاں کی مقامی بولیوں سے اختلاط کے نتیجے میں ایک تیسری زبان وجود میں آئی جسے ہم آج اردو کہتے ہیں یا پھر تنہا انھیں کی زبان سے یہ زبان از خود یوں پیدا ہوگئی جیسے عام قانون قدرت کے مطابق ایک نسل سے دوسری نسل جنم لیتی رہتی ہے۔ بعض ماہرین کا خیال ہے کہ مسلمانوں کی آمد نے ہند آریائی زبانوں کی ترقی کی رفتار کو تیز تر کردیا اور جس کی وجہ سے ان کے یہاں مقیم ہوتے ہی ہندوستان کی علاقائی بولیوں کو ابھرنے کا موقع مل گیا۔ اردو بھی ان میں سے ایک زبان ہے۔ مشہور محقق اور ہند آریائی لسانیات کے ماہر ڈاکٹر سینتی کمار چڑجی 1890 (۔) 1977 کا خیال ہے کہ اگر مسلمان ہندوستان میں نہ آتے تو جدید ہند آریائی زبانوں کے ادبی آغاز و ارتقا میں دو ایک صدی کی ضرور تاخیر ہوتی۔ شروع میں یہ زبان اپنی اسی مقامی خصوصیت کے باعث ہندوئی، ہندوی اور ہندی کہلائی۔ یہی زبان مسلمان صوفیوں نے بھی سیکھی اور دین کی تبلیغ واشاعت کا ذریعہ بنایا۔ تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ فاتح کی حیثیت سے جو مسلمان باہر سے آئے تھے ان کی تعداد بہت زیادہ نہیں تھی۔ فوج کشی اور ملک گیری کے بعد ان میں سے کچھ تو اپنے وطن واپس ہوگئے تھے جو نہیں گئے انھوں نے یہیں کی بودوباش اختیار کرلی اور نسلاً بعد نسلاً اپنے آباواجداد کی ہر چیز سے دور اور یہاں کی ہر چیز سے قریب ہوگئے۔ یہاں تک کہ زبان، نسل، رنگ اور مزاج کے اعتبار سے بھی وہ اپنے آباواجداد سے بالکل مختلف ہوگئے۔ انھوں نے پہلے تو اپنی ترکی کو ترک کیا اور پھر فارسی کو خیرباد کہا اور ایک ایسی زبان اختیار کی جو مقامی ہندئوں اور نومسلموں کی زبان تھی جسے صوفیہ نے تبلیغ و اشاعت دین کا ذریعہ بنایا تھا اور جس میں کافی حد تک عربی فارسی الفاظ داخل ہوچکے تھے۔ یہ زبان حاکموں کے لیے اب اجنبی

نہیں رہ گئی تھی۔فارسی کے زوال نے انھیں اس زبان کو اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس بات کی مزید وضاحت کے لیے بابر کی مثال پیش کی جا سکتی ہے جس نے ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی تھی اور وہ ترکی زبان کا ایک بلند پایہ شاعر تھا۔ اس نے اپنی خود نوشت سوانح عمری تزک بابری، ترکی زبان میں تصنیف کی تھی لیکن محض سو سال کے اندر اکبر اور جہاں گیر کے لیے یہ ایک اجنبی زبان بن چکی تھی اس لیے اکبر نے ''تزک بابری'' کا ترجمہ فارسی میں کروایا۔ مشہور مورخ ڈاکٹر تاراچند نے اپنی کتاب ''انفلوئنس آف اسلام اون انڈین کلچر'' میں اس صورت حال کی بڑی حقیقی عکاسی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

''سب سے بڑھ کر ایک لسانی امتزاج وجود میں آیا اور مسلمانوں نے اپنی ترکی اور فارسی ترک کر دی اور ہندؤں کی زبان اختیار کرلی۔''

ظاہر ہے کہ اس وقت ہندوئوں کی زبان یہی اردو تھی جس کا پرانا نام ہندوی اور ہندی تھا اور آج یہ بّرصغیر ہندو پاک کے کروڑوں لوگوں کی اپنی زبان بن چکی ہے۔ ان تمام حقائق کے پیش نظر گریرسن نے اردو کو برج بھاشا اور پنجابی کے درمیان کی بولی بتایا۔ مولانا محمد حسین آزاد نے اسے برج بھاشا کہا۔ حافظ محمود شیرانی نے اردو کا وطن پنجاب، مولانا سلیمان ندوی نے سندھ اور مولانا نصیر الدین ہاشمی نے دکن بتایا۔جب کہ بعض دوسرے ماہرین مثلاً پروفیسر مسعود حسین خان، دہلی کو اردو کا ابتدائی پڑاؤ بتاتے ہیں۔ خود دہلی شہر میں بھی کر خنداری بولی جاتی ہے۔ جو ہریانی سے اپنا رشتہ ظاہر کرتی ہے۔پنجاب والے یوپی کو اردو کا گھر سمجھتے ہیں اور یوپی والے بھی اس سے اتفاق کرتے ہیں۔ ژول بلاک اور ڈاکٹر زور کی تحریروں میں ہریانی کی اہمیت کے متعلق اشارے ملتے ہیں۔ اردو کے آغاز کے سلسلے میں ان تمام نظریات کو آسانی کے ساتھ تین درجوں میں تقسیم کیا جا

سکتا ہے۔

(1) سامی نظریہ (2) مسلم آریائی نظریہ اور

(3) آریائی نظریہ

اردو کے آغاز و ارتقا کا سامی نظریہ:

اردو کے آغاز و ارتقا کے سامی نظریے میں اردو کا تعلق سامی لسانی خاندان سے جوڑنے کی کوشش کی گئ ہے۔ بعض ماہرین کا خیال ہے کہ اردو کی ابتدا ہندوستان میں عربوں کی آمد کے زمانے سے شروع ہوتی ہے ۔کیوں کہ عربوں کا مقصد سیر و تفریح نہیں بلکہ تجارت کو فروغ دینا تھا اور بعد میں اشاعت دین بھی ان کا مقصد بن گیا۔ اس لیے وہ ان ساحلوں سے ہوکر اندر خشکی کی طرف بڑھتے گئے ان عربوں اور مقامی باشندوں کے درمیان میل جول اور سماجی روابط بھی بڑھتے گئے۔ ان ماہرین کے خیال میں اسی میل ملاپ اور سماجی روابط کی وجہ سے ایک نئ زبان معرض وجود میں آئی جو موجودہ اردو کی قدیم شکل تھی۔ " دکن میں اردو " کے مصنف نصیر الدین ہاشمی اسی خیال کے ہم نوانظر آتے ہیں۔

ان تفصیلات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اردو میں عربی فارسی عناصر کے پیش نظر یہ محققین اردو کی داغ بیل اس وقت سے ڈالنا پسند کرتے ہیں جب عربی زبان کے سکے پہلی بار سواحل مالابار اور سندھ میں رائج ہوئے اس سلسلے میں نصیر الدین ہاشمی کے ساتھ ساتھ سید سلیمان ندوی کا نام قابلِ ذکر ہے جنھوں نے اپنی تحریروں میں اردو کے پہلے ہیولیٰ کے سندھ میں بننے کا ذکر کیاہے۔ لیکن یہ کسی طرح صحیح نہیں ہے اس لیے کہ عربی فارسی الفاظ کا ہندوستان کی کسی زبان میں داخلہ اردو زبان کی تشکیل کی ضمانت نہیں ہے۔ تاریخی لسانیات کا ہر طالب علم یہ جانتا ہے کہ سندھی زبان ہند آریائی ہوتے ہوئے بھی اردو یا ہندی سے مختلف ہے اس لیے

قدیم سندھی میں عربی الفاظ کے تداخل سے جدید سندھی وجود میں آتی ہے نہ کہ اردو ۔اس جدید سندھی اوراردو کے درمیان اشتراک صرف عربی رسمِ خط بعض اسما اور روایاتِ شعر کا ہے ۔

دکن میں اردو :

چونکہ جنوبی ہند سے عرب سوداگروں کے تجارتی تعلقات قبل ظہور اسلام ہی سے استوار ہوچکے تھے اور اس علاقے میں ان کی آمد و رفت عرصہ دراز تک قائم رہی لہٰذا سامی نظریے کی رو سے عربی اور دکن کی مقامی بولی کی آمیزش سے جو زبان پیدا ہوئی اسے اردو کہتے ہیں ۔ اس نظریے کے حامی نصیر الدین ہاشمی ہیں ۔ کارومنڈل، مالابار اور جنوبی ہند کے بعض دوسرے ساحلی علاقوں میں مسلمانوں کی آمدورفت کے پیش نظر نصیرالدین ہاشمی کا خیال ہےکہ اردو کی ابتدا جنوبی ہند میں ہوئی۔ ان کا خیال ہے کہ ظہور اسلام سے قبل عرب لوگ بہ غرض تجارت ہندوستان آتے اور ساحل مالا بار پر اترتے تھے ۔ظہور اسلام کے بعد اس صورت حال میں اگر کچھ تبدیلی ہوئی تو صرف یہ کہ عرب سوداگر مسلمان ہو گئے لیکن ان کی زبان عربی ہی رہی۔ چنانچہ ان تاجروں اور مقامی باشندوں کے میل جول میں سہولت کی خاطر عربی اور دکنی زبان کی آمیزش سے ایک نئی زبان وجود میں آئی جسے آج اردو کہتے ہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ ” بعض علما اردو کی پیدائش علاقہ سندھ کو بیان کرتے ہیں اگر اس حقیقت کو تسلیم کرلیا جائے تو پھر مالابار کا علاقہ بھی گجری بولی اوراردو کی پیدائش کا خطہ کہا جاسکتا ہے کیوں کہ فتح سندھ سے بہت عرصہ پیشتر اس علاقے میں عرب آباد تھے ۔“

کچھ عرصہ پہلے بنگلور کی ڈاکٹر آمنہ خاتون نے ” دکنی کی ابتدا “ کے نام سے ایک کتابچہ شائع کیا تھا جس میں انھوں نے دکنی کو اردو سے ایک

علاحدہ زبان قرار دیا ہے ۔ ان کے خیال میں دکنی نہ تو دہلی میں بولی جانے والی زبان سے ماخوذ ہے اور نہ ہی وہ کسی دوسری جگہ سے چل کر دکن پہنچی ہے بلکہ اس کی ابتدا زمین دکن سے ہوئی ہے اور وہ یہیں نشوونماپاکر پروان چڑھی ہے ۔ ڈاکٹر آمنہ خاتون کے خیال کے مطابق مسلمانوں کے دہلی پہنچنے سے کم ازکم ساڑھے پانچ سوسال پہلے سے دکن میں مراٹھی زبان میں عربی فارسی الفاظ کی آمیزش سے دکنی کی داغ بیل پڑنا شروع ہوگئی تھی ۔ دکنی کی ابتدا سے متعلق ان کی تحقیق کا خلاصہ اس طرح ہے ۔

" تاریخ شاہد ہے کہ تھانہ پر قبضے کے زمانے سے دولت آباد پایہ تخت قرار پانے کے زمانے تک مہاراشٹر کے مسلمانوں کی زبان پہلے بلاشبہ شورسینی اپ بھرنش اورپھر بلاشبہ اس کی مقامی پیداوار مراٹھی تھی اور اس کے شواہد موجود ہیں کہ شورسینی اپ بھرنش اور مراٹھی میں عربی اور فارسی کی سات سو سال کے عرصے میں بتد ریج آمیزش اور پڑوس کی جدید آریائی زبانوں سے لین دین اور راہ رسم کی وجہ سے مراٹھی کے دوش بدوش دکنی کی نشوونما ہوئی ہے ۔ "

اردو کے دکن میں پیدا ہونے کا نظریہ کسی بھی طرح قابلِ قبول نہیں ہوسکتا ہے کیونکہ جنوبی ہند کے بحری راستوں سے جو عرب یا عرب مسلمان دکن میں آئے ان کا زیادہ ترسابقہ دراویڈی خاندان کی زبانوں ملیالم ، تامل اور کنٹر یا ان کی قدیم شکلوں سے پڑا۔ دراویڈی زبانوں اور عربی (جو ایک بالکل علاحدہ لسانی خاندان سے تعلق رکھتی ہے) کے میل سے ایک ایسی زبان کے معرض وجود میں آنے کی بات سوچنا جو ایک تیسرے لسانی خاندان، ہند آریائی سے تعلق رکھتی ہو محض قیاس آرائی ہے ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لسانی نقطہ نظر سے یہ نظریہ قابل قبول نظر نہیں آتا کیونکہ عربی زبان کا تعلق سامی خاندان سے ہے جب کہ جنوبی ہند میں

دراوڑ لسانی خاندان کی زبانیں بولی جاتی ہیں اور اردو کا تعلق ہند آریائی لسانی خاندان سے ہے ۔ لہٰذا یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ اردو کی ابتدا عربی اور دراوڑ زبانوں کی آمیزش کے سبب نہیں ہوئی ہوگی۔

سندھ میں اردو :

اسی سے ملتا جلتا ایک دوسرا سامی نظریہ مولانا سلیمان ندوی کا ہے کہ مسلمان عرب بڑی تعداد میں محمد بن قاسم کی قیادت میں شمال مغرب کے بحری راستے سے ہندوستان میں داخل ہوئے اور 712 میں سندھ کو فتح کرکے اسے اسلامی حکومت کا ایک صوبہ بنالیا ۔ گوکہ محمد بن قاسم اور اس کے ہمراہیوں نے 712 میں سندھ پر حملہ کیا اور اسے فتح کر لیا۔لیکن چند وجوہات کے باعث وہ پورے ملک میں نہ پھیل سکے اور تقریباً تین سو سال تک وادیِ سندھ میں ہی مقیم رہے ۔ اس طویل عرصے کے دوران عربوں اور وہاں کے مقامی باشندوں کے درمیان میل جول اور سماجی روابط بڑھتے رہے یہی وجہ ہے کہ سید سلیمان ندوی 1954 (۔) 1953 اپنی تصنیف نقوشِ سلیمانی میں اردو کی جائے پیدائش سندھ قرار دیتے ہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ مسلمان سب سے پہلے سندھ میں پہنچتے ہیں اس لیے قرینِ قیاس یہی ہے کہ جس کو ہم آج اردو کہتے ہیں اس کا ہیولیٰ اسی وادیِ سندھ میں تیار ہوا ہوگا ۔ لہٰذا ان کا خیال ہے کہ اسی دوران عربی نے سندھ کی مقامی بولی سے مل کر اردو کی داغ بیل ڈالی ہوگی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں نے سندھ کی تہذیب و معاشرت کے علاوہ وہاں کی زبان کو بھی متاثر کیا لیکن وہ زبان اردو نہ تھی بلکہ وہ اس زبان کی قدیم شکل تھی جو آج سندھی کہلاتی ہے یہی وجہ ہے کہ سندھی زبان میں ہمیں عربی کے بے شمار الفاظ ملتے ہیں ۔ سندھی زبان نے عربی زبان کے رسمِ خط کو بھی اپنا لیا ۔مزید یہ کہ جب ہم اردو زبان کا تجزیہ کرتے ہیں تو اس پر عربی کا اثر

صرف چند مستعار الفاظ اور اس کے رسم خط تک محدود ہے ۔ کسی زبان میں غیر زبانوں کے الفاظ کی موجودگی سے اس زبان کے بنیادی ڈھانچے میں کسی قسم کا فرق پیدا نہیں ہوتا ہے ۔ فرہنگِ آصفیہ میں تمام الفاظ کی تعداد 54009 ہے ان میں عربی کے 7584 اور فارسی کے 6041 الفاظ شامل ہیں جن کی تعداد 13625 اور ان کا تناسب 23 فی صد ہے ۔ اگر اردو میں 90 یا 95 فی صد الفاظ عربی اور فارسی زبانوں کے پائے جاتے پھر بھی یہ زبان سامی یا ایرانی نہیں کہلاتی بلکہ ہند آریائی ہی رہتی کیوں کہ اردو زبان کے اصلی یا بنیادی سرمایے یا اس کے ترکیبی اجزا جن سے اس زبان کی تعمیر و تشکیل ہوئی ہے اس کا تعلق ہند آریائی سے ہے نیز وہ قدیم زبان جس سے اردو نے ارتقا پایا، ہند آریائی ہے ۔ اردو کی اصل واساس اس کے ترکیبی اجزا نیز اس کے بنیادی ڈھانچے کو نظر انداز کر کے محض اس کے سرمایۂ الفاظ پر نظر رکھتے ہوئے اردو کا رشتہ عربی سے جوڑنا ایک گمراہ کن نظریہ ہے ۔مزید یہ کہ موجودہ سندھی، اردو سے اس قدر مختلف ہے کہ دونوں میں کسی قریبی رشتے کا اندازہ بھی نہیں ہو سکتا۔ مولانا سلیمان ندوی، سندھی میں اردو زبان کی روایت بھی ثابت نہیں کر سکے اور نہ یہی بتا سکے کہ اردو کیوں اور کس طرح سندھ سے باہر چھینکی گئی اور سندھ سے نکلتے وقت اس نے کس کس منزل میں قیام کیا۔ اس کے علاوہ محمد بن قاسم کا سندھ میں قیام نہایت مختصر بتایا جاتا ہے ۔ اتنی قلیل مدت زبان سازی کے جملہ مراحل طے کرنے کے لیے کافی نہیں ہو سکتی۔ اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ محمد بن قاسم کی واپسی کے بعد کچھ مسلمان یہیں رہ بس گئے تو ان کی تعداد اتنی مختصر رہی ہوگی کہ ان کے لیے ایک نئی زبان کا تشکیل دینا ایک نا قابل قبول خیال معلوم ہوتا ہے لہٰذا اس خیال کو محض ایک مفروضہ سمجھا جا سکتا ہے اور اسے نظریے کا درجہ اس لیے نہیں دیا جا سکتا

کہ اس کی بنیاد شواہد و دلائل کے بجائے ظن و قیاس پر قائم ہوئی ہے۔ علمی اعتبار سے ہم بڑے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ عربوں نے وادیِ سندھ میں اپنے قیام کے دوران کسی نئی زبان کو تشکیل نہیں دیا، لیکن اس خطہ ارض میں بولی جانے والی زبان کو متاثر ضرور کیا۔

اردو کے آغاز و ارتقا کا مسلم آریائی نظریہ:

اردو کے آغاز و ارتقا کے سامی نظریے کے بعد دوسرا اہم نظریہ مسلم آریائی نظریہ ہے۔ اس زمرے میں چار قابل ذکر نظریات کو پیش کیا جاسکتا ہے۔

پنجاب میں اردو:

مسلم آریائی درجے میں حافظ محمود شیرانی کا نظریہ شامل ہے۔ ان کا خیال ہے کہ محمود غزنوی اور اس کے بعد شہاب الدین محمد غوری کی فتوحات کے باعث فارسی اور پنجاب کی مقامی زبان کے میل ملاپ سے اُردو زبان وجود میں آئی۔ ان تینوں محققین میں سے مولانا ہاشمی اور حافظ شیرانی دونوں ہی دکنی ادب کو اردو قدیم بتاتے ہیں اور ایک نمونے سے دو نظریے ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

حافظ محمود خاں شیرانی نے اس نظریے کو اپنی تصنیف "پنجاب میں اردو" میں بڑے مفصل اور مدلل انداز میں پیش کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اردو دہلی کی قدیم زبان نہیں ہے بلکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ دہلی جاتی ہے اور چونکہ مسلمان پنجاب سے ہجرت کرکے دہلی جاتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ وہ پنجاب سے کوئی زبان اپنے ساتھ لے کر گئے ہوں گے۔ محمود شیرانی نے اپنے بیان کے ثبوت میں بعض تاریخی دلائل پیش کیے ہیں۔ شیرانی کو محمد قلی قطب شاہ کے عہد کے ایک شاعر احمد دکنی کی مثنوی لیلیٰ مجنوں کے چند اوراق ہاتھ لگ گئے تھے اس لیے دکنی اردو اور پنجابی کی

بعض مماثلتوں کے پیش نظر انھوں نے یہ رائے قائم کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ " اردو دہلی کی قدیم زبان نہیں ہے بلکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ دہلی جاتی ہے اور چونکہ مسلمان پنجاب سے ہجرت کرکے جاتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ وہ پنجاب سے کوئی زبان اپنے ساتھ لے کر گئے ہوں "، وہ مزید کہتے ہیں کہ مسلمان دسویں صدی کے ربعِ آخر میں غزنی کے بادشاہ امیر سبکتگین کی سرکردگی میں درّۂ خیبر سے ہوکر پنجاب میں داخل ہوئے۔ امیر سبکتگین کی وفات کے بعد اس کے فرزند و جانشین محمود غزنوی نے پنجاب اور ہندوستان کے دوسرے علاقوں پر پے درپے حملوں کا سلسلہ شروع کیا۔ غزنوی سلطنت کے قیام کے بعد دھیرے دھیرے مسلمان سارے پنجاب میں پھیل گئے یہ وادیِ سندھ میں وارد ہونے والے عرب مسلمانوں کے برخلاف فارسی بولتے ہوئے آئے تھے۔ ان میں سے کچھ کی مادری زبان ترکی بھی تھی کیوں کہ سلطان محمود غزنوی خود ایک ترکی النسل بادشاہ تھا۔ پنجاب میں مسلمانوں نے تقریباً دو سو سال تک قیام کیا۔ اس مدّت میں ان کے اور اہلِ پنجاب کے درمیان مضبوط سماجی روابط قائم ہوگئے تھے۔ اسی گہرے میل جول اور مضبوط سماجی روابط کی بنیاد پر حافظ محمود خاں شیرانی نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وہ زبان جسے ہم اردو کہتے ہیں، سرزمین پنجاب میں پیدا ہوئی اور وہیں سے ہجرت کرکے دہلی پہنچی ہے۔ شیرانی نے پنجابی اور اردو بالخصوص قدیم اردو کی مشترک لسانی خصوصیات کا بھی ذکر کیا ہے جیسے ان کے تذکیروتانیث اور جمع اور افعال کی تصریف کا طریقہ کار اسی ایک نتیجے کی طرف ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ اردو اور پنجابی زبانوں کی ابتدا دراصل ایک ہی مقام پر ہوتی ہے یعنی دونوں ایک ہی جگہ ترتیب پاتی ہیں۔ایک جگہ شیرانی لکھتے ہیں کہ " امر کا قاعدہ اردو پنجابی میں بالکل ایک ہے یعنی علامتِ مصدر گرادی جائے تو امر باقی رہ جاتا ہے جیسے

چلنا سے چل، کرنا سے کر“ وغیرہ۔شیرانی کا یہ بیان بالکل صحیح ہے لیکن
امر کا یہ قاعدہ اردو، بنگالی، گجراتی اور مرہٹی میں یکساں ہے ۔ دراصل
ہندستان کی تمام جدید آریائی زبانوں میں امر اسی طرح بنتا ہے ۔ تقریباً اسی
انداز کا طریق استدلال شیرانی نے دوسری صرفی ونحوی مماثلتوں کو بیان
کرتے وقت بھی جائزرکھا ہے ۔سرزمین پنجاب سے منسوب ہونے کا یہ نظر
یہ کوئی نیا نظریہ نہیں ہے جسے محمود شیرانی نے پیش کیا ہے جیسا کہ شیرانی
نے ”پنجاب میں اردو“ میں عرضِ حال کے عنوان سے خود اس امر کا
اعتراف کیا ہے کہ اس سے پہلے علی سرخوش اپنے تذکرے ”اعجازِ سخن“
میں اس قسم کے خیالات کا اظہار کرچکے ہیں ۔

شیرانی کی ”پنجاب میں اردو“ کی اشاعت سے دوسال قبل ڈاکٹر سنیتی
کمار چٹرجی کی تحقیقی اور عالمانہ تصنیف ”دی اوریجن اینڈڈیولپمنٹ آف دی
بنگالی لینگوتج “ (The Origin and (Language Bengali
Development of the شائع ہوئی، جس کی جلد اوّل کے مقدمے میں
انھوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ نواح دہلی کی موجودہ بولیوں کا تشخص
مسلمانوں کے داخلہ دہلی کے وقت نہیں ہوا تھا اور لاہور تاالہ آباد تقریباً
ایک ہی زبان رائج تھی بعد کو اس نقطہ نظر کی تائید ڈاکٹر محی الدین قادری
زور نے بھی کی ۔ جنھوں نے علاقے کی توسیع الہ آباد شمال مغربی سرحدی
صوبہ کردی اور اردو کو اس زبان پر مبنی بتایا ہے جو پنجاب میں بارھویں
صدی عیسوی میں بولی جاتی تھی ۔جارج گریرسن نے بھی اپنی تحریروں میں
اردو کے پنجابی پن پر غیر معمولی زور دیا ہے ۔ ڈاکٹر زور ”پنجاب میں اردو“
کی اشاعت سے ایک سال قبل اردو کے آغاز و ارتقا کے موضوع پر لندن
یونیورسٹی میں لسانی تحقیقات میں مصروف تھے ۔ ان کے ذہن میں بھی یہی
بات آئی تھی کہ اردو پنجاب میں بنی ہے ۔ اس نظریے کی مزید توثیق اور

وضاحت انھوں نے اپنی تصنیف "ہندوستانی فونے ٹکس" میں اور بعد کو "ہندوستانی لسانیات" میں بھی کی ہے وہ کہتے ہیں کہ "اردو کا سنگ بنیاد دراصل مسلمانوں کی فتح دہلی سے بہت پہلے ہی رکھا جاچکا تھا یہ بات اور ہے کہ اس وقت تک اردو کوایک مستقل زبان کی حیثیت حاصل نہیں تھی ۔اردو زبان کو یہ درجہ اس وقت تک نہیں ملا جب تک مسلمانوں نے اس شہر کو اپنا پایہ تخت نہ بنالیا۔ اردو اس زبان سے مشتق ہے جو بالعموم نئے ہندآریائی دور میں اس حصہ ٔملک میں بولی جاتی تھی جس کے ایک طرف عہدِ حاضر کا شمال مغربی سرحدی صوبہ ہے اور دوسری طرف الٰہ آباد۔ گویا ان ماہرین کے خیال میں اردو اس زبان پر مبنی ہے جو پنجاب میں بارھویں صدی عیسوی میں بولی جاتی تھی ۔ ٹی گراہم بیلی اس نقطہ نظر کی تائید اپنی تصنیف "اے ہسٹری آف دی اردو لٹریچر" میں بھی کرتے ہیں ۔ٹی ۔ گراہم بیلی نے جو پنجابی زبان کے ایک مستند عالم تھے ، محمود شیرانی کے خیال سے پورے طورپر اتفاق کرتے ہوئے رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے مجلے میں لکھا ہے کہ اردو 1027 میں لگ بھگ لاہور میں پیدا ہوئی۔اوربرج سے براہ راست اس کا کوئی رشتہ نہیں ہے ۔ مسلمان سپاہیوں نے پنجابی کے اس روپ کو جوان دنوں دہلی کی قدیم کھڑی بولی سے زیادہ مختلف نہ تھااختیار کیا اور اس میں فارسی الفاظ اور فقرے شامل کردیے۔

محمود شیرانی کے تاریخی دلائل بہ قولِ خود محض قیاس آرائیاں ہیں ۔ ان قیاس آرائیوں کے لیے دو مفروضات کا تسلیم کرنا ضروری ہے ۔ پہلا یہ کہ مسلمانوں نے لاہور سے دہلی بڑے پیمانے پر نقل مکانی کی تھی اتنے بڑے پیمانے پر کہ نہ صرف شہر دہلی بلکہ تقریباً سو سو میل تک نواح دہلی کی زبان کو بدل دیا ہو تاریخ سے اس قسم کے کسی نقلِ مکانی کی شہادت نہیں ملتی ہے ۔ مزید برآں کہ دہلی کے نواح کا علاقہ لاہور اور اس کے

نواح کے علاقے سے ہمیشہ زیادہ گنجان آباد رہا ہے اور ہند آریائی زبان کے تیسرے دور کی تاریخ سے یہ برعکس حقیقت ثابت ہے کہ لسانی و تہذیبی لہروں کا بہاؤ ہمیشہ دہلی سے پنجاب کی جانب رہا ہے نہ کہ پنجاب سے دہلی کی جانب ۔ یہ تاریخی صداقت کم وبیش آج بھی درست ہے ۔ اور قطعِ نظر اس تاریخی استدلال کے محمود شیرانی نے پنجابی اور دکنی اردو کی بعض مماثلتوں کو بھی اپنے دعوے کی تائید میں پیش کیا ہے ۔ یہاں اس بات کے اظہار میں ہمیں تامل نہیں کہ شیرانی فارسی کے جید عالم ہوتے ہوئے بھی ہند آریائی لسانیات کے بارے میں بہت محدود علم رکھتے تھے ۔ تقابلی مطالعے کے وقت ان کی نظر ہند آریائی السنہ کی مکمل تصویر پر نہیں تھی۔ جزوی مماثلتیں جو اس خاندان السنہ کی ہر دو زبانوں میں مل جائیں گی اس بات کا ثبوت نہیں بنائی جاسکتیں کہ ایک زبان دوسرے سے ماخوذ ہے ۔

اردو زبان اور برج بھاشا :

اردو کی ابتدا کے بارے میں محمد حسین آزاد نے آبِ حیات میں جو بات کہی ہے اس کا بھی ذکر کرنا بے جا نہ ہوگا۔ وہ لکھتے ہیں کہ " اتنی بات ہر شخص جانتا ہے کہ ہماری اردو زبان برج بھاشا سے نکلی ہے اور برج بھاشا خاص ہندوستانی زبان ہے ۔ اس نظریے کی کسی زمانے میں علمی حلقوں میں بہت دھوم تھی اور برج بھاشا کا رشتہ اردو سے جوڑا جانے لگا تھا۔اس نظریے کی وجہ سے آزاد کا نام بھی خاصا مشہور ہوا۔ اس نظریے کی تائید اور تردید میں بہت کچھ لکھا جاچکا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اردو کے برج بھاشا سے ماخوذ ہونے کا نظریہ پہلے ہند آریائی لسانیات کے ایک بڑے ماہر روڈولف ہیورنلے نے پیش کیا تھا۔ ان کے مطابق " اردو مقابلتاً حال کی پیداوار ہے ۔ دہلی کے نواح میں جو مسلم اقتدار کا مرکز تھا اردو بارھویں صدی عیسوی میں پیدا ہوئی ۔ یہ علاقہ برج، مارواڑی ، پنجابی کے لیے سنگم

کی حیثیت رکھتا ہے ۔ مقامی باشندوں اور مسلمان سپاہیوں کے اختلاط اور ارتباط سے ایک ملی جلی زبان وجود میں آئی جو صرفی نحوی آمیزش بھی ہے اور اس کے کچھ الفاظ دیسی ہندی اور کچھ بدیسی یعنی فارسی و عربی کے ہیں ۔

محمد حسین آزاد اور ہیورنلے کے علاوہ کئی اور مصنّفین بھی اردو کو برج کے ساتھ منسوب کرنے میں پیش پیش رہے ہیں ان میں میر امن، سرسید احمد خاں اور امام بخش صہبائی اور آزاد کے بعد سید شمس اللہ قادری کے نام خاص اہمیت رکھتے ہیں جن کی تحریروں میں اس نظریے کی گونج سنائی دیتی ہے ۔ سید شمس اللہ قادری رسالہ " تاجِ اردو " کے قدیم نمبر میں لکھتے ہیں کہ " مسلمانوں کے اثر سے برج بھاشا میں عربی فارسی الفاظ داخل ہونے لگے جس کے باعث اس میں تغیر شروع ہوا جو روز بہ روز بڑھتا گیا اور ایک عرصے کے بعد اردو زبان کی صورت اختیار کرلی ۔ اردو کے برج بھاشا سے نکلنے کے نظریے کی تنقید اور تردید محمود شیرانی نے " پنجاب میں اردو " میں ، پروفیسر مسعود حسین خاں نے " مقدمہ تاریخ زبان اردو " میں اور ڈاکٹر شوکت سبزواری نے " داستان زبانِ اردو " میں نہایت کھل کر کی ہے ۔ ان محققین نے برج بھاشا اور اردو کے تقابلی مطالعے اور لسانیاتی تجزیے سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچادی ہے کہ ان دونوں زبانوں میں ماں بیٹی کا رشتہ نہیں بلکہ بہنوں کا رشتہ ہے ۔

اردو کے برج سے نکلنے کا لسانیاتی جواز کوئی نہیں ہے ۔ آزاد اور اردو کے بعض مصنّفین کے ذہن میں یہ خیال دو وجھوں سے پیدا ہوا۔ اوّل برج بھاشا کی امتیازی حیثیت اور غیر معمولی اہمیت و مقبولیت ، دویم آگرے کا پایہ تخت قرار پانا ۔ سنگیت اور شاعری کی زبان ہونے کی وجہ سے برج بھاشا اپنے علاقے سے باہر بھی کافی مقبول ہوئی ۔ امیر خسرو نے اپنی پہیلیوں ، مکرنیوں اور گیتوں میں جو زبان استعمال کی اس میں کھڑی بولی

کے علاوہ برج بھاشا کے عناصر کافی حد تک نمایاں ہیں ۔ ان کی بعض پہیلیاں خالص برج بھاشا میں ہیں اور گیتوں کی زبان عام طور سے معیاری برج بھاشا ہے ۔ نام دیو ، کبیر داس اور گرونانک کے کلام میں بھی برج بھاشا کے نمونے ملتے ہیں ۔ سلطان بہلول لودی کے بسائے ہوئے شہر آگرہ کو جب اس کے فرزند و جانشین سکندرلودی نے اپنا پایہ تخت قرار دیا تو برج بھاشا کو پھلنے پھولنے کا موقع ملا ۔ اکبر ، جہاں گیر اور شاہجہاں کے عہد میں برج بھاشاکو خاص طورپر فروغ حاصل ہوا۔ ادبی اظہار کے لیے شمالی ہند کی یہ ایک اعلیٰ ترقی یافتہ زبان تصور کی جانے لگی ۔ شاہجہاں نے جب اپنا پایہ تخت آگرے سے دہلی منتقل کیا تو برج بھاشا کے اثرات زائل ہونے لگے لیکن اورنگ زیب کے عہد میں " تحفتہ الہند " کے تصنیف کیے جانے سے اس دور میں دہلی میں برج بھاشا کی اہمیت اور مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے ۔ " تحفتہ الہند " برج بھاشا کی قواعد ہے جو مرزا خاں نے مغل شہزادوں کو ہندی پڑھانے کی غرض سے فارسی زبان میں لکھی تھی ۔ ان تفصیلات سے اندازہ ہوتا ہے کہ برج بھاشا کو نواحِ دہلی کی تمام بولیوں میں ایک خاص مرتبہ حاصل تھا۔ اہل علم اس کی اہمیت اور مقبولیت سے واقف تھے لہٰذا محمد حسین آزاد کا اردو کو برج بھاشا کے ساتھ منسوب کرنا کوئی تعجب خیز امر نہیں ہے ۔ لیکن محمد حسین آزاد کے اس خیال کو قابل قبول نہیں سمجھا جا سکتا کیونکہ برج ایک ایسی زبان ہے جس کے الفاظ بالعموم مصوتہ / او / پر ختم ہوتے ہیں ۔ مثلاً " : میرو گھوڑو مر گیو " اس کے بر عکس اردو میں یہ الفاظ مصوتہ / آ / پر ختم ہوتے ہیں ۔یہی جملہ اردو میں " میرا گھوڑا مر گیا " ہو جاے ُ گا۔

پالی سے اردو :

شوکت سبزواری اور بعض دیگر ماہرین کا خیال ہے کہ سنسکرت کی

حرکات اَے اور اَو پراکرت میں ائِ اور اَء ہوتی ہیں اور پالی میں اِے اور اَو۔ اِے اور اَو کے استعمال میں اردو پالی کی ہم نوا ہے ۔ پالی پراکرت کی ہی ایک قسم ہے ۔ اس میں وہ تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں جو کسی پراکرت کو سنسکرت سے ممیز کرتی ہیں ۔قدیم ہند یورپی زبان کے علما اس امر پر متفق ہیں کہ (اے اور اُو) قدیم آوازیں تھیں ۔ " اَے " اور " اَو " ان کی ارتقائی شکلیں ہیں ۔ خود " رگ وید " میں بھی ان کا تبادل ملتاہے ۔جیسا کہ ہم نے پچھلے باب میں دیکھا تھا ویدی سنسکرت میں ' اے ' اور ' او ' کا تلفظ دوہرے مصوتے کے طور پر ہوتا تھالیکن کلاسکل سنسکرت کے زمانے میں اس کے تلفظ میں فرق پیدا ہو گیا۔ اردو میں پرکرات کی اے ، اَو آوازیں بہ دستور موجود ہیں ۔ البتہ اَء ُکی آوازیں اَے ، اَو ہو گئی ہیں لیکن یہ دور جدید کا رجحان ہے جو اردو کی معاصر زبانوں میں بھی ملتا ہے ۔ یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ بعض اوقات کسی زبان کا رسم الخط اس کی بول چال کی آوازوں کو ظاہر کرنے میں خطا بھی کر جاتا ہے اس لیے زبان کی تحریری شکلوں کے ساتھ ساتھ تقریری آوازوں پر بھی نظر رکھنا ضروری ہے ۔

شوکت سبزواری مزید کہتے ہیں کہ شور سینی میں سنسکرت " ت " ہر جگہ " د " ہو جاتی ہے لیکن پالی میں وہ بہ دستور " ت " ہی رہتی ہے ۔ اردو میں بھی ایسا ہی ہے ۔ یہاں شوکت سبزواری سے کچھ خلط مبحث ہو گیا ہے کیونکہ انھوں نے پہلے تو ایک عام بیان دے دیا ہے اور پھر مثال میں صرف حالیہ نا تمام پیش کیا ہے ۔ غالباً ان کے ذہن میں سنسکرت کا حالیہ ناتمام ہی ہے اور وہ سنسکرت کرتی (رہا کرتا ہے) ، چلتی (وہ چلتا ہے) کو حالیہ سمجھتے ہیں جو پالی میں کرتی، چلتی، شور سینی میں کریدی، چلیدی، مہاراشٹری میں کرَئِ ، چلَ ئِ ہے ۔ لیکن یہاں ان کو مغالطہ ہوا ہے ۔ یہ فعل حال کے روپ ہیں ، حالیے نہیں ہیں ۔ اردو کے حالیہ ناتمام کرتا، چلتا،

پراکرت میں کرت، کرتا، چلت، چلتا کے متبادل روپوں میں نظر آتے ہیں اور ان کے یہی روپ ویدک سنسکرت میں بھی ملتے ہیں۔ پنجابی میں انھیں کردا، چلدا بولتے ہیں اور یہ پراکرتوں کا فرق ہے کیوں کہ پنجابی کا سلسلہ شورسینی سے ملتا ہے۔ جس میں دوسری پراکرتوں کی 'ت' کی جگہ 'د' پائی جاتی ہے۔ یہ کہنا کہ اردو میں پالی کی طرح سنسکرت کی ت ہر جگہ بہ دستور باقی رہتی ہے کلیہ کے طور پر غلط ہے کیوں کہ سنسکرت "کرتی" اردو میں "کرے" اور سنسکرت " اردو میں بھی کرتا" ہوتا ہے یعنی سنسکرت 'ت' کی جگہ اردو میں کہیں ت ملتی ہے کہیں نہیں ملتی اور جب پالی میں بہ قول ڈاکٹر شوکت سبز واری سنسکرت کی پرت باقی رہتی ہے تو پھر اس کا اردو سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔

شوکت سبزواری کہتے ہیں کہ بعض لاحقے پالی اور اردو میں مشترک ہیں۔ مثلاً " وا (" والا) پالی میں بھی ہے جیسے گنوا (گن والا) اردو کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔ بھڈوا، پٹوا، پوروا، پچھوا۔

شوکت سبزواری کہتے ہیں کہ ظرفی لاحقہ "میں" سنسکرت "سمن" سے پالی میں ہوتا ہوا اردو میں آیا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔اردو کا یہ ظرفی لاحقہ براہ راست مہاراشٹری پراکرت کے لاحقہ ظرفی "م" سے مشتق ہے جس پر پراکرت اور اردو کے عام رجحان کے مطابق صرف غُنّہ کا اضافہ ہوا ہے۔ یہ لاحقہ ماگدھی میں بھی ملتا ہے۔ ثبوت کے لیے "ملدا راکشش" میں کشینک کا مکالمہ دیکھیے جو ماگدھی بول رہاہے۔ ہندی میں اس کا ابتدائی کسرہ بہ دستور باقی ہے جب کہ اردو میں اعراب کی طرف سے لاپروائی برتنے کے باعث لوگ اسے فتحہ سمجھنے لگے ہیں۔ مہاراشٹری پراکرت کا یہ لاحقہ ہال کی مشہور کتاب "ست سئی" میں عام ہے۔

شوکت سبزواری کہتے ہیں کہ ضمیر واحد متکلم "میں" پالی سے لی گئی

ہے ، یہ درست نہیں ۔ اس کا ماخذ مہاراشٹری پراکرت کا مکتوبی روپ " مم عم " ہے ۔ جس پر حسب دستور صرف غنہ" کا اضافہ ہوا ہے ۔ چنانچہ " م ء ل " کی آواز آپ کو قنوج و فرخ آباد (یو۔ پی) میں سننے کو مل جائے گی۔ اردو میں اَ ءِ سے اے ہو جانے پر "مَ ءِ ل ،، سے " میں " بن گیا۔

شوکت سبزواری کہتے ہیں کہ " ہو " فعل معاون ایک مستقل اور آزاد مادہ ہے جو پہلوی میں بھی تھا اور پالی میں بھی۔ اردو میں اس کا وجود بتاتا ہے کہ اردو اور پالی مشترک الماخذ ہیں ۔ شوکت سبزواری کہتے ہیں کہ " تھا " اردو ماگدھی " ہوتھا " سے مشتق ہے اور چوں کہ اردھ ماگدھی ڈاکٹر سکسینہ کے خیال کے مطابق پالی سے بہت مشابہ ہے اس لیے اردو پالی میں سے مشتق ہوئی ہے ۔ اردو میں اکثر ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ ہم فعل حال بول کر ماضی مراد لیتے ہیں بالکل یہی بات پراکرت میں تھی۔ بھاس کے مشہور ڈرامے " شوپن داسودتا " میں ردو شک راجہ کو کہانی سناتا ہے ۔ " اتھی نٹری اجڈتی نام ۔ تھیں اہیا و سنی آنی اُو َء تھانانی وَ تنتی کل " داجین نام کی ایک نگری تھی۔ وہاں بہت سندر باولیاں تھیں)

شوکت سبزواری بھنڈارکر کے حوالے سے کہتے ہیں کہ سنسکرت " کرتہ " کا روپ پالی کے ایک کتبے میں کست ہے ۔ اردو مصدر کرنا اردو کی اصل یہی ہے ۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری، مغربی ہندی کی پانچ بولیوں ، برج بھاشا ، بندیلی ، قنوجی، کھڑی بولی اور ہریانی وغیرہ کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے ہیں ۔ اسے وہ ایک طرح کی ذہنی تجرید یا منطقی اُپچ بتاتے ہیں ۔ ان کے نزدیک مغربی ہندی ایک طرح کی فرضی اور خیالی زبان ہے وہ مغربی ہندی کے درمیان سے نکل کر اردو اور پراکرت کی درمیانی کڑی اپ بھرنش کو مانتے ہیں اور اردو کا ارتقا پراکرت کی ایک شکل پالی کو مانتے ہیں ۔

اپ بھرنش کے ساتھ ڈاکٹر شوکت سبزواری قدیم مغربی ہندی کا بھی ذکر کرتے ہیں اور اسے اردو کا ماخذ قرار دیتے ہیں لیکن آگے چل کر وہ خود اس کی تردید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ " راسو کی زبان قدیم برج ہے یا خود ساختہ مخلوط ادبی زبان قدیم مغربی ہندی ہر گز نہیں ہے جسے اردو یا ہندوستانی کی اصل بتایا جاتا ہے ۔ جب تک مغربی ہندی کا اصل روپ سامنے نہ ہو، اس کے خط وخال متعین نہ ہوں ، اس کی لسانی خصوصیات کی نشان دہی نہ کی جائے ، اس کی لسانی اہمیت کا اعتراف کرنا دشوار ہے ۔ ڈاکٹر شوکت نے اردو اور کھڑی بولی کے متعلق جو باتیں کہی ہیں ان میں کچھ وزن ہے لیکن اپ بھرنش ، قدیم مغربی ہندی اور ہندوستانی وغیرہ سے متعلق ان کی بہت سی باتیں گنجلک اور مبہم ہیں اور ان میں بے حد تضاد پایا جاتاہے ۔ کبھی وہ اردو کا ارتقا براہ راست کھڑی بولی اور ہندوستانی سے دکھاتے ہیں تو کبھی بول چال کی اپ بھرنش اور قدیم مغربی ہندی سے ۔ کبھی وہ اردو اور ہندوستانی کو ایک مانتے ہیں تو کبھی اردو کو ہندستانی کی ادبی شکل تسلیم کرتے ہیں ۔یہ وہ خیالات ہیں جو شوکت سبزواری نے اس خیال کی وضاحت میں بیان کیے ہیں کہ اردو کی ابتدا پالی سے ہوئی ،لیکن لسانی نقطۂ نظر سے ان پر یقین کرنا ذرا دشوار معلوم ہوتا ہے ۔ ان تفصیلات کی روشنی میں کہا جا سکتاہے کہ اردو کے آغاز وارتقا کے بارے میں ڈاکٹر شوکت کا نظریہ کہ اردو پالی یا پراکرت سے نکلی ہے ، اردوزبان کی تاریخ کو کئی سو سال پیچھے ماضی کے دھندلکے میں لے جاتاہے ۔ اس نظریے کے مطابق اردو اور پالی دونوں کا منبع ایک ہے ۔ پالی ادب، فن اور فلسفے کی زبان ہے اور ہندوستانی روزانہ بول چال، لین دین اور کاروبار کی ۔ پالی اس معیاری درجے کو پاکر ٹھہر گئی جب کہ ہندوستانی عوام کی زبان ہونے کی وجہ سے اور بازار ہاٹ میں بولی جانے کے باعث نکھرتی گئ ۔ پروفیسر احتشام

حسین " ہندوستانی لسانیات کا خاکہ " کے مقدمے میں لکھتے ہیں کہ ایک عام خیال یہ ہے کہ ڈاکٹر شوکت سبزواری نے اردو کی ابتدا کا سراغ پالی میں تلاش کرنا چاہا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر شوکت نہ تو پالی کو اردو کا ماخذ تسلیم کرتے ہیں اور نہ اردو کی سراغ پالی میں تلاش کرتے ہیں۔ اس کی تردید انھوں نے " داستان زبان اردو " کے پیش لفظ میں خود ہی پیش کردی ہے یہ بات ضرور ہے کہ وہ پالی اور اردو میں بعض لسانی مماثلتوں کی بنا پر دونوں کے تعلق اور رشتے پر زور دیتے ہیں۔

پروفیسر مسعود حسین خاں کا نظریہ :

پروفیسر مسعود حسین خاں نے اپنی تحقیقی تصنیف " مقدمہ تاریخِ زبان اردو " میں محمود شیرانی کے " پنجاب میں اردو " کے نظریے کی بڑی بے باکی سے تنقید کی ہے اور متعدد مثالوں اور دلیلوں سے یہ ثابت کردیا ہے کہ قدیم اردو اور دکنی کی جو خصوصیات محمود شیرانی پنجابی سے منسوب کرتے ہیں وہ دہلی اور نواحِ دہلی کی بولیوں بالخصوص ہریانی میں بھی پائی جاتی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں قدیم اردو کا پنجابی پن اس کا ہریانی لب ولہجہ ہے۔

لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ پروفیسر مسعود حسین خاں نے اپنی تصنیف " مقدمہ تاریخ زبان اردو " میں " اردو کے پنجابی زبان " سے ماخوذ ہونے کے نظریے کی تنقید کی ہے اور اُردو کی ابتدا کا سراغ پانے کے لیے نواح دہلی کی بولیوں کی اہمیت پر بہت زور دیا ہے۔ پروفیسر مسعود حسین خاں کے خیال میں شہر دہلی چار بولیوں کے سنگم پر واقع ہے۔ یہ بولیاں مندرجہ ذیل ہیں، کھڑی بولی، برج بھاشا، ہریانی اور میواتی۔ ہریانی دہلی کے شمال مغرب میں بولی جاتی ہے دراصل یہ شہر جمنا کے مغرب میں ہریانہ سے گھرا ہوا ہے۔ جمنا پار اور دہلی کے شمال مشرق میں کھڑی بولی کا چلن ہے۔

دہلی کے جنوب مشرق میں کچھ دور چل کر برج بھاشا مل جاتی ہے اور دہلی کے جنوب مغربی حصے میں راجستھانی کی ایک بولی میواتی بولی جاتی ہے۔ پروفیسر مسعود حسین خاں نے اردو کے ارتقا میں ان تمام بولیوں کے اثرات کو ڈھونڈنے کی کوشش کی ہے۔ اور اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ ہریانی نے قدیم اردو کی تشکیل میں حصہ لیا جب کہ کھڑی بولی نے جدید اردو کا ڈول تیار کیا، برج بھاشا نے اردو کا معیاری لب ولہجہ متعین کرنے میں مدد دی اور میواتی نے قدیم اردو پر اپنے اثرات چھوڑے ہیں۔ نواحِ دہلی کی بولیوں کے تقابلی مطالعے اور قدیم دور کے تحریری مواد کے لسانیاتی تجزیے سے پروفیسر مسعود حسین خاں نے جس نظریے کی تشکیل کی ہے، وہ یہ ہے کہ نواح دہلی کی یہ بولیاں اردو کا اصل منبع اور سرچشمہ ہیں۔

پروفیسر مسعود حسین خاں کے خیال میں اردو کی ابتدا اس وقت تک ممکن نہ ہوسکی جب تک شہاب الدین محمد غوری نے 1193 میں دہلی کو فتح کرکے اسے اپنا پایہ تخت نہیں بنالیا تھا۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ پروفیسر مسعود حسین خاں کی اس لسانی تحقیق سے تقریباً 15 سال قبل کے آس پاس ژول بلاک اپنی تحریروں میں اردو ہریانی کے اثرات کی نشان دہی کرچکے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ انھوں نے صرف ہریانی کی اہمیت پر زور دیا تھااور نواح دہلی کی دیگر بولیوں کو وہ نظر انداز کرگئے تھے۔

ژول بلاک کے بعد ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے بھی اردو پر ہریانی کے اثرات کا ذکر کیا ہے۔ یہاں ایک اور بات مدّ نظر رکھنی چاہیے کہ اردو پر بانگڑو یا ہریانی زبان کا بھی قابلِ لحاظ اثر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ زبان دہلی کے شمال مغرب میں انبالہ پانی پت کے اطراف اور اس علاقے میں بولی جاتی ہے جو پنجاب سے دہلی آتے ہوئے راستے میں واقع ہے۔ فاتح و مفتوح کے میل جول سے جو زبان بنتی جارہی تھی اس میں ہریانی زبان

کے عنصر موجود ہوگئے۔

لیکن ژول بلاک اور ڈاکٹر زور کی تحریروں میں ہریانی کی اہمیت کے متعلق محض اشارے ہی تھے۔ ہریانی مواد کے لسانیاتی تجزیوں کو تحقیق کی کسوٹی پر پرکھنے کا کام سب سے پہلے مسعود حسین خان نے ہی انجام دیا۔ مگر ڈاکٹر زور جو اردو پر ہریانی کے اثرات کی طرف توجہ مبذول کراچکے تھے پروفیسر مسعود حسین کے اس لسانی نظریے کی اپنے ایک مضمون "اردو کی ابتدا" میں سخت تنقید کی ہے۔ وہ کافی بحث و تمحیص کے بعد مندرجہ ذیل نتیجے پر پہنچتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ:

"ہریانی زبان کی پیدائش اردو کی پیدائش کے بعد عمل میں آئی اور اگر قدیم دکنی اردو کی بعض خصوصیات ہریانی زبان میں ملتی جلتی ہیں تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ اردو ہریانی سے بنی ہے بلکہ اس کا اصل سبب یہ ہے کہ اردو اور ہریانی دونوں کا سرچشمہ ایک ہی تھا۔"

پروفیسر گیان چند جین نے بھی اپنے ایک مضمون میں پرفیسر مسعود حسین کے اس نظریے سے عدم اتفاق کیا ہے۔

اردو اور کھڑی بولی:

اردو کے آغاز سے متعلق ایک اور نظریہ اردو اور کھڑی بولی کے لسانی رشتے کا ملتا ہے۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری، ڈاکٹر سہیل بخاری اور ان کے تتبع میں پروفیسر گیان چند جین کھڑی بولی کو اردو کی اصل قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اردو کی اصل کھڑی بولی اور صرف کھڑی بولی ہے۔ کھڑی بولی دہلی اور مغربی یوپی کی بولی ہے۔ شوکت سبزواری، سہیل بخاری سے اتفاق کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ لسانیاتی نقطۂ نظر سے اردو، ہندی، کھڑی بولی ایک ہیں۔ اردو، کھڑی بولی کا وہ روپ ہے جس میں عربی فارسی الفاظ کسی قدر زیادہ اور تت سم سنکرت الفاظ نہیں کے برابر ہیں۔ لیکن اس

خصوصیات کے باعث اردو کھڑی بولی سے علاحدہ زبان نہیں ہو جاتی ہے۔
ڈاکٹر شوکت نے اپنی تصنیف "داستان زبانِ اردو" میں اردو کے آغاز اور ارتقا کے مختلف نظریوں اور اس کے مولد و منشا سے بڑی مدلل اور تفصیلی بحث کی ہے۔ اس کے بعد اردو کے آغاز سے متعلق اپنا ایک الگ نظریہ پیش کیا ہے جس کے مطابق اردو کھڑی بولی سے ترقی پا کر بنی ہے جو دہلی اور میرٹھ کے نواح میں گیارھویں صدی عیسوی میں بولی جاتی تھی۔ وہ کھڑی بولی اور ہندوستانی کو ایک ہی زبان تصور کرتے ہیں اور اردو کو اس کی ادبی شکل مانتے ہیں۔ کہیں ڈاکٹر شوکت اردو ہندوستانی، اور کھڑی بولی کو ایک ہی زبان تسلیم کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کا یہ نظریہ ہے کہ کھڑی بولی یا ہندستانی یا دوسرے لفظوں میں اردو مسلمانوں کی آمد سے پہلے دہلی کے بازاروں میں بولی جاتی تھی۔ وہ ہندوستانی کے مولد کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں کرتے ہیں۔ سب متفقہ طور سے دہلی اور میرٹھ کی زبان بتاتے ہیں اردو اس کی ادبی شکل ہے۔ اس زبان کو یہ نام بعد میں دیا گیا ہے جب مسلمانوں کی سرپرستی میں بول چال کی زبان سے ترقی کر کے اس نے ادب و شعر کی زبان کا درجہ پایا۔ اردو اور کھڑی بولی کے متعلق پاکستان کے ڈاکٹر سہیل بخاری کا بھی تقریباً یہی نقطۂ نظر ہے جو ڈاکٹر شوکت کا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اردو اور ہندی ایک ہی زبان کے دو روپ ہیں جسے ماہرین لسانیات نے کھڑی بولی کا نام دیا ہے۔ ان کے موجودہ روپوں میں دو فرق ہیں ایک رسم الخط اور دوسرا دخیل الفاظ۔ علم زبان کے لحاظ سے دونوں کے یہ اختلافات قابل التفات نہیں کیونکہ ان سے زبان کی بنیادی خصوصیات پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔ کھڑی بولی کی قدیم تاریخ اردو زبان کا بھی ایسا ہی اہم حصہ ہے جیسا کہ ہندی کا ہے۔

پروفیسر گیان چند جین، ڈاکٹر شوکت اور ڈاکٹر سہیل بخاری کے

نظریات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اردو کے آغاز کو دو منزلوں میں ڈھونڈنا چاہیے ۔ اوّل کھڑی بولی کا آغاز، دوسرے کھڑی بولی میں عربی فارسی لفظوں کا شمول جس کی وجہ سے اس زبان کا نام اردو ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر سہیل بخاری کا اردو کے بارے میں یہ نظریہ، وہ نظریہ ہے جسے انھوں نے تقریباً بیس سال پہلے اپنے مضمون ' اردو کا قدیم ترین ادب ' مشمولہ " نقوش " میں پیش کیا تھا۔ لیکن اب ان کے نظریے میں بہت بڑی تبدیلی آگئی ہے ۔ کچھ سال پہلے پاکستان میں ان کی ایک کتاب " اردو کے روپ " شائع ہوئی جس میں انھوں نے اردو کے ماخذ اور اس کی ابتدا اور نشونما کے تمام اصول و نظریات اور حقائق کو باطل قرار دے کر ایک بالکل نئے ، انوکھے نظریے کی تشکیل کی ہے ۔

بعض دلچسپ نظریے :

اردو کے آغاز و ارتقا کے متعلق بعض دلچسپ نظریے پیش کیے گیے ہیں جسے عقلِ سلیم کبھی تسلیم نہیں کرسکتی ہے ۔ ان نظریوں کی کوئی لسانی اہمیت نہیں ہے ۔پاکستان کے جناب فتح محمد ملک اپنی کتاب " اندازِ نظر " کے ایک دلچسپ مضمون " لسانی تحقیق کا سیاسی پہلو " میں اردو کے مختلف رویوں پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اردو نہ تو پنجاب میں پیدا ہوئی نہ سندھ میں ، نہ دکن میں نہ دلّی میں ،بلکہ اردو کی جنم بھومی اڑیسہ ہے اردو ہند آریائی زبان نہیں ہے ۔ اردو کے آغاز کے بارے میں ان کا جدید نظریہ یہ ہے کہ سنسکرت سے الگ ٹھیٹھ ہندوستانی یا دراوڑی بولی ہے جو ہمیشہ سے اس ملک میں بولی جاتی ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ اردو نہیں بلکہ ہندوستان کی سبھی بولیاں آریوں کے آتے وقت بھی بولی جاتی تھیں اور جب سے اب تک برابر بولی جارہی ہیں اور ان آوازوں ، اصولوں اور ڈھانچوں میں کوئی فرق نہیں آیا ہے لیکن یہ ممکن ہے کہ ان کی تحریری شکلیں بدلتی رہی

ہوں ۔ اس قسم کے مفروضات و نظریات کو کسی علمی بحث کا موضوع نہیں بنایا جاسکتاہے انھیں صرف تفریح طبع کے لیے ہی دیکھا جا سکتا ہے ۔

مختصراً یہ کہا جاسکتاہے کہ اردو ایک ہندآریائی زبان ہے ۔ اس کے تاریخی ارتقا کو شورسینی اپ بھرنش اور پراکرت کے ذریعہ قدیم آریائی سے مربوط کیا جاسکتا ہے ۔ جس کی نمائندہ زبان رگ وید کی سنسکرت ہے ۔ تیرھویں صدی عیسوی کے آغاز یعنی مسلمانوں کی فتح دہلی کے بعد سے اس زبان کا نیا ملوان روپ نمودار ہوتا ہے جسے ابتدائی زمانے میں ہندی ،ہندوی اور زبان دہلوی کے نام سے یاد کیا گیا ۔ زبان دہلوی کے مستند نمونے پندرھویں صدی کے وسط سے دکن میں ملتے ہیں جہاں یہ فتوحاتِ دکن کے بعد پہنچی تھی ۔ ابتدا سے اردو زبان عربی فارسی رسم الخط میں لکھی گئی ہے ۔ اس کی صوتیات میں عربی فارسی آوازیں خ ، ز، ف ، ق، غ داخل ہیں ۔ اس پر عربی فارسی لسانی اثرات محض اتفاقی نہیں جیسا کہ بنگالی ، مرہٹی یا ہندی میں پائے جاتے ہیں بلکہ ان کی نوعت بنیادی اور ترکیبی ہے جن سے قطع نظر اردو زبان کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے ۔ عربی فارسی عناصر نے زبان کو اس طرح ڈھانپ لیا ہے کہ انیسویں صدی کے تمام محققین نے اس بولی کو پہنچاننے میں لغزش کی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اردو کی ابتدا کے متعلق مختلف نظریے پائے ٔ جاتے ہیں ۔

باب کا خلاصہ :

☆ بعض ماہرین کا خیال ہے کہ مسلمانوں کی آمد نے ہندآریائی زبانوں کی ترقی کی رفتار کو تیز تر کردیا اور جس کی وجہ سے ان کے یہاں قیام کرتے ہی ہندوستان کی علاقائی بولیوں کو ابھرنے کا موقع مل گیا۔ اردو بھی ان میں سے ایک زبان ہے جو مقامی ہندئوں اور نومسلموں کی زبان تھی۔ جسے صوفیا نے تبلیغ و اشاعت دین کا ذریعہ بنایا تھا اور جس میں کافی حد تک

عربی فارسی الفاظ داخل ہوچکے تھے یہ زبان حاکموں کے لیے اب اجنبی نہیں رہ گئی تھی ۔فارسی کے زوال نے انھیں اس زبان کو اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

☆ ان تمام حقائق کے پیش نظرگریرسن نے اردو کو برج بھاشا اور پنجابی کے درمیان کی بولی بتایا۔ مولانا محمد حسین آزاد نے اسے برج بھاشا کہا۔ حافظ محمود شیرانی نے اردو کا وطن پنجاب، مولاناسلیمان ندوی نے سندھ اور مولانا نصیر الدین ہاشمی نے دکن بتایا۔ جب کہ بعض دوسرے ماہرین مثلاً پروفیسر مسعود حسین خان دہلی کو اردو کا ابتدائی پڑاؤ بتاتے ہیں ۔ خود دہلی شہر میں بھی کر خنداری بولی جاتی ہے ۔ جو ہریانی سے اپنا رشتہ ظاہر کر تی ہے ۔

☆ اُردو کے آغاز و ارتقا کے متعلق مختلف نظریات کو مندرجہ ذیل خانوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے :

) 1 (سامی نظریہ

) 2 (مسلم آریائی نظریہ اور

) 3 (آریائی نظریہ

☆ اردو کے آغاز و ارتقا کے سامی نظریے میں اردو کا تعلق سامی لسانی خاندان سے جوڑنے کی کوشش کی گئ ہے ۔ اس سلسلے میں نصیر الدین ہاشمی کے ساتھ ساتھ سید سلیمان ندوی کا نام قابلِ ذکر ہے جنھوں نے اپنی تحریروں میں اردو کے پہلے ہیولی کے سندھ میں بننے کا ذکر کیاہے ۔کچھ عرصہ پہلے بنگلور کی ڈاکٹر آمنہ خاتون نے " دکنی کی ابتدا " کے نام سے ایک کتابچہ شائع کیا تھا جس میں انھوں نے دکنی کو اردو سے ایک علاحدہ زبان قرار دیا ہے ۔

☆ مسلم آریائی درجے میں حافظ محمود شیرانی کا نظریہ شامل ہے ۔ ان

کا خیال ہے کہ محمود غزنوی اور اس کے بعد شہاب الدین محمد غوری کی فتوحات کے باعث فارسی اور پنجاب کی مقامی زبان کے میل ملاپ سے اردو زبان وجود میں آئی۔ ان تینوں محققین میں سے مولانا ہاشمی اور حافظ شیرانی دونوں کے دونوں دکنی ادب کو اردو قدیم بتاتے ہیں اور ایک نمونے سے دو نظریے ثابت کرنا چاہتے ہیں ۔ حافظ محمود خاں شیرانی نے اس نظریے کو اپنی تصنیف ” پنجاب میں اردو “ میں بڑے مفصل اور مدلل انداز میں پیش کیاہے ۔ شیرانی کی ” پنجاب میں اردو “ کی اشاعت سے دوسال قبل ڈاکٹر سنیتی کمار چٹرجی کی تحقیقی اور عالمانہ تصنیف ” دی اوریجن اینڈ ڈیولمپنٹ آف دی بنگالی لینگویج “ (The Origin and Development of the Bengali Language) شائع ہوئی جس کی جلد اوّل کے مقدمے میں انھوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ نواح دہلی کی موجود بولیوں کا تشخص مسلمانوں کے داخلہ دہلی کے وقت نہیں ہوا تھا اور لاہور تاالہٰ آباد تقریباً ایک ہی زبان رائج تھی۔ بعد میں اس نقطہ نظر کی تائید ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے بھی کی ۔

☆ اُردو کی ابتدا کے بارے میں محمد حسین آزاد نے آبِ حیات میں جو بات کہی ہے اس کا بھی ذکر کرنا بے جا نہ ہوگا وہ لکھتے ہیں کہ ” اتنی بات ہر شخص جانتا ہے کہ ہماری اردو زبان برج بھاشا سے نکلی ہے اور برج بھاشا خاص ہندوستانی زبان ہے ۔ “ اس نظریے کی کسی زمانے میں علمی حلقوں میں بہت دھوم تھی اور برج بھاشا کا رشتہ اردو سے جوڑا جانے لگا تھا۔اس نظریے کی وجہ سے آزاد کا نام بھی خاصا مشہور ہوا۔ اس نظریے کی تائید اور تردید میں بہت کچھ لکھا جاچکا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اردو کے برج بھاشا سے ماخوذ ہونے کا نظریہ پہلے ہند آریائی لسانیات کے ایک بڑے ماہر روڈولف ہیورنلے نے پیش کیا تھا ۔ ان کے مطابق اردو

مقابلتاً حال کی پیداوار ہے ۔ دہلی کے نواح میں جو مسلم اقتدار کا مرکز تھا اردو بارھویں صدی عیسوی میں پیدا ہوئی ۔ یہ علاقہ برج، مارواڑی ، پنجابی کے لیے سنگم کی حیثیت رکھتا ہے مقامی باشندوں اور مسلمان سپاہیوں کے اختلاط اور ارتباط سے ایک ملی جلی زبان وجود میں آئی جو صرفی نحوی آمیزش بھی ہے اور اس کے کچھ الفاظ دیسی ہندی اور کچھ بدیسی یعنی فارسی وعربی کے ہیں ۔

☆ پروفیسر مسعود حسین خاں نے اپنی تصنیف "مقدمہ تاریخ زبان اردو" میں اردو کے پنجابی زبان سے ماخوذ ہونے کے نظریے کی تنقید کی ہے اور اُردو کی ابتدا کا سراغ پانے کے لیے نواح دہلی کی بولیوں کی اہمیت پر بہت زور دیا ہے ۔ پروفیسر مسعود حسین خاں کے خیال میں شہر دہلی چار بولیوں کے سنگم پر واقع ہے یہ بولیاں مندرجہ ذیل ہیں ، کھڑی بولی، برج بھاشا، ہریانی اور میواتی ۔ ہریانی دہلی کے شمال مغرب میں بولی جاتی ہے دراصل یہ شہر جمنا کے مغرب میں ہریانی سے گھرا ہوا ہے ۔ جمنا پار اور دہلی کے شمال مشرق میں کھڑی بولی کا چلن ہے ۔ دہلی کے جنوب میں مشرق میں کچھ دور چل کر برج بھاشا مل جاتی ہے اور دہلی کے جنوب مغربی حصے میں راجستھانی کی ایک بولی میواتی بولی جاتی ہے ۔ پروفیسر مسعود حسین خاں اردو کے ارتقا میں ان تمام بولیوں کے اثرات کو ڈھونڈنے کی کوشش کی ہے ۔ اور اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ ہریانی نے قدیم اردو کی تشکیل میں حصہ لیا جب کہ کھڑی بولی نے جدید اردو کا ڈول تیار کیا۔ پروفیسر مسعود حسین خاں نے جس نظریے کی تشکیل کی ہے وہ یہ ہے کہ نواح دہلی کی یہ بولیاں اردو کا اصل منبع اور سرچشمہ ہیں ۔

☆ اُردو کے آغاز سے متعلق ایک اور نظریہ اردو اور کھڑی بولی کے لسانی رشتے کا ملتا ہے ۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری ، ڈاکٹر سہیل بخاری اور ان

کے تتبع میں پروفیسر گیان چند جین کھڑی بولی کو اردو کی اصل قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ " اردو کی اصل کھڑی بولی اور صرف کھڑی بولی ہے " کھڑی بولی دہلی اور مغربی یوپی کی بولی ہے ۔شوکت سبزواری، سہیل بخاری سے اتفاق کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ لسانیاتی نقطۂ نظر سے اردو ہندی ، کھڑی بولی ایک ہیں اردو، کھڑی بولی کا وہ روپ ہے جس میں عربی فارسی الفاظ کسی قدر زیادہ اور تت سم سنکرت الفاظ نہیں کے برابر ہیں لیکن اس خصوصیات کے باعث اردو کھڑی بولی سے علاحدہ زبان نہیں ہوجاتی ہے ۔ ڈاکٹر شوکت نے اپنی تصنیف " داستان زبانِ اردو " میں اردو کے آغاز اور ارتقا کے مختلف نظریوں اور اس کے مولدومنشا سے بڑی مدلل اور تفصیلی بحث کی ہے ۔

☆ اردو کے آغاز و ارتقا کے متعلق بعض دلچسپ نظریے پیش کیے گیے ہیں جسے عقلِ سلیم کبھی تسلیم نہیں کرسکتی ہے ۔ ان نظریوں کی کوئی لسانی اہمیت نہیں ہے ۔پاکستان کے جناب فتح محمد ملک اپنی کتاب " اندازِ نظر " کے ایک دلچسپ مضمون " لسانی تحقیق کا سیاسی پہلو " میں اردو کے مختلف روپوں پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اردو نہ تو پنجاب میں پیدا ہوئی نہ سندھ میں ، نہ دکن میں ، نہ دلّی میں بلکہ اردو کی جنم بھومی اڑیسہ ہے اردو ہند آریائی زبان نہیں ہے ۔

دکنی اردو

فتح دہلی 1193 کے پورے ایک سو سال بعد علاء الدین خلجی کی فوجوں کے ساتھ اردو دکن پہنچتی ہے ۔ علاء الدین خلجی نے 1294 میں دیوگری کو فتح کیا اور اس کے فوجی سپہ سالار ملک کافور نے اور کئ کامیاب حملے دکن پر کیے ۔علاء الدین خلجی کے بعد محمد تغلق نے دکن پر چڑھائی کی اور بعض سیاسی اور فوجی مصلحتوں کی بناپر اپنا پایہ تخت دہلی سے دولت آباد (دیوگیری) منتقل کردیا جس کی وجہ سے دہلی کی ایک کثیر آبادی ترکِ وطن کرکے دولت آباد آگئی کچھ عرصے کے بعد جب دارالسلطنت دولت آباد سے پھر دہلی منتقل ہو اتو بہت سے خاندانوں نے وہاں سے واپس جاناپسند نہیں کیا اور وہیں کے ہور ہے ۔جوزبان وہ لوگ اپنے ساتھ دکن لے گئے تھے وہ ابھی ناپختہ تھی اور اپنی نشوونما کے ابتدائی مراحل سے گزر رہی تھی ۔ جب دکن کی خود مختار بہمنی سلطنت کا گلبرگہ میں قیام عمل میں آیا تو اردو کی قدرومنزلت میں بھی اضافہ ہوالیکن اصل قدردانی اسے اس وقت نصیب ہوئی جب بہمنی سلطنت ٹوٹ کر پانچ الگ الگ حصوں میں تقسیم ہوگئی ان میں سے بیجا پور کی عادل سلطنت اور گول کنڈے کی قطب شاہی سلطنت نے اردو کی سرپرستی میں کوئی کمی باقی نہیں چھوڑی۔عادل شاہی اور قطب شاہی دربار سے باہر صوفیوں اور بزرگوں نے بھی اس کی سرپرستی کی اور اسے دین کی تبلیغ و اشاعت کا ذریعہ بنایا۔ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ عوامی سطح پر اس پورے علاقے میں دراوڑ خاندان کی زبانیں بولی جاتی تھیں ۔آج بھی اس علاقے میں دراوڑ

خاندان کی زبانیں مثلاً ملیالم، تلگو، کنڑ اور تمل بولی جاتی ہیں ۔ دکن میں اردو کی ابتدا اور ارتقا سے متعلق بعض محققین نے بڑے غلط اور بے بنیاد نظریات پیش کیے ہیں ۔ جس طرح سید سلیمان ندوی اردو کی جائے پیدائش سندھ قرار دیتے ہیں کیونکہ مسلمان سب سے پہلے سندھ میں داخل ہوئے تھے ۔ اسی طرح بعض اہل علم نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اردو دکن میں پیدا ہوئی کیونکہ عرب تاجر علاقہ سندھ کے علاوہ ساحل مالابار اور کارمنڈل میں نمودار ہوئے تھے ۔ 1ے

دکنی اردو یا اُردوئے قدیم :

کامل وثوق اور قطعیت کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اردو میں دکنی اردو کو اردوئے قدیم کہنے کی رسم کا آغاز کب ہوا۔البتہ اس ضمن میں چند بزرگوں کی کوششیں ضرور سامنے ہیں جن کی بدولت اس نے کافی فروغ پایا ہے ۔ان میں بابائے اردو مولانا عبدالحق کا نام سر فہرست آتا ہے جو اپنی زندگی بھر دکنی زبان کی کتابوں کا سراغ لگاکر ضروری مقدمات ، حواشی اور فرہنگوں کے ساتھ انھیں مرتب کرتے اور انجمن ترقی اردو کی طرف سے شائع کرتے رہے اور اس خیال کو تقویت پہنچاتے رہے کہ یہ کتابیں اردو ئے قدیم کے نمونے ہیں ۔ مولانا نصیر الدین ہاشمی نے اپنی کتاب " دکن میں اردو " میں اس خیال کو نظریے کی حیثیت دے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اردو زبان کا آغاز دکن سے ہوا ہے ۔ اس نظریے کے مدعی مولوی نصیر الدین ہاشمی اپنی کتاب " دکن میں اردو " میں اردو زبان کی روایت کے طور پر دکنی شعرا اور مصنفین کی تصانیف بھی پیش کرتے ہیں ۔لیکن جب ہم اردو زبان کا تجزیہ کرتے ہیں تو اس میں عربی کے چند دخیل الفاظ کے علاوہ عربی زبان کے صوتی، صرفی یا نحوی کسی قسم کے اثرات نہیں ملتے ۔ حالانکہ اس نظریے کی رو سے ان اثرات کی بڑی امید کی جا

سکتی تھی البتہ دکنی ادب میں بیجا پوری زبان کے نقوش ضرور ملتے ہیں لیکن یہ نمونے تو پیش کرتے ہیں لیکن دکن میں اس زبان کی روایت کو ثابت کرنے کے لیے اس کے بدلتے ہوئے روپ پیش نہیں کرتے حالانکہ ادب سے پیشتر زبان کے مختلف نمونوں کا وجود ضروری ہے ۔ یہ کیسے مان لیا جائے کہ وہ جس زبان کا ادب پیش کر رہے ہیں اس میں ابتدا سے ادبی سرمایہ جمع ہونے لگا تھا۔

1۔ ڈاکٹر سہیل بخاری۔ لسانی مقالات، مقتدرہ، قومی زبان، اسلام آباد

دکنی ادب کا آغاز علاؤ الدین خلجی کے حملے کے بعد ہوتا ہے حالانکہ اس کا ذخیرہ تو اس سے بہت پہلے سے جمع ہونا چاہیے تھا، کیوں کہ عرب مسلمانوں کی ساحل مالا بار پر آمدو رفت صدیوں پیشتر سے جاری تھی ۔ آٹھویں صدی عیسوی کے ہندو فلسفی شنکر آچاریہ کے نظریات پر اسلام کا اثر نمایاں ہے ۔ خود اس کے وطن کا راجا بھی مسلمان ہو گیا تھا۔ اگر ہم اس سلسلے میں مولوی صاحب سے اس زمانے کے ادب اور زبان کے نمونوں کا مطالبہ کریں تو شاید بے جا نہ ہوگا۔ لیکن مسلمانوں کے ساحل مالا بار پر اس گہرے اثرات کے زمانے میں جس زبان کی پیدائش کی بجا طور پر توقع کی جا سکتی ہے اس کے ثبوت میں ہاشمی صاحب، علاؤالدین خلجی کے عہد یعنی چار سو سال بعد کے زمانے کا ادب پیش کرتے ہیں ۔ تاریخی حقائق پر نظر ڈالیے تو معلوم ہو گا کہ دکنی ادب بیشتر حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز اور ان کے سلسلے کا مرہون منت ہے اور خواجہ صاحب کافی عمر پا کر دہلی سے ہجرت کر کے دکن گئے تھے ۔ علاؤ الدین خلجی کے حملۂ دکن نے کتنے ہی بزرگوں کی ہجرت کے لیے راستہ صاف کر دیا تھا۔ انھیں حالات کے تحت قدیم دکنی ادب کو لوگ قدیم دہلوی ادب کہتے ہیں ۔

مزید یہ کہ اگر دکنی ادب کا لسانی تجزیہ کیا جائے تو اس میں شمالی ہند کی

بہت سی زبانوں کا حصّہ نظر آجائے گا۔ حافظ محمود شیرانی اسے پنجابی کہتے ہیں اورپروفیسر مسعود حسین خاں پنجابی کے علاوہ اس میں ہریانی اور میواتی کا بھی سراغ لگاتے ہیں اور ان تمام زبانوں کا مرکز شہر دہلی بتاتے ہیں ۔ اس لحاظ سے بھی قدیم دکنی ادب دہلوی ادب ہی ٹھہرتا ہے اور اس ادب میں بیجا پوری زبان کے نقوش بھی نظر آتے ہیں لیکن یہ نقوش بہت کم ہیں ۔ زبان کا پورا ڈھانچہ دہلی میں تیار ہوا ہے خود ملا وجہی " سب رس " کی زبان کو " زبان ہندوستان " کہتے ہیں جس سے ان کی مراد زبان دہلوی ہے ، کیوں کہ آج تک دکن والے شمالی ہندوستان کو ہندوستان ہی کہتے چلے آرہے ہیں ۔ اگر چہ ہندوستان میں اُردو کا آغازبارھویں صدی عیسوی میں عمل میں آیا لیکن اپنے آغاز کے تقریباً سوسال بعد یہ زبان جنوب میں منتقل ہوگئ جہاں اسے پھلنے پھولنے کے زیادہ مواقع دستیاب ہوئے ۔ جیسا کہ ہم نے دیکھا علاء الدین خلجی کی فوجوں کے بعد دکن کی جانب سب سے زیادہ نقلِ وطن محمد بن تغلق کے عہد میں ہوا۔ جس نے اپنا دارالخلافہ دہلی کے بجائے دولت آباد (دیوگری) کو بنایا۔ نقل آبادی کے ساتھ ساتھ زبان کی منتقلی بھی لازمی تھی۔ چنانچہ وہی دہلوی زبان یا ریختہ یا ہندوی جو دلّی کے گلی کوچوں اور بازاروں میں بولی جاتی تھی، دکن پہنچ گئی اور وہاں ایک مخصوص ڈھنگ سے ترقی کرنے لگی۔ مراٹھی اور دراوڑی زبانوں کے درمیان نشونما پانے کے باعث اس میں مقامی اثرات کافی حدتک شامل ہوگئے ۔دکن میں محمد بن تغلق کی حکومت کے بعد بہمنی حکومت اور اس کے بعد وہاں کی خودمختار حکومتوں کے بادشاہوں نے اردو زبان کی دل کھول کر سرپرستی کی۔ دکنی اردو کالسانی تجزیہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ایک تو شور سینی زمرے کی زبانوں پنجابی، ہریانی، میواتی اور راجستھانی کے روپ ملتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی سیاسی فتوحات اور تبلیغی

تحریکات کے ساتھ ساتھ زبان دہلی پنجابی اور ہریانی وغیرہ مسلسل دکن کو سفر کرتی رہی ہیں ۔ دوسری طرف دکنی اردو کے بیجا پوری نقوش مقامی اثرات کی غمازی کرتے ہیں کیوں کہ بیجا پور مہاراشٹری اپ بھرنس کے علاقے میں واقع ہے اور یوں دکنی اردو شورسینی اور مہاراسٹری اپ بھرنسوں کا آمیزہ نظر آتی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ دکنی اردو کی بعض لسانی خصوصیات شور سینی زمرے کی زبانوں پنجابی، ہریانی، میواتی اور راجستھانی سے مشابہ ہیں تو دوسری جانب مہاراشٹری اپ بھرنسوں کے اثرات نظر آتے ہیں ۔ اسی جزوی مشابہت کی بنا پر دکنی اردو کو بعض اوقات اردوئے قدیم کہا جاتا ہے ۔ دونوں کی اس مشابہت کی تفصیل و توجیہ مندرجہ ذیل ہے ۔

دکنی اردو کی صوتی خصوصیات :

ڈاکٹر خطیب مصطفی نے اپنی کتاب A Descriptive Grammar of Dakkhini میں دکنی کی صوتی خصوصیات کی وضاحت کرتے ہوئے دکنی کے 66 فونیم کی نشان دہی کی ہے ۔ان فونیم میں 43 فونیم کو مصمتی فونیم کا درجہ حاصل ہے ۔دکنی کے ان مصمتی فونیم میں معیاری اردو کی آواز / ق / کو شامل نہیں کیا گیا ہے کیوں کہ دکنی اردو میں / ق / کی آواز / خ / میں تبدیل ہو جاتی ہے ۔ اور اس طرح معیاری اردو کے وہ الفاظ جن میں "ق" کا استعمال ہوتا ہے دکنی اردو میں ان کی ادائیگی "خ" سے ہوتی ہے ۔

معیاری اردو دکنی اردو

قرض خرض

قطرہ خطرہ

دکنی میں ہکاریت :

دکنی اردو کے کثیر تعداد الفاظ کی ہکاری آوازیں اردو ہی کی طرح غیر ہکاری میں تبدیل ہوجاتی ہیں ۔ مثلاً راک (راکھ) ، باندیا (باندھا)، سکی (سکھی)، تج (تجھ)، منج (مجھ)، سات (ساتھ)، ہات (ہاتھ)۔ یہ تبدیلی کچھ حد تک دوسری زبانوں میں بھی ملتی ہے کیوں کہ عہد قدیم میں ہندوستان کی سبھی زبانیں ایرانی تلفظ سے متاثر ہوئی تھیں البتہ فارسی رسم الخط میں لکھی جانے والی زبانوں اردو اور دکنی اردو میں رسم الخط کے باعث یہ اشتراک ذرا زیادہ نمایاں نظر آتا ہے لیکن غور سے دیکھا جائے تو دکنی میں یہ لَے اردو سے کہیں زیادہ بڑھی ہوئی ہے ۔ یعنی دکنی اردو کا مزاج غیر ہکاریت کا مزاج ہے ۔

طویل مصوتے :

مہاراشٹری لہجے کی وہ خصوصیت جس میں حروف علت یا بہ الفاظ دیگر طویل مصوتے دب کر مختصر ہو جاتے ہیں آج اردو، مرہٹی اور دکنی تینوں زبانوں میں ملتی ہے لیکن اس باب میں بھی دکنی اردو، اردو سے کہیں آگے نظر آتی ہے ۔یہی وجہ ہے کہ اس میں بہتر(بہیتر)، مٹھا(میٹھا)، دکھے (دیکھے) جیسے روپ بہ کثرت ملتے ہیں جو اردو میں اب تک طویل حروف علت یا بہ الفاظ دیگر طویل مصوتے کے ساتھ نظر آتے ہیں ۔

اسما و صفات و افعال کا خاتمہ ” آ “ پر :

دکنی اور اردو میں اسما و صفات و افعال کا خاتمہ ” آ “ پر ہوتا ہے اس لیے خاتمہ الفاظ دونوں کو متحد الاصل ثابت کرنے کے لیے دلیل محکم ہے ۔ جب کہ برج میں اسما و صفات و افعال کا خاتمہ ” او “ پر ہوتا ہے ۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہ لسانی خصوصیت اردو اور دکنی زبانوں کے علاوہ پنجابی اور ہریانی میں بھی ملتی ہے یعنی یہ خصوصیات مہاراشٹری اور شورسینی دونوں ہی پراکرتوں میں پائی جاتی ہیں پھر بھی خاتمہ الفاظ دونوں کو متحد

الاصل ثابت کرنے کے لیے دلیل محکم بن سکتا ہے ۔ان تفصیلات سے اندازہ ہوتا ہے کہ دکنی کی بعض صوتی خصوصیات دکنی اور اردو میں یکساں طور پر ملتی ہیں جب کہ بعض صوتی خصوصیات صرف دکنی میں پائی جاتی ہیں ۔

دکنی کی صرفی و نحوی خصوصیات :

دکنی کی صوتی خصوصیات کی طرح دکنی کی بعض صرفی ونحوی خصوصیات دکنی کو اردو سے مختلف ثابت کرتی ہیں ۔ دونوں میں ایسے کثیر صرفی و نحوی اختلافات ملتے ہیں جو دکنی پر علاقائی اثرات ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں ۔ چنانچہ ذیل میں دونوں زبانوں کے چند نمایاں صرفی و نحوی اختلافات پیش کیے جاتے ہیں جو دکنی اردو پر علاقائی اثرات کو ثابت کرتے ہیں ۔

اُردو اور دکنی کی ضمیریں مختلف ہیں :

اردو

دکنی

ہم

ہمن (برج بھاشا ہمن) ، ہمنا

تو

توں (پنجابی)

تم

تمن (برج بھاشا)، تمنا

یہ

یو (ہریانی)، یے ، اِے (پنجابی)

وہ

وو (ہریانی)، اُو (پنجابی)

اُس

تِس (ہریانی)

جو

جِے

دکنی اردو میں علامت فاعلی :

اردو کی علامت فاعلی " نے " دکنی اردو میں نہیں ملتی۔ " نے " بعض قدیم دہلوی شاعروں کے یہاں بھی غائب ہے ۔ مثلاً :

رات ہم ہجر کی دولت سے مزہ لوٹا ہے

یہ دہلوی محاورے کا اثر ہے کیوں کہ دہلی کی ہریانی زبان میں بھی " نے "کا استعمال نہیں ہوتا۔

دکنی میں جمع کا لاحقہ :

اردو میں اسما کو جمع بنانے کے لیے بالعموم لاحقہ " ے "کا استعمال ہوتا ہے جب کہ دکنی میں لاحقہ '' آں "کا استعمال ملتا ہے ۔ دکنی لاحقہ " آں " دکنی میں مذکر و مؤنث دونوں اسما کی جمع کے لیے مستعمل ہے ۔ مثلاً :

آنکھ سے انکھاں ،

جنس سے جنساں ،

بات سے باتاں ،

کتاب سے کتاباں ،

مرد سے مرداں ،

چمن سے چمناں وغیرہ

بلکہ اس لاحقے کا استعال علامت اضافت اور معاون فعل تک جا پہنچا ہے ۔ مثلاً :

" معراج کیاں نشانیاں (" معراج العاشقین)

" دبا ... سب کو نادر جو تھیاں نعمتاں (" قصہ ملکہ مصر از عاجز)

اردو میں اسما کو جمع بنانے کے لیے لاحقہ " آت " کا استعمال ہوتا ہے لیکن اس کا استعمال محدود ہے ۔دکنی میں " آت " کا استعمال بعض ایسے الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے جن میں اردو میں " آت " کا استعمال نہیں ہوتا۔ مثلاً :

زمین زمینات

دکنی صفت :

اردو میں صفت مؤنث غیر منصرف ہوتی ہے لیکن دکنی میں موصوف کے مطابق آتی ہے ۔مثلاً اردو میں لال مرچ، لال مرچیں ، کالی مرچ، کالی مرچیں ، لیکن دکنی میں موصوف کے مطابق آتی ہیں ۔ مثلاً : اتیاں میریاں باتاں (معراج العاشقین)۔

عوامل و لواحق :

اردو اور دکنی میں عوامل و لواحق بھی مختلف ہیں ۔ مثلاً :

سے ، تے تھے ، تھیں (پنجابی = برج بھاشا نے = گجراتی، ملتانی تھیں)

سو (برج بھاشا = پنجابی اوں)

سَیں (برج بھاشا)

ستے ، سیتی، ستیں ، توں

تک، تلک لگ، تلگ

پَہ (پر) پَو

میں ماں ، موں (مرہٹی)، منے ، منیں

کُو کوں (برج بھاشا، راجستھانی وغیرہ)

کا، کی، کے کیرا، کیری

سا (مانند) سارا، نمن نمنے

دکنی میں تاکید :

(6 (دکنی میں تاکید کے لیے لفظ کے آخر میں چ، یچ ایچ =)
پراکرت ایچ) کا اضافہ ہو جاتا ہے ۔ جیسے -:

میں سے میچ

اکیلا سے اکیلاچ اور اکیلایچ،

اپنا سے اپنایچ اور اپنا یچ ،

ایک سے ایکچ

دکنی کا یہ لاحقہ اردو میں نہیں ملتا بلکہ اس کی جگہ لفظ " ہی ("
پراکرت ای) لگایا جاتا ہے جیسے

اب = (قدیم ابھ) سے ابھی = (ابھ + ای) ،

کس سے کسی =) کس + ای) وغیرہ۔

اردو دکنی کے کچھ متعلقات فعل اور صفات :

اردو اور اردو دکنی کے کچھ متعلقات فعل اور صفات وغیرہ بھی مختلف
ہیں ۔ مثلاً :

اردو

دکنی

پاس

کن، کنے (راجستھانی، ہریانی)، نیڑے (پنجابی)

آگے

اگل (غالباً مرہٹی)، اگن، آگو (برج بھاشا) ، انگیں ، انگھے

نیچے

تل (پنجابی)

اُوپر

اُپر، آپرال(مرہٹی)

کبھی

کدھی، کدھیں (ہریانی)

نہ

نا، نکو

نہیں

نیں =) پنجابی نئیں)

اتنا، جتنا، کتنا وغیرہ

اِتا، ایتا، جتا، جیتا، کتا، کیتا وغیرہ کتک، کیتک (مرہٹی، برج بھاشا)

دکنی میں ہور :

دکنی میں اردو عطفہ " اور " کی جگہ پنجابی کا " ہور " ملتا ہے۔

اور ہور

دکنی میں ہو :

) 9 (اردو کے مادہ " ہو)" ہونا) کی جگہ دکنی میں گجراتی (شورسینی پراکرت) کا " اچھ " ملتا ہے۔ چنانچہ

اردو ہو = دکنی اچھو

اردو ہوں = دکنی اچھوں وغیرہ۔

دکنی کی لفظیات :

دکنی کے الفاظ جوں کے توں یا قدرے تغیر کے ساتھ اردو میں بھی ملتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اردو اور پنجابی یا ہریانی دغیرہ میں بھی بہت سے الفاظ مشترک ہیں۔ چنانچہ جب ایسے الفاظ جو دہلی سے دکن پہنچے ہیں اردو میں بھی نظر آتے ہیں تو دکنی پر اردو ئے قدیم ہونے کا

اندازہ درست لگتا ہے ۔ اس قدر مشترک کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اردو کی طرح دکنی اردو پر بھی شور سینی کے اثرات واضح طور پر نظر آتے ہیں ۔ اس لیے اس کے بہت سے الفاظ اس علاقے کی دوسری زبانوں میں بھی ملتے ہیں ۔ اس لحاظ سے ان کا دکنی کے مقامی بیجا پوری جزو میں بھی نظر آجانا ایک فطری بات ہے ۔ مثلاً مہاراشٹری پراکرت اور اپ بھرنش کا اسم فاعل جو مصدر پر ''آر'' کے اضافے سے بنتا تھا آج اردو، مرہٹی اور دکنی تینوں زبانوں میں مشترک پایا جاتا ہے ۔ اردو اور دکنی میں اس کا روپ ہائے حشوی کے اندراج کے باعث ''آر'' سے ''ہار'' ہوگیا ہے لیکن مرہٹی یا مراٹھی میں قدیم روپ بہ دستور چلا آرہا ہے جیسے مراٹھی مرنار، ہونار وغیرہ ۔ دکنی اردو میں یہ الفاظ مرنھار، اور ہونہار ہو جاتے ہیں لیکن دکنی اردو میں جو شور سینی اور مہاراشٹری کے آمیزش ہوئی اس کے نتیجے میں یہ زبان کچھ ایسے روپ بھی پیش کرتی ہے جیسے سٹنھار (ڈالنے والا)، اچھنھار (ہونے والا) جن میں سٹنا اور اچھنا پنجابی ہریانی وغیرہ کے الفاظ ہیں اور ''ہار (''قدیم ''آر('' کا لاحقہ خالص مہاراشٹری پراکرت کا ہے ۔ یہ لسانی خصوصیت بالخصوص دکنی اردو میں نظر آتی ہے ۔ اردو زبان میں اس قسم کے مخلوط روپ سرے سے ناپید ہیں ۔

رسم الخط :

دکنی اردو اور اردو دونوں ہی فارسی رسم الخط میں لکھی جاتی ہیں ۔ ان دونوں زبانوں کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ اس کے نہایت قدیم نمونے فارسی رسم الخط میں پائے جاتے ہیں ۔ مسلمانوں کی آمد پر جہاں ہندو پاک کی اور زبانیں فارسی رسم الخط میں منتقل ہوئیں وہاں اردو اور دکنی بھی فارسی رسم الخط میں لکھی جانے لگیں ۔

دکنی میں اوزان و بحور :

مسلمانوں کی آمد سے قبل تمام دیسی زبانوں میں نظم گوئی کے لیے دیسی اوزان و بحور کا استعمال ہوتا تھا لیکن جب اس بر صغیر میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ان کی زبان فارسی کا بھی عمل دخل شروع ہوا تو اردو اور دکنی دونوں کی نظم فارسی عروض کے سانچے میں ڈھل گئی اور یوں لوگوں کو دونوں میں مشابہت کا ایک دوسرا پہلو بھی نظر پڑا۔ چنانچہ وہ خیال جو کہ دوسری لسانی قدر مشترک سے پیدا ہوا تھا دکنی کے اوزان و بحور سے اور زور پکڑ گیا۔

لسانی اور صوری مشابہت کی ان خصوصیات سے قطع نظر جنھیں مطالعہ لسان میں کوئی اہمیت اس لیے نہیں دی جا سکتی کہ یہ ایک خاص وقت کے بعد ان زبانوں میں پیدا ہوئی ہیں ان میں کچھ ایسی باتیں بھی مشترک نظر آتی ہیں جو واقعی اپنی جگہ بنیادی اور اہم ہیں۔

مندرجہ بالا مشترک خصوصیات کے باعث اردو اور دکنی میں کسی قریبی رشتے یا تعلق کا اندازہ ہوتا ہے :

) 1 (اردو کے بہت سے مادے دکنی میں برج بھاشا اور گجراتی وغیرہ کی طرح اشباع حرکت کے ساتھ مستعمل ہیں۔ مثلاً :

لگنا = دکنی لاگنا، اردو چکھنا = دکنی چاکھنا وغرہ۔

) 2 (اردو کا حالیہ تمام مادے پر " آ " لگانے سے اور دکنی کا حالیہ تمام پنجابی کی طرح مادے پر " یا " بڑھانے سے بنتا ہے جیسے اردو کہا، دکنی کہیا، اردو دیکھا، دکنی دیکھیا، اردو پکڑا، دکنی پکڑیا وغیرہ۔ اس کے علاوہ پنجابی حالیوں کے دوسرے روپ کیتا =) اردو کیا)، لیتا =) اردو لیا) بھی دکنی میں عام ہیں۔ دکنی میں بعض ایسے روپ بھی ملتے ہیں جو معلول الاواخر مادوں پر لاحقہ حالیہ اضافہ کرنے سے قبل ایک کسرہ (زیر) بڑھا کر بنائے گئے ہیں جیسے آئیا، کھائیا (اردو آیا، کھایا) وغیرہ۔ ایسے روپ گروگرنتھ صاحب

کی گورمکھی تحریر میں عام لیکن اردو میں سرے سے ناپید ہیں ۔ مثال میں غواصی کے " طوطی نامے " کا ایک شعر درج کیا جاتا ہے :

وہ چوراں سو تم ہیں خدا نا گھاں
لے کر آئیا کھینچ تمنا یہاں

) 3 (اردو علامت معطوفہ " کے " یا " کر " کی جگہ دکنی میں " کو " ملتی ہے جیسے اردو کرکے ، دکنی کر کو، اردو ہوکر، دکنی ہوکو، اردو دے کر ، دکنی دے کو، اردو لے کر، دکنی لے کو اردو سمجھا کے (کر)، دکنی سمجھا کو وغیرہ۔

) 4 (اردو معاون فعل حال " ہے " کی جگہ دکنی میں " اہے (" مرہٹی) اور " اچھے (" گجراتی) کے روپ ملتے ہیں اور اردو معاون فعل ماضی " تھا " کے ساتھ ساتھ " اتھا " کا روپ بھی بہ کثرت مستعمل ہے جب کہ " اہے " اور " اتھا " اردو میں کسی عہد میں نظر نہیں آتے ۔

) 5 (اردو میں صرف ایک لاحقہ مستقبل " گا " ملتا ہے لیکن دکنی میں پنجابی علامت مستقبل " سے " بھی مستعمل ہے جیسے اردو ہو گا، دکنی ہو سے ، اردو کرے گا، دکنی کر سے وغیرہ۔

) 6 (اردو میں صرف ایک علامت مصدر " نا " مادے پر اضافہ کی جاتی ہے ۔ لیکن دکنی میں پنجابی کی طرح دو مصدر لاحقے " ان " اور پھرنا، دکنی پھرن، پھرنا، دکنی کے یہ دونوں لاحقے مرہٹی میں بھی عام ہیں ۔

) 7 (دکنی میں شور سینی زمرے کی زبانوں کے ایسے بہت سے مصادر مستعمل ہیں جن سے اردو زبان قطعی نا آشنا ہے ۔ مثلاً سٹنا (ڈالنا، پھینکنا، پنجابی) ، کاڑنا(نکالنا، پنجابی)، بینا (بیٹھنا = گجراتی بیسووں) ، دسنا (نظر آنا، گجراتی دسووں چنانچہ شورسینی پراکرت دی سدی بہ معنی وہ نظر آتا ہے) ، گھالنا (ڈالنا، ہریانی، راجستھانی)، لانا (لگانا، پنجابی وغیرہ)، لڑکا (کاٹنا، پنجابی)،

لوڑنا (طلب کرنا، پنجابی)، نسنا (بھاگنا، پنجابی، ملتانی وغیرہ)۔

8) برج بھاشا، اودھی، پنجابی، گجراتی اور مرہٹی کی طرح دکنی میں بھی معلول الا واخر مادوں پر حالیہ ناتمام یا مصدر لاحقہ لگانے سے قبل (پیش) کا اضافہ بھی کر دیا جاتا ہے جیسے ہوونا، دھووتا، پیونا، کھاونا وغیرہ۔ لیکن اردو معلول الاواخر مادوں پر پیش یا زیر لگانے کا کوئی رجحان کسی عہد میں کہیں نظر نہیں آتا۔

9) دکنی میں بعض نہایت قدیم روپ بھی پائے جاتے ہیں جو اردو والوں کے لیے بالکل اجنبی، نامانوس اور ناقابل فہم ہیں ۔ مثلاً: پھاڑ (ٹکڑا، حصہ)، پہاڑ (پہاڑی)، دھک (دہک، آنچ)، دھکنا(دہکنا، آگ کا روشن ہونا)، اندھارا (اندھیرا)، بہو (بہت)، دھانا (دھیانا، یاد کرنا، نام لینا)، دھات (طریقہ، طرح)، بھار (باہر)، دھن (معشوقہ)، کدھن (سمت، طرف) وغیرہ۔ بعض ایسے الفاظ ہیں جو دوسری زبانوں میں اب بھی ملتے ہیں ۔ مثلاً واویلا (پنجابی ویلا بہ معنی فارغ)، ویس (غالباً گجراتی بہ معنی ون)، وہیر (برج بھاشا ہیر بمعنیوقت)، موں (مرہٹی بہ معنی منہ)، دوجا (برج بھاشا اور پنجابی بمعنی دوسرا)، ایگیارہ (بنگالی بہ معنی گیارہ)، تروار (برج بھاشا بہ معنی تلوار)، تین (ہریانی تیئں = راجستھانی تائیں)، ماپنا (پنجابی بہ معنی ناپنا)، منجھار (درمیان) وغیرہ۔ نزدیک اور زیاستی کو میں نے یوپی کے عوام سے نجیک جیاستی سنا ہے اور بھگتوں کے کلام میں بھیبہ روپ دیکھے ہیں، دیک (دیکھ)، اوک (بہت)، پرت (غالباً پریت)، باج (بغیر)، پکڑ (دھیان، یاد)، ککر، انگنا یک وغیرہ بہت سے ایسے اجنبی لفظ ہیں جن سے کان آشنا نہیں ہیں اور نہ یہ اردو زبان میں لکھے بولے جاتے ہیں ۔

10) اردو اور دکنی نحوی ترتیب میں بھی اختلاف ملتا ہے ۔ مثلاً:

دکنی (معراج العاشقین) اللہ محمد باتاں کرنے عشق کوں بلائے

اردو اللہ محمد نے باتیں کرنے (کے لیے) عشق کو بلایا
دکنی حضرت دودھ پیے ہور عرض کیے
اردو حضرت نے دودھ پیا اور عرض کیا

باب کا خلاصہ :

☆ فتح دہلی 1193 کے پورے ایک سوسال بعد علاء الدین خلجی کی فوجوں کے ساتھ اردو دکن پہنچتی ہے ۔ علاء الدین خلجی نے 1294 میں دیوگری کو فتح کیا اور اس کے فوجی سپہ سالار ملک کافور نے اور کئی کامیاب حملے دکن پر کیے ۔علاء الدین خلجی کے بعد محمد تغلق نے دکن پر چڑھائی کی اور بعض سیاسی اور فوجی مصلحتوں کی بنا پر اپنا پایہ تخت دہلی سے دولت آباد (دیوگیری) منتقل کر دیا جس کی وجہ سے دہلی کی ایک کثیر آبادی ترکِ وطن کر کے دولت آباد آگئی ۔کچھ عرصے بعد جب دارالسلطنت دولت آباد سے پھر دہلی میں منتقل ہوا تو بہت سے خاندانوں نے وہاں سے واپس جانا پسند نہیں کیا اور وہیں کے ہو رہے ۔جو زبان وہ لوگ اپنے ساتھ دکن لے گئے تھے وہ ابھی ناپختہ تھی اور اپنی نشوونما کے ابتدائی مراحل سے گذر رہی تھی ۔

☆ جب خود مختار بہمنی سلطنت کا گلبرگہ میں قیام عمل میں آیا تو اردو کی قدرومنزلت میں بھی اضافہ ہوا لیکن اصل قدردانی اسے اس وقت نصیب ہوئی جب بہمنی سلطنت ٹوٹ کر پانچ الگ الگ حصوں میں تقسیم ہوگئی ان میں سے بیجا پور کی عادل سلطنت اور گول کنڈے کی قطب شاہی سلطنت نے اردو کی سرپرستی میں کوئی کمی باقی نہیں چھوڑی۔عادل شاہی اور قطب شاہی دربار سے باہر صوفیوں اور بزرگوں نے بھی اس کی سرپرستی کی اور اسے دین کی تبلیغ و اشاعت کا ذریعہ بنایا ۔

☆ کامل وثوق اور قطعیت کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اردو میں

دکنی اردو کو اردوئے قدیم کہنے کا آغاز کب ہوا۔البتہ اس ضمن میں چند بزرگوں کی کوششیں ضرور سامنے ہیں جن کی بدولت اس نے کافی فروغ پایا ہے ۔ان میں بابائے اردو مولانا عبدالحق کا نام سر فہرست آتا ہے جو زندگی بھر دکنی زبان کی کتابوں کا سراغ لگا کر ضروری مقدمات ، حواشی اور فرہنگوں کے ساتھ انہیں مرتب کرتے اور انجمن ترقی اردو کی طرف سے شائع کرتے رہے اور اس خیال کو تقویت پہنچاتے رہے کہ یہ کتابیں اردو ئے قدیم کے نمونے ہیں ۔ مولانا نصیر الدین ہاشمی نے اپنی کتاب ” دکن میں اردو “ میں اس خیال کو نظریے کی حیثیت دے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اردو زبان کا آغاز دکن سے ہوا ہے ۔ لیکن دکنی ادب کا آغاز علاؤ الدین خلجی کے حملے کے بعد ہوتا ہے حالاں کہ اس کا ذخیرہ تو اس سے بہت پہلے سے جمع ہونا چاہیے تھا، کیونکہ عرب مسلمانوں کی ساحل مالا بار پر آمدو رفت صدیوں پیشتر سے جاری تھی۔ تاریخی حقائق پر نظر ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ دکنی ادب بیشتر حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز اور ان کے سلسلے کا مرہون منت ہے اور خواجہ صاحب کافی عمر پاکر دہلی سے ہجرت کرکے دکن گئے تھے ۔ علاؤ الدین خلجی کے حملۂ دکن نے کتنے ہی بزرگوں کی ہجرت کے لیے راستہ صاف کر دیا تھا۔ انھیں حالات کے تحت قدیم دکنی ادب کو لوگ قدیم دہلوی ادب کہتے ہیں ۔

☆ مزید یہ کہ اگر دکنی ادب کا لسانی تجزیہ کیا جائے تو اس میں شمالی ہند کی بہت سی زبانوں کا حصّہ نظر آجائے گا۔ حافظ محمود شیرانی اسے پنجابی کہتے ہیں اورپروفیسر مسعود حسین خاں پنجابی کے علاوہ اس میں ہریانی اور میواتی کا بھی سراغ لگاتے ہیں اور ان تمام زبانوں کا مرکز شہر دہلی بتاتے ہیں ۔ اس لحاظ سے بھی قدیم دکنی ادب دہلوی ادب ہی ٹھہرتا ہے ۔ اور اس ادب میں بیجا پوری زبان کے نقوش بھی نظر آتے ہیں لیکن یہ نقوش

بہت کم ہیں ۔ زبان کا پورا ڈھانچہ دہلی میں تیار ہوا ہے خود ملا وجہی " سب رس " کی زبان کو " زبان ہندوستان " کہتے ہیں جس سے ان کی مراد زبان دہلوی ہے ۔ کیوں کہ آج تک دکن والے شمالی ہندوستان کو ہندوستان ہی کہتے چلے آرہے ہیں ۔

☆ ڈاکٹر خطیب مصطفے اپنی کتاب A Descriptive Grammar of Dakkhini میں دکنی کی صوتی خصوصیات کی وضاحت کرتے ہوئے دکنی کے 66 فونیم کی نشان دہی کرتے ہیں ۔ان فونیم میں 43 فونیم کو مصمتی فونیم کا درجہ حاصل ہے ۔دکنی کے ان مصمتی فونیم میں معیاری اردو کی آواز / ق / کو شامل نہیں کیا گیا ہے کیونکہ دکنی اردو میں / ق / کی آواز / خ / میں تبدیل ہوجاتی ہے ۔ اور اس طرح معیاری اردو کے وہ الفاظ جن میں " ق " کا استعمال ہوتا ہے دکنی اردو میں ان کی ادائیگی " خ " سے ہوتی ہے ۔

معیاری اردو دکنی اردو

قرض خرض

قطرہ خطرہ

☆ دکنی اردو کے کثیر تعداد الفاظ کی ہکاری آوازیں اردو ہی کی طرح غیر ہکاری میں تبدیل ہوجاتی ہیں ۔ مثلاً راک (راکھ)، باندیا (باندھا)، سکی (سکھی)، تج (تجھ)، منج (مجھ)، سات (ساتھ)، ہات (ہاتھ)۔ یہ تبدیلی کچھ حد تک دوسری زبانوں میں بھی ملتی ہے کیوں کہ عہد قدیم میں ہندوستان کی سبھی زبانیں ایرانی تلفظ سے متاثر ہوئی تھیں البتہ فارسی رسم الخط میں لکھی جانے والی زبانوں اردو اور دکنی اردو میں رسم الخط کے باعث یہ اشتراک ذرا زیادہ نمایاں نظر آتا ہے لیکن غور سے دیکھا جائے تو دکنی میں یہ لَے اردو سے کہیں زیادہ بڑھی ہوئی ہے ۔ یعنی دکنی اردو کا مزاج

غیر ہکاریت کا مزاج ہے ۔

☆ مہاراشٹری لہجے کی وہ خصوصیت جس میں حروف علت یا بہ الفاظ دیگر طویل مصوتے دب کر مختصر ہو جاتے ہیں آج اردو، مرہٹی اور دکنی تینوں زبانوں میں ملتی ہے لیکن اس باب میں بھی دکنی اردو، اردو سے کہیں آگے نظر آتی ہے ۔یہی وجہ ہے کہ اس میں بہتر (بھیتر)، مٹھا(میٹھا)، دکھے (دیکھے) جیسے روپ بہ کثرت ملتے ہیں جو اردو میں اب تک طویل حروف علت یا بہ الفاظ دیگر طویل مصوتے کے ساتھ نظر آتے ہیں ۔

☆ دکنی اور اردو میں اسما و صفات و افعال کا خاتمہ ''آ'' پر ہوتا ہے اس لیے خاتمہ الفاظ دونوں کو متحد الاصل ثابت کرنے کے لیے دلیل محکم ہے ۔ جب کہ برج میں اسما و صفات و افعال کا خاتمہ ''او'' پر ہوتا ہے ۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہ لسانی خصوصیت اردو اور دکنی زبانوں کے علاوہ پنجابی اور ہریانی میں بھی ملتی ہے یعنی یہ خصوصیات مہاراشٹری اور شورسینی دونوں ہی پراکرتوں میں پائی جاتی ہے پھر بھی خاتمہ الفاظ دونوں کو متحد الاصل ثابت کرنے کے لیے دلیل محکم بن سکتا ہے ۔ان تفصیلات سے اندازہ ہوتاہے کہ دکنی کی بعض صوتی خصوصیات دکنی اور اردو میں یکساں طور پر ملتی ہیں جب کہ بعض صوتی خصوصیات صرف دکنی میں پائی جاتی ہیں ۔

☆ دکنی کی صوتی خصوصیات کی طرح دکنی کی بعض صرفی ونحوی خصوصیات دکنی کو اردو سے مختلف ثابت کرتی ہے ۔ دونوں میں ایسے کثیر صرفی و نحوی اختلافات ملتے ہیں جو دکنی پر علاقائی اثرات ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں ۔ چنانچہ ذیل میں دونوں زبانوں کے چند نمایاں صرفی و نحوی اختلافات پیش کیے جاتے ہیں جو دکنی اردو پر علاقائی اثرات کو ثابت کرتے ہیں ۔ اردو اور دکنی کی ضمیریں مختلف ہیں :

اردو دکنی

ہم ہمن (برج بھاشا ہمن) ، ہمنا

تو توں (پنجابی)

تم تمن (برج بھاشا)، تمنا

یہ یو (ہریانی(، یے ، اِے) پنجابی)

وہ وو (ہریانی)، اُو (پنجابی)

اُس تِس (ہریانی)

جو جے

اَپ اَپن، اَپین

میرا مُو

☆ اُردو کی علامت فاعل " نے " دکنی اردو میں نہیں ملتی ۔ " نے " بعض قدیم دہلوی شاعروں کے یہاں بھی غائب ہے ۔ مثلاً :

رات ہم ہجر کی دولت سے مزہ لوٹا ہے

یہ دہلوی محاورے کا اثر ہے کیوں کہ دہلی کی ہریانی زبان میں بھی " نے "کا استعمال نہیں ہوتا۔

☆ اُردو میں اسما کو جمع بنانے کے لیے بالعموم لاحقہ "ے "کا استعمال ہوتا ہے جبکہ دکنی میں لاحقہ " آں "کا استعمال ملتا ہے ۔ دکنی لاحقہ " آں " دکنی میں مذکر و مؤنث دونوں اسما کی جمع کے لیے مستعمل ہے ۔ مثلاً :

آنکھ سے انکھاں ،

جنس سے جنساں ،

پھول سے پھولاں ،

بات سے باتاں ،

رات سے راتاں ،

بلکہ اس لاحقے کا استعال علامت اضافت اور معاون فعل تک جا پہنچا ہے ۔ مثلاً :

" معراج کیاں نشانیاں (" معراج العاشقین)

"دبا ... سب کو نادر جو تھیاں نعمتاں (" قصہ ملکہ مصر از عاجز)

اردو میں اسما کو جمع بنانے کے لیے لاحقہ " آت " کا استعمال ہوتا ہے لیکن اس کا استعمال محدود ہے ۔دکنی میں " آت " کا استعمال بعض ایسے الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے جن میں اردو میں " آت " کا استعمال نہیں ہوتا۔ مثلاً :

زمین زمینات

☆ اردو میں صفت مؤنث غیر منصرف ہوتی ہے لیکن دکنی میں موصوف کے مطابق آتی ہے مثلاً اردو میں لال مرچ، لال مرچیں ، کالی مرچ، کالی مرچیں ، لیکن دکنی میں موصوف کے مطابق آتی ہیں ۔ مثلاً :

اتیاں میریاں باتاں (معراج العاشقین)۔

☆ اردو اور دکنی میں عوامل و لواحق بھی مختلف ہیں ۔ مثلاً :

سے ، تے ،تھے ، تھیں (پنجابی = برج بھاشانے =گجراتی،ملتانی تھیں)

سو (برج بھاشا = پنجابی اوں)

سَیں (برج بھاشا)

ستے ، سیتی، ستیں ، توں

تک، تلک لگ، تلگ

پَہ (پر) پَو

میں ماں ، موں (مرہٹی)، منے ، منیں

کُو کوں (برج بھاشا، راجستھانی وغیرہ)

کا، کی، کے کیرا، کیری

سا (مانند) سارا۔ نمن نمنے

☆ دکنی میں تاکید کے لیے لفظ کے آخر میں چ، ہچ اچ =) پراکرت اچ) کا اضافہ ہو جاتا ہے ۔ جیسے -:

میں سے میچ

اکیلا سے اکیلاچ اور اکیلاہچ

اپنا سے اپناچ اور اپنا ہچ

ایک سے ایکچ

دکنی کا یہ لاحقہ اردو میں نہیں ملتا بلکہ اس کی جگہ لفظ " ہی ("

پراکرت ای) لگایا جاتاہے جیسے :

اب = (قدیم ابھ) سے ابھی = (ابھ + ای) ،

کس سے کسی =) کس + ای) وغیرہ۔

☆ اردو اور اردو دکنی کے کچھ متعلقات فعل اور صفات وغیرہ بھی مختلف ہیں ۔ مثلاً :

اردو

دکنی

پاس

کن، کنے (راجستھانی، ہریانی)، نیڑے (پنجابی)

آگے

اگل (غالباً مرہٹی)، اگن، آگو (برج بھاشا) ، انگیں ، انگھے

نیچے

تل (پنجابی)

اُوپر

اُپر، آپرال (مرہٹی)

کبھی

کدھی، کدھیں (ہریانی)

نہ

نا، نکو

نہیں

نیں =) پنجابی نئیں)

اتنا، جتنا، کتنا وغیرہ

اِتا، ایتا، جتا، جیتا، کتا، کتیا وغیرہ کتک، کیتک (مرہٹی، برج بھاشا)

☆ دکنی میں اردو عطفہ "اور" کی جگہ پنجابی کا "ہور" ملتا ہے۔

اور ہور

☆ اردو کے مادہ "ہو" (ہونا) کی جگہ دکنی میں گجراتی (شورسینی پراکرت) کا "اچھ" ملتاہے۔ چنانچہ

اردو ہو = دکنی اچھو

اردو ہوں = دکنی اچھوں وغیرہ۔

☆ دکنی کے الفاظ جوں کے توں یا قدرے تغیر کے ساتھ اردو میں بھی ملتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اردو اور پنجابی یا ہریانی دغیرہ میں بھی بہت سے الفاظ مشترک ہیں۔ چناں چہ جب ایسے الفاظ جو دہلی سے دکن پہنچے ہیں اردو میں بھی نظر آتے ہیں تو دکنی پر اردوئے قدیم ہونے کا اندازہ درست لگتا ہے۔ اس قدر مشترک کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اردو کی طرح دکنی اردو پر بھی شور سینی کے اثرات واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ اس لیے اس کے بہت سے الفاظ اس علاقے کی دوسری زبانوں میں بھی ملتے ہیں۔ اس لحاظ سے ان کا دکنی کے مقامی بیجا پوری میں بھی نظر آجانا ایک فطری بات ہے۔ مثلاً مہاراشٹری پراکرت اور اپ بھرنس کا اسم

فاعل جو مصدر پر ''آر'' کے اضافے سے بنتا تھا آج اردو، مرہٹی اور دکنی تینوں زبانوں میں مشترک پایا جاتا ہے۔ اردو اور دکنی میں اس کا روپ ہائے حشوی کے اندراج کے باعث ''آر'' سے ''ہار'' ہوگیا ہے لیکن مرہٹی یا مراٹھی میں قدیم روپ بہ دستور چلا آرہا ہے جیسے مراٹھی مرنار، ہونار وغیرہ۔ دکنی اردو میں یہ الفاظ مرنھار اور ہونہار ہوجاتے ہیں لیکن دکنی اردو میں جو شور سینی اور مہاراشٹری کی آمیزش ہوئی اس کے نتیجے میں یہ زبان کچھ ایسے روپ بھی پیش کرتی ہے جیسے سٹّھار (دالنے والا)، اچھنھار (ہونے والا) جن میں سُٹنا اور اچھنا پنجابی ہریانی وغیرہ کے الفاظ ہیں اور ''ہار (''قدیم ''آر'') کا لاحقہ خالص مہاراشٹری پراکرت کا ہے۔ یہ لسانی خصوصیت بالخصوص دکنی اردو میں نظر آتی ہے۔ اردو زبان میں اس قسم کے مخلوط روپ سرے سے ناپید ہیں۔

☆ دکنی اور اردو میں کچھ ایسی باتیں بھی مشترک نظر آتی ہیں جو واقعی اپنی جگہ بنیادی اور اہم ہیں۔ مندرجہ بالا مشترک خصوصیات کے باعث اردو اور دکنی میں کسی قریبی رشتے یا تعلق کا اندازہ ہو تا ہے۔

☆ اردو کے بہت سے مادے دکنی میں برج بھاشا اور گجراتی وغیرہ کی طرح اشباع حرکت کے ساتھ مستعمل ہیں۔ مثلاً:

لگنا = دکنی لاگنا، اردو چکھنا = دکنی چاکھنا وغرہ۔

☆ اردو کا حالیہ تمام مادے پر ''آ'' لگانے سے اور دکنی کا حالیہ تمام پنجابی کی طرح مادے پر ''یا'' بڑھانے سے بنتاہے جیسے اردو کہا، دکنی کہیا، اردو دیکھا، دکنی دیکھیا، اردو پکڑا، دکنی پکڑیا وغیرہ۔ اس کے علاوہ پنجابی حالیوں کے دوسرے روپ کیتا =) اردو کیا)، لیتا =) اردو لیا) بھی دکنی میں عام ہیں۔ دکنی میں بعض ایسے روپ بھی ملتے ہیں جو معلول الاواخر مادوں پر لاحقہ حالیہ اضافہ کرنے سے قبل ایک کسرہ (زیر) بڑھا کر بنائے گئے

ہیں جیسے آئیا، کھائیا ایک کسرہ (زیر) بڑھا بنائے گئے ہیں جیسے آئیا، کھائیا (اردو آیا، کھایا) وغیرہ۔ ایسے روپ گرو گرنتھ صاحب کی گورمکھی تحریر میں عام لیکن اردو میں سرے سے ناپید ہیں ۔ مثال میں غواصی کے طوطی نامے کا ایک شعر درج کیا جاتا ہے :

وہ چوراں سو تم ہیں خدا نا گھاں
لے کر آئیا کھینچ تمنا یہاں

☆ اردو علامت معطوفہ " کے " یا " کر " کی جگہ دکنی میں " کو " ملتی ہے جیسے اردو کر کے ، دکنی کر کو، اردو ہو کر، دکنی ہو کو، اردو دے کر ، دکنی دے کر، دکنی دے کو، اردو لے کر، دکنی لے کو اردو سمجھا کے (کر)، دکنی سمجھا کو وغیرہ۔

☆ اردو معاون فعل حال " ہے " کی جگہ دکنی میں " اہے (" مرہٹی) اور " اچھے (" گجراتی) کے روپ ملتے ہیں اور اردو معاون فعل ماضی " تھا " کے ساتھ ساتھ " اتھا " کا روپ بھی بہ کثرت مستعمل ہے جب کہ " اہے " اور " اتھا " اردو میں کسی عہد میں نظر نہیں آتے ۔

☆ اردو میں صرف ایک لاحقہ مستقبل " گا " ملتا ہے لیکن دکنی میں پنجابی علامت مستقبل " سے " بھی مستعمل ہے جیسے اردو ہو گا، دکنی ہو سے ، اردو کرے گا، دکنی کر سے وغیرہ۔

☆ اردو میں صرف ایک علامت مصدر " نا " مادے پر اضافہ کی جاتی ہے ۔ لیکن دکنی میں پنجابی کی طرح دو مصدر لاحقے " ان " اور پھرنا، دکنی پھرن، پھرنا، دکنی کے یہ دونوں لاحقے مرہٹی میں بھی عام ہیں ۔

☆ دکنی میں شور سینی زمرے کی زبانوں کے ایسے بہت سے مصادر مستعمل ہیں جن سے اردو زبان قطعی نا آشنا ہے ۔ مثلاً سٹنا (ڈالانا، پھینکنا، پنجابی) ، کاڑنا(نکالنا، پنجابی)، بینا (بیٹھنا = گجراتی بیسوؤں) ، دسنا (نظر آنا،

گجراتی دسووں چنانچہ شورسینی پراکرت دی سدی بہ معنی وہ نظر آتا ہے) ، گھالنا (ڈالنا، ہریانی، راجستھانی)، لانا (لگانا، پنجابی وغیرہ)، لڑکا (کاٹنا، پنجابی)، لوڑنا (طلب کرنا، پنجابی)، نسنا(بھاگنا، پنجابی، ملتانی وغیرہ)۔

☆ برج بھاشا، اودھی ، پنجابی، گجراتی اور مرہٹی کی طرح دکنی میں بھی معلول الا واخر مادوں پر حالیہ ناتمام یا مصدر لاحقہ لگانے سے قبل (پیش) کا اضافہ بھی کر دیا جاتا ہے جیسے ہوونا، دھووتا، پیونا، کھاونا وغیرہ لیکن اردو معلول الاواخر مادوں پر پیش یا زیر لگانے کا کوئی رجحان کسی عہد میں کہیں نظر نہیں آتا۔

☆ دکنی میں بعض نہایت قدیم روپ بھی پائے جاتے ہیں جو اردو والوں کے لیے بالکل اجنبی، نامانوس اور ناقابل فہم ہیں ۔ مثلاً : پھاڑ (ٹکڑا، حصہ)، پہاڑ (پہاڑی)، دھک (دہک، آنچ)، دھکنا(دہکنا، آگ کا روشن ہونا)، اندھارا (اندھیرا)، بہو (بہت) ، دھانا (دھیانا، یاد کرنا، نام لینا)، دھات (طریقہ، طرح)، بھار (باہر)، موہن (معشوقہ)، کدھن (سمت، طرف) وغیرہ۔ بعض ایسے الفاظ ہیں جو دوسری زبانوں میں اب بھی ملتے ہیں ۔ مثلاً واویلا (پنجابی ویلا بہ معنی فارغ) ، ویس (غالباً گجراتی بہ معنی ون)، وہیر (برج بھاشا ہیر بہ معنی وقت)۔

☆ اُردو اور دکنی نحوی ترتیب میں بھی اختلاف ملتا ہے ۔ مثلاً :

دکنی (معراج العاشقین) اللہ محمد باتاں کرنے عشق کوں پلائے

اردو اللہ محمد نے باتیں کرنے (کے لیے) عشق کو بلایا

دکنی حضرت دودھ پئے ہور عرض کیے

اردو حضرت نے دودھ پیا اور عرض کیا

کتابیات

☆ انوار احمد ’) 2001 (اردو ترکی : مشترک کلمات کے امتیاز ‘ ماہنامہ کتاب نما، دہلی ج :41 ، شمارہ 3:

☆ احمد، عقیل 15 (ر نومبر ’) 1977 فسانہء عجائب کا اسلوب بیان ‘ ہماری زبان ، دہلی۔

☆ احمد ، سکندر۔ ’) 1999 (ہمزہ، اپنی اصل کے تناظر میں ‘ شب خون، الہ آباد، دسمبر ج :23 ، شمارہ 232 ۔

☆ احمد، سید اقبال) 1963 (ہندوستان کے عربی لغت نگار ، لکھنؤ یونیورسٹی (پی ایچ۔ ڈی مقالہ)

☆ ادیب، نجم الحسن انجم (ستمبر۔ ’) 1976 کرناٹک میں اردو ‘ ہماری زبان، دہلی۔

☆ ادیب، شارق (نومبر۔ ’) 1976 اردو کا مقدمہ ‘ ہماری زبان ، دہلی۔

☆ بخاری،ڈاکٹر سہیل : لسانی مقالات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد۔

☆ بیلی ، ٹی گراہم ’) 1956 (اردو اور ہندی کا تلفظ ‘ ترجمہ : چودھری محمد نعیم، اردو ادب، علی گڑھ

☆ بیدی ، کالا سنگھ ’) 1966 (تین ہندوستانی زبانیں ۔ پنجابی، اردو، ہندی تینوں زبانوں پر علمی مقالات ‘ انجمن ترقی اردو، دہلی۔

☆ بیگ، مرزا عزیز ا (للہ تاریخ معلوم نہیں) دکنی اردو ، اس کا نشوو نما، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (پی ایچ۔ڈی مقالہ)۔

☆ بیگ، مرزا خلیل احمد ’) 1997 (مسعود حسین خاں اور اسلوبیات ‘

ماہنامہ کتاب نما، دہلی ، دسمبر : ج :37 شمارہ ۔ 12 ۔

☆ بیگ، مرزا خلیل احمد ') 1977 (مرکبات عطفی کا اسلوبیاتی تجزیہ : پروفیسر رشید احمد صدیقی کی روشنی میں ' رسالہ جامعہ، دہلی (مارچ)۔

☆ بیگ، مرزا خلیل احمد) 1997 (لسانی تناظر، باہری پبلی کیشن، دہلی۔

☆ بیگ، مرزا خلیل احمد) 1984 (زبان، اسلوب اور اسلوبیات، ادارۂ زبان و اسلوب ، علی گڑھ۔

☆ بیگ، مرزا خلیل احمد ') 2001 (اردو زبان کا ہند آریائی پس منظر ' سہ ماہی فکر و تحقیق، قومی کونسل برائے فروغ اردو۔ نئ دہلی ، ج :4 شمارہ :1 ۔

☆ بیگ، مرزا خلیل احمد') 1997 (مغرب کے چند اسلوبیاتی نظریہ ساز ' شب خون، الہ آباد، دسمبر ج :31 ، شمارہ :212 ۔

☆ آصفہ بیگم)) تاریخ معلوم نہیں) سب رس ' کے حروف (صرفی مطالعہ) قومی کونسل برائے فروغ اردو ، نئ دہلی۔

☆ پنڈت برج موہن ') 1950 (اہم مسئلے ' اردو ادب، علی گڑھ (جولائی)۔

☆ تبسم،مغنی ') 1971 (اصوات اور شاعری ' اردو میں لسانیات تحقیق ۔مرتبہ عبدالستار دلوی کوکل اینڈ کمپنی، بمبئ۔

☆ جاوید، عصمت ') 1981 (نئ اردو قواعد ' قومی کونسل برائے فروغ زبان اردو نئ دہلی۔

☆ جاوید ، عصمت ') 1985 (اردو اور ہندی کی مشترکہ لفظیات میں فارسی اور مفرس عربی عناصر کا تجزیہ ' اردو لغت نویسی کے مسائل مرتبہ گوپی چند نارنگ، ماہنامہ کتب نما، جامعہ نگر، نئ دہلی۔

☆ جاوید، عصمت ') 1949 (اردو کے لسانیاتی ادب میں دریائے لطافت اور سخندانِ فارس کا حصّہ ' اردو ادب ۔ شمارہ 4: ۔

☆ جاوید ، عصمت ') 1987 (اردو پر فارسی کے لسانی اثرات تصرّف کے آئینے میں ، مہاراشٹر پرنٹنگ اسکول، پونا، ہندوستان۔

☆ جین ، گیان چند ') 1964 (اردو کی آوازیں ' اردو نامہ ، کراچی (اپریل تا جون)

☆ جین، گیان چند ') 1977 (اردو کے آغاز کے نظریے ' ہندوستانی زبان ۔ ش۔ 9 ، نمبر 4 ۔ 3 ، جولائی۔ اکتوبر۔

☆ جین، گیان چند ') 1989 (کھڑی بولی کے ارتقا میں امیرخسرو کا حصّہ خسرو شناسی، ظ۔انصاری، ابولفیض سحر، ترقی اردو بورڈ ، نئ دہلی (پہلا ایڈیشن) 1975

☆ جین، گیان چند (تاریخ معلوم نہیں ' (عام لسانیات ' قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئ دہلی۔

☆ جین، گیان چند (تاریخ معلوم نہیں') لسانی مطالعے ترمیم واضافے کے ساتھ ' قومی کونسل برائے فروغ اردو ، نئ دہلی۔

☆ جین، گیان چند (تاریخ معلوم نہیں ') اردو کے اصوات اور صوتیے ' رسالہ نقوش۔

☆ جین، گیان چند (تاریخ معلوم نہیں ') اردو عروض اور لفظ کا اجزائی بل ' اردو نامہ ، کراچی۔ شمارہ 30:

☆ چٹرجی، سنیتی کمار ') 1977 (ہند آریائی اور ہندی ' مترجم عتیق احمد صدیقی، قومی کونسل برائے فروغ زبان اردو، نئ دہلی۔

☆ چرنیکوا، سونیا (تاریخ معلوم نہیں) اردو افعال ' قومی کونسل برائے فروغ اردو بان، نئ دہلی۔

☆ حامدی کاشمیری ') 2000 (متن میں معنی کا عمل ' ماہنامہ الق
رآن اردو، دہلی، دسمبر، ج :14 ، شمارہ :8
☆ حقی، شان الحق (تاریخ معلوم نہیں ') اصول ترتیب الفاظ ' اردو
نامہ، کراچی۔
☆ حکیم برہم ') 1904 (اردو زبان ' رسالہ اردوئے معلی ،علی گڑھ
۔اپریل۔ شمارہ :4
☆ خاتون، آمنہ " دکن کی ابتدا "
☆ خاں ، اقتدار حسین ') 1958 (شمالی ہند میں اصلاح زبان کی
تحریک ' انجمن اسلامیہ میگزین، کراچی
☆ خاں ، اقتدار حسین ') 1985 (لسانیات کے بنیادی اصول ' ایجو
کیشنل بک ہاؤس۔ علی گڑھ
☆ خاں ، اقتدار حسین) 1971 (معیاری ہندی اور اردو کا بیانیہ اور
تضادی مطالعہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (پی ایچ۔ ڈی مقالہ)
☆ خاں ، محبوب عالم) 1997 (اردو کا صوتی نظام، مقتدرہ قومی زبان
، اسلام آباد۔
☆ خاں ، مسعود حسین۔) 1948 (مقدمۂ تاریخ زبان اردو ' سر سید
بک ڈپو، علی گڑھ۔
☆ مسعود حسین خاں ') 1941 (اردو صوتیات کا خاکہ ' اردوے معلی
، شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی، ج : سوم، شمارہ :5
☆ خاں ، مسعود حسین ') 1956 (قدیم اردو ، عثمانیہ یونیورسٹی، حید
رآباد۔
☆ خاں ، مسعود حسین ') 1978 (اردو میں لسانیاتی تنقید اور ذوق
سلیم کا مسئلہ ' جواز ، مالیگاؤں ۔ شمارہ :5 ۔

☆ خاں ، مسعود حسین ') 1962 (ہندوستان میں اردو کا عروج و زوال ' شعر و زبان۔

☆ خاں ، مسعود حسین (تاریخ معلوم نہیں ') لسانیاتی مقدمہ ' علی گڑھ تاریخ ادب اردو، جلد اوّل

☆ خاں ، مسعود حسین ' (1971 (مطالعۂ شعر (صوتیاتی نقطۂ نظر سے ') اردو میں لسانیاتی تحقیق ' مرتبہ عبدالستار دلوی، گوکل اینڈ کمپنی۔ بمبئی

☆ خاں ، مسعود حسین (نومبر۔ ') 1976 ملک کی تمام ریاستوں میں سے اردو کو دوسری سرکاری زبان کی حیثیت دینے کی ضرورت ' ہماری زبان ،دہلی) 35 :38 (۔

☆ خاں ، مسعود حسین ') 1945 (اردو زبان کا آغاز و ارتقا ' علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (پی ایچ ڈی مقالہ)

☆ خاں ، مسعود حسین) 1968 (دکھنی اردو لغت ، حیدرآباد۔

☆ خاں ، نصیر احمد (تاریخ معلوم نہیں) کرخنداری اردو کا بیانیہ تجزیہ ' علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (پی ایچ۔ڈی مقالہ)

☆ خاں ، رشید حسن ') 1974 (اردو املا ' قومی کونسل برائے فروغ اردو ، نئ دہلی۔

☆ خاں ، رشید حسن ') 1985 (اردو املا کے چند اہم مسائل : لفظوں کو الگ الگ لکھنا ' سہ ماہی اردو، انجمن ترقی اردو ، کراچی (ج :41 ، شمارہ) :3

☆ دڑّانی ، عطش ') 1999 (اردو صوتیے ، نئ املا اور کمپیوٹر تختیاں ' () آخری قسط)، ماہنامہ کتاب نما، دہلی ، نومبر۔

☆ دلوی، عبدالستّار ') 1965 (بمبئ اردو : لسانیاتی عمل کا مطالعہ ' ۔ بمبئ یونیورسٹی (پی ایچ۔ ڈی مقالہ)

☆ ڈاکٹر تارا چند " انفلوئنس آف اسلام آن انڈین کلچر "

☆ ذاکر، محمد ') 1977 (حضرت امیر خسرو اور اردو ' رسالہ ' منادی ' (اکتوبر) دہلی۔

☆ ذاکر، محمد) 1985 (معیاری اردو لغت : ایک خاکہ اردو لغت نویسی کے مسائل مرتبہ گوپی چند نارنگ، ماہنامہ کتاب نما، جامعہ نگر، دہلی۔

☆ زور، سید محی الدین قادری '(1961 (اردو کی ابتدا ' اردوے معلی، نئ دہلی، شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی، جلد :3 ، نمبر :4 ۔ 5

☆ سبزواری، شوکت (جنوری ') 1968 اردو کے مرکب افعال ' رسالہ سہ ماہی اردو ، پاکستان۔

☆ سبزواری، شوکت (اپریل '(1968 اردو کی مستعار آوازویں ' رسالہ سہ ماہی اردو ، پاکستان۔

☆ سبزواری، شوکت ') 1954 (اردو زبان کا ارتقا ' پاک کتاب گھر، ڈھاکہ۔

☆ سبزواری، شوکت ') 1961 (داستان زبان اردو ' کراچی ایڈیشن۔

☆ سجاد ظہیر ') 1959 (اردو کا حال اور مستقبل ' ماہنامہ صبا، حید رآباد دکن، ج :5 ، شمارہ 8:7

☆ سحر، ابو الفیض (تاریخ معلوم نہیں '(اردو میں وضع اصطلاحات : اصول و تاریخ ' جامعہ ملیہ اسلامیہ (پی ایچ۔ڈی مقالہ)۔

☆ سلیمان ندوی، سید '(1937 (لغاتِ جدید ' معارف، اعظم گڑھ

☆ شمشاد زیدی : اردو کا لسانی تجزیہ

☆ سید احمد دہلوی ') 1976 (فرہنگ آصفیہ ' قومی کونسل برائے فروغ زبان اُردو، نئ دہلی۔

☆ شیرانی ، حافظ محمود "(1928 (پنجاب میں اردو " لاہور۔

☆ صدیقی، عبدالستار 18 (۔اپریل، ") 1985 اردو املا " ہماری زبان ، دہلی۔

☆ عبداللہ ، سید ') 1943 (قدیم عربی تصانیف میں ہندوستانی الفاظ ' اورینٹل کالج میگزین، مئی، لاہور۔

☆ عبدالحق (تاریخ معلوم نہیں "(پنجاب میں اردو " تنقیدات عبدالحق مرتبہ محمد تراب علی خاں بابر۔حید رآباد، دکن۔

☆ عصمت جاوید : اردو کی نئی قوائد، قومی کونسل برائے فروغ اُردو، نئی دہلی۔

☆ فاروقی، شمس الرحمن ') 1985 (اردو لغت اور لغت نگاری ' اردو لغت نگاری اردو لغت نویسی کے مسائل مرتبہ گوپی چند نارنگ۔ ماہنامہ کتاب نما، جامعہ نگر، نئی دہلی۔

☆ گلیسن ایچ۔ ایل (تاریخ معلوم نہیں ') توضیحی لسانیات ' مترجم : عتیق احمد صدیقی قومی کونسل برائے فروغ زبان اردو، نئی دہلی۔

☆ گریئرسن،جارج 1921 (۔ "The Linguistic (1901 Survery of India, جلد 5: سنگِ محل، لاہور۔

☆ مصطفیٰ، خطیب ایس "(1992 (دکنی " نئی دہلی۔

☆ نارنگ، گوپی چند (تاریخ معلوم نہیں "(اردو کی آوازیں " اردو نامہ ، کراچی۔

☆ نارنگ، گوپی چند "(1990 (املا نامہ " قومی کونسل برائے فروغ اردو ، نئی دہلی۔

☆ نارنگ، گوپی چند "(1970 (اردو میں لسانی تحقیق " نوائے ادب ۔ اکتوبر۔ بمبئی

☆ ہاشمی، نصیرالدین "(1985 (دکن میں اردو " قومی کونسل برائے

فروغ اردو ، نئی دہلی۔

111